بیاضِ غالب

★

تحقیقی جائزہ

کمال احمد صدیقی

★

ادارہ مطالعاتِ غالب
(سرینگر کشمیر)

ادارۂ مطالعاتِ غالب
پرتاپ پارک، ریزیڈنسی روڈ
سرینگر، کشمیر

پہلا ایڈیشن: ایک سو   قیمت: ۵۰۰ روپے

مصنف کی دوسری کتابیں

مطبوعات:

بادبان (نظمیں) ۱۹۴۶ء
ایران قدیم و جدید ۱۹۵۳ء
انتخاب کلام (سلسلہ انجمن ترقی اردو ہند)
نوادرات ۱۹۶۲ء
کوہسار گاتے ہیں (نظمیں) ۱۹۶۴ء
تاریخ ہند ازمنۂ وسطیٰ ۱۹۶۶ء

زیر طبع:

عصر جدید اور شاعری
[illegible] چنار کی (کشمیر پر مقالے)
[illegible]
[illegible] (نظمیں)

[illegible]

غالب

ولادت

آگرہ

۲۷ر دسمبر ۱۷۹۷ء

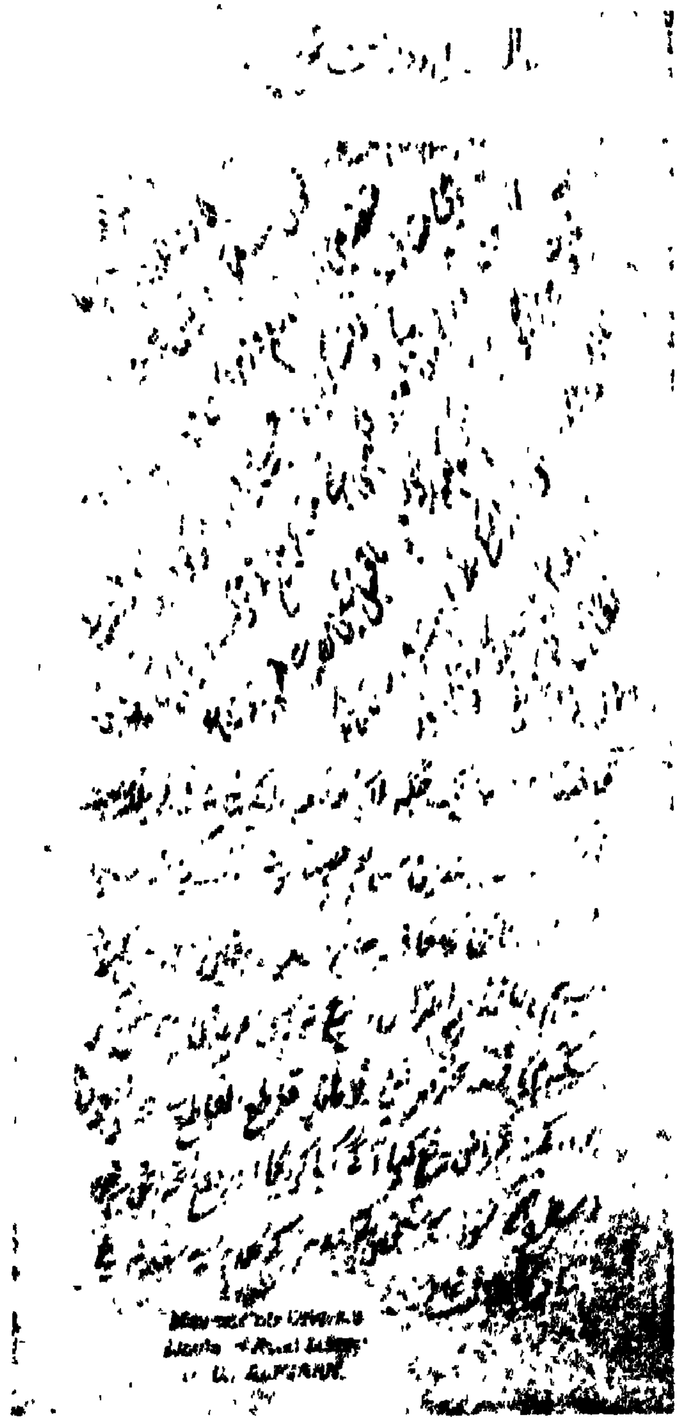
وفات

دہلی

۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء



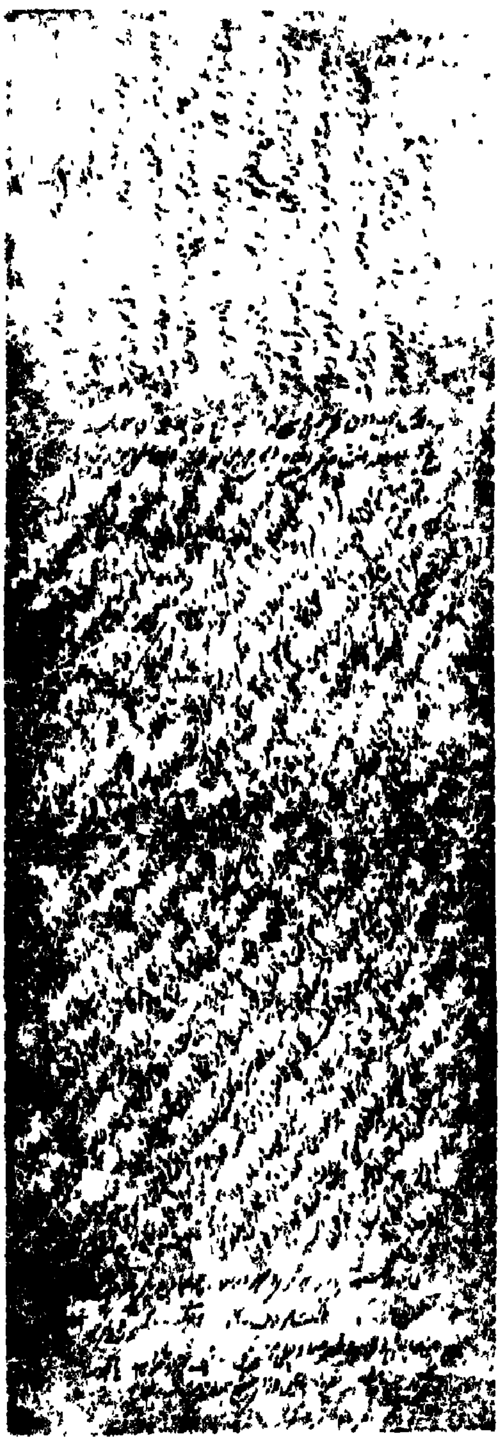
حبیب گنج کلکشن (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

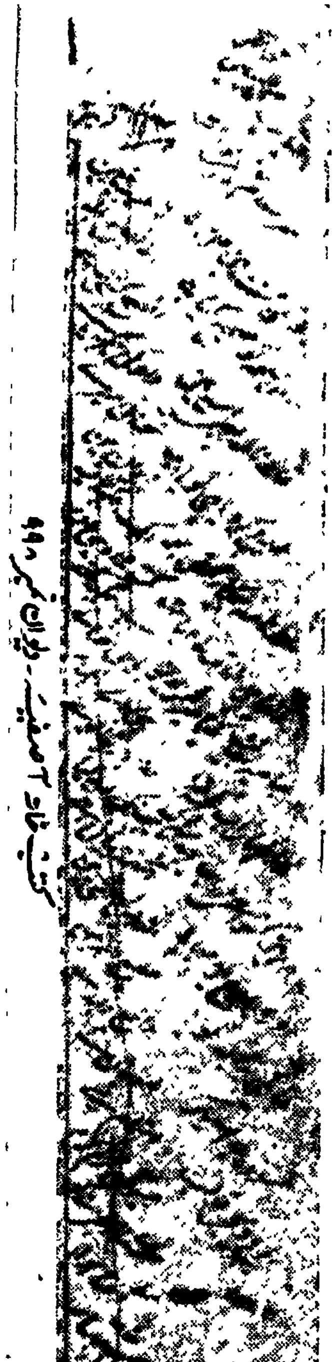


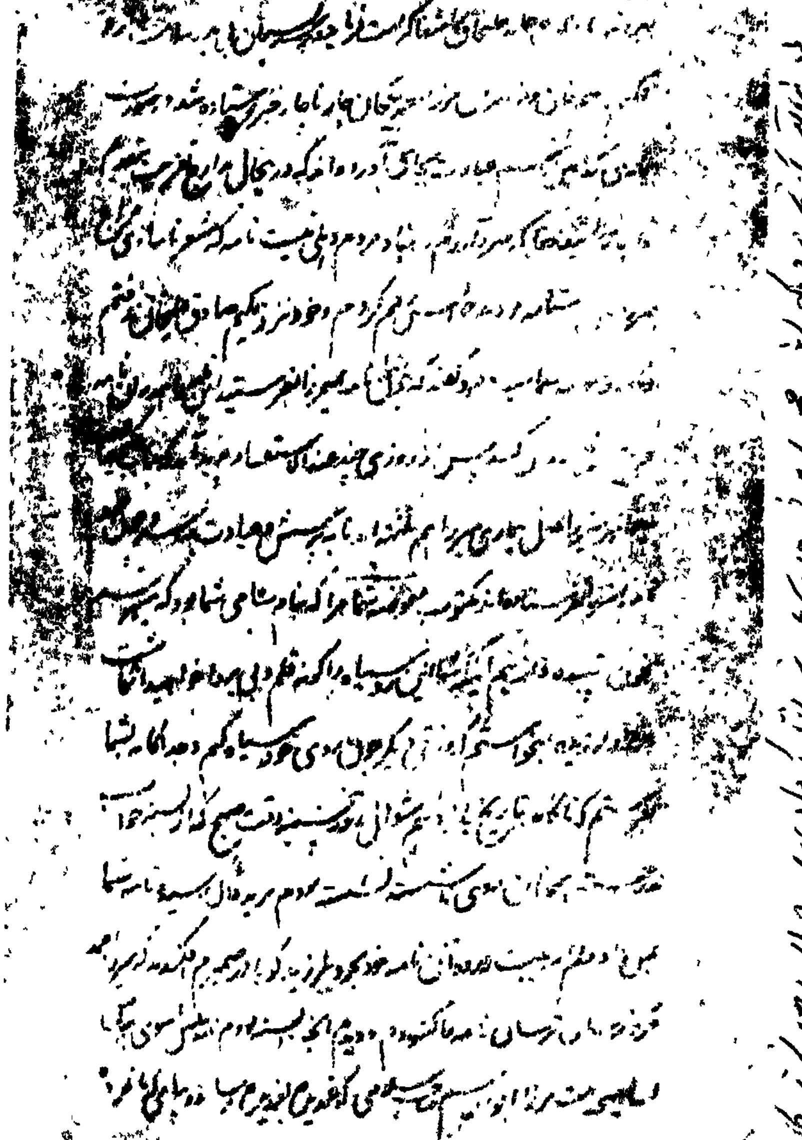
خان بہادر ابو محمد کلکشن (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

ذخیرہ از مارہرہ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ







حبیب گنج کلکشن (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

دیوان (مطبوعہ ۱۸۶۱ء) کے آخری صفحے کے حاشیے پر [illegible]
[illegible] جناب محمد حبیب خان [illegible] نسخۂ [illegible] راقم کے مقدمے میں صفحہ ۲۶
اس عبارت کے [illegible] [illegible] ہے۔ [illegible] عرشی [illegible] ۱۵
جو تین [illegible] درج ہے [illegible] دو جگہ [illegible]
[illegible] کی جگہ [illegible] ہے۔ [illegible] جگہ [illegible] ہے، اور [illegible] کی جگہ
[illegible] ہے۔ جناب [illegible] علی خاں [illegible] اور [illegible] راقم [illegible]

[illegible]

غالب کے جتنے مطبوعہ نسخے مل سکے، میں نے ان کا تقابلی مطالعہ کیا جناب امتیاز علی عرشی اور جناب مالک رام صاحب کے مرتّب کئے ہوئے نسخے زیادہ درست پائے لیکن ان میں بھی کچھ غلطیاں جگہ پا گئی ہیں اور یہ غلطیاں اختلافِ نسخ کی وجہ سے نہیں ہیں۔ مالک رام صاحب نے املا چونکہ موجودہ اسلوب کے مطابق لکھا ہے اس لئے جہاں "یاں" کے بجائے "یہاں" لکھا ہے، وہ بہت گراں گزرتا ہے اگر "یہاں" لکھا ہوتا تو مصرعے بحر سے خارج نہ ہوتے اسی طرح میرزا کی وہ غزل جس کا مطلع ہے :

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلّی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

نسخۂ مالک رام (آزاد کتاب گھر) میں چوتھا شعر اور مقطع یوں چھپے ہیں:

دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفَس جادۂ سرمنزلِ تقوی نہ ہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

قافیوں میں یہ املا درست ہے؟ اس سلسلے میں استاذی ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی سے گفتگو ہوئی، تو آپ نے فرمایا کہ عربی عروض میں ایسے قوافی جائز ہیں. لفظ تقویٰ، تقوی ہی پڑھا جائے گا لیکن تسلی اور افعی کے ساتھ قافیے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے. میرزا یقیناً اس اصول سے واقف تھے لیکن ان کا دیوان مرتب کرنے والے بہت سے اہل علم حضرات اس سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں چنانچہ نسخۂ عرشی میں صفحہ ۲۴۲ پر چوتھے شعر کا قافیہ تقویٰ، ہے اور مقطع کا قافیہ عیسیٰ ہے۔ عیسی چونکہ رائج ہے اس لئے یہاں پر یہ غلطی چھپ جاتی ہے لیکن تقوی میں غلطی نہیں چھپتی. جناب امتیاز علی خان عرشی نے شاید ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کا اتباع کیا۔ نسخۂ ذاکر حسین (مطبوعہ برلن) میں بھی قوافی تقوی اور عیسی ہیں. پر تقوی چندر کے "مرقع غالب" میں شعر کا قافیہ تقوی اور مقطع کا قافیہ عیسی چھپا ہے۔

مالک رام صاحب کے مرتب کئے ہوئے دیوانِ غالب (اردو) سے بعض شعر نقل کئے جاتے ہیں:-

ص۹۵ اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا

غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

پہلے مصرع کا آخری لفظ "دیکھنا" ہونا چاہئے۔

ص۹۶ خون ہے دل خاک میں احوالِ بُتاں پر یعنی

ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد

مالک رام صاحب نے چونکہ بڑے اہتمام سے اور التزام سے نونِ غنہ میں نقطے نہیں لگائے ہیں، اس لئے "خوں" کی بجائے "خون" لکھا جانا چاہئے تھا. شاید مالک رام صاحب نے خون، ان کے اعلان کے ساتھ ہے کی [illegible] ملا کر پڑھا. غالب اس کے قائل نہیں تھے.

۹۲ چھوڑی [illegible] نے [illegible] خانہ آرائی

[illegible] زنداں پہ

مالک رام صاحب کا کہنا ہے کہ انھوں نے الاموجود [illegible] سے مطابقت رکھی ہے اس لئے یہ

کہنا پڑتا ہے کہ یاں لکھنا چاہئے تھا۔ فٹ نوٹ میں مالک رام صاحب نے یہ ضرور دکھا دیا ہے کہ، منشی شیو نرائن کے مطبع مفید الخلائق کے ایڈیشن میں اور انتخاب غالب (رام پور) میں "یاں" چھپا ہے، لیکن یہ بات گمراہ کن ہے، کہ متن میں یہاں چھپا ہے، جن لوگوں نے غالب کے خطوط دیکھے ہیں اور خاص طور سے شاگردوں کو لکھے گئے خطوط، جن میں انھوں نے شعر و ادب کی اصلاحوں کا ذکر کیا ہے، وہ اس بات سے واقف ہوں گے، کہ غالب کے عہد کی دلی میں یہاں اس طرح بولا جاتا تھا کہ ی اور ھ کو اس طرح ملا کر پڑھیں جیسے ب اور ھ یعنی بھ لفظ بھگت میں۔ اگر مالک رام صاحب یہی تلفظ دکھانا چاہتے تھے تو یہاں لکھنا چاہئے تھا، لیکن چونکہ بعد میں یاں رائج ہوا (اور اس کے بعد متروک بھی ہو گیا) اس لئے انہیں یاں رکھنا چاہئے تھا۔ موجودہ اسلوب کے مطابق یہاں کا وزن وہی ہے جو نظر یا عمل کا ہے اور یہاں لکھنے سے مصرع بحر سے خارج ہو گیا۔

ایسی ہی غلطی صفحہ ۱۵۱ پر اس شعر میں ہے :

وہاں اس کو ہول دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار

یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو !

جب مصرع میں یاں لکھا تھا تو واں لکھنے میں کیا قباحت تھی ؟ اسی طرح ص۱۹۱ پر اس شعر میں یاں ہونا چاہئے تھا :

ہجوم غم سے یہاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے

کہ تار دامن و تار نظر میں فرق مشکل ہے

ص۲۰۳ پر یہ شعر ملاحظہ فرمائیے :

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے انداز

جو داغ نظر آیا، اک چشم نمائی ہے

اگرچہ فٹ نوٹ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ متن "یعنی منشی شیو نرائن والے ایڈیشن میں اک ہے لیکن یہ بات کافی نہیں ہے۔ اصل متن میں ایک برقرار رکھنا درست نہیں ہے جب اس کی وجہ سے مصرع ناموزوں ہو جاتا ہو۔

اک کی جگہ ایک صفحہ ۲۰ پر اس شعر میں درج ہے :

اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک
ایک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے

مالک رام صاحب نے چونکہ اضافتوں کا بڑا خیال رکھا ہے اس لئے صفحہ ۲۳۳ پر چھپا ہوا یہ شعر دیکھئے :

پھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پر آب
اے عندلیب وقتِ وداع بہار ہے

"وداعِ بہار" ہونا چاہئے
صفحہ ۲۹۰ پر ایک شعر یوں چھپا ہے :

لکھا کرے کوئی احکام طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے

اس شعر کے سلسلے میں کوئی فٹ نوٹ بھی نہیں ہے اگر کسی نسخے میں وہاں کی جگہ واں ہے اب چونکہ غالب وہاں موجودہ اسلوب کے مطابق بھی لکھتے تھے جیسے :

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی !

اسلئے اگر وہاں "واں" کے وزن پر نہ پڑھا جائے تو شعر ناموزوں ہو جاتا ہے مالک رام صاحب کو چاہئے تھا کہ واں لکھتے یا پھر "کہ" نہ لکھتے :

ایک قصیدے میں، صفحہ ۳۰۴ پر یہ شعر ہے :

خوب ہے تذکرہ اُن کا گورنمنٹ کو ضرور
ہے زہے کیوں ذلیل ہو غالب ہے جس کا نام

غالب گورنمنٹ نہیں بلکہ گورمنٹ لکھتے تھے (خط بنام نواب یوسف علی خاں والئ رامپور مورخہ ۰۰۰ ۱۸۶۰ء) میں بھی یہی لکھ کر مالک رام صاحب نے پہلا مصرع ناموزوں کر دیا ہے یہ غلطی پر چھوڑ

چندر صاحب کے "مرقع غالب" میں بھی ہے۔

مالک رام صاحب نے صفحہ ۲۱۰ پر، نواب علاؤالدین خاں علائی، والی لوہارو کی بیاض سے ایک قطعہ نقل فرمایا ہے:

کیا ان دنوں بسر ہو ہماری فراغ میں — کچھ تفرقہ ربانہ دل و درد و داغ میں
چاہا بچشم شوق جو موسیٰ نے طور پر — یہاں دیکھتے ہیں روز وہی ہر چراغ میں

یہ تمکنت، وقار، علائی یہ وحشتیں
شورش ہے کچھ ضرور تمہارے دماغ میں

موجودہ اسلوب کے مطابق جس کا دعویٰ مقدمے میں کیا گیا ہے، یاں لکھنا چاہئے تھا۔ یہاں سے مصرع ناموزوں ہو گیا ہے۔

مالک رام صاحب کے دیوانِ غالب میں صفحہ ۱۰۵ پر ایک شعر ہے:

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے، اے شعلہ
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع!

شعر صحیح لکھا ہے لیکن فٹ نوٹ میں اشارہ کیا ہے کہ ش (شیو نرائن کے نسخے میں) پروانہ کے بجائے پروانے لکھا ہے۔ یہ فٹ نوٹ لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ فٹ نوٹ اختلافِ نسخ دکھانے کے لئے ہے، غلطیاں دکھانے کے لئے نہیں۔ حسرتِ پروانہ کو حسرت پروانے نہیں لکھا جا سکتا۔ اس لئے یہ فٹ نوٹ گمراہ کن ہے ایسا فٹ نوٹ کسی غالب شناس کے شایانِ شان بھی نہیں۔

اپنی بے بضاعتی کے احساس کے ساتھ میں نے غالب کا دیوان مرتب کرنا شروع کیا۔ کوشش یہ تھی کہ اس دیوان میں کوئی غلطی جگہ نہ پائے، دیوان مرتب ہو گیا، لیکن کوئی پچیس شعر ایسے تھے جن کے بارے میں میں مطمئن نہیں تھا، ان میں سے کچھ شعر یہ ہیں:

۱۔ اے ترا غمزہ یک قلم انگیز
اے ترا ظلم سر بسر انداز

یا

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز
اے ترا ظلم سر بسر انداز

۲۔ میناتے مے ہے سرونشاطِ بہار سے
بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے
یا
میناتے مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے
بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

۳۔ پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
یا
پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

۴۔ اے شہنشاہِ کواکب سپہ مہرِ علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
یا
اے شہنشاہِ کواکب سپہ و مہرِ علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

۵۔ بے خودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو،
پُر ہے سائے کی طرح میرا شبستاں مجھ سے
یا
بے خودی بستۂ تمہیدِ فراغت ہو جو،
پُر ہے سائے کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

۶۔ سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہئے ؟

یا

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال
کہ یہ کہیں کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہئے ؟

۷۔ رہے گر دل میں تیر اچھا، جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بتِ ناوک فگن کی آزمائش ہے

یا

رہے دل میں تیر اچھا، جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بتِ ناوک فگن کی آزمائش ہے

۸۔ نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

یا

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

۹۔ منہ نہ دکھلاوے، نہ دکھلا، پر بہ اندازِ عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

یا

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ اندازِ عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

۱۰ افسردگی نہیں طرب انشائے التفات

ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

یا

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات

ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

۱۱ بہت سہی غم گیتی، شراب کم کیا ہے

غلام ساقیٔ کوثر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے

یا

بہت سہی غم گیتی، شراب کم کیا ہے

غلام ساقیٔ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

۱۲ منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی

قسمت کھلی ترے قد و رخ کے ظہور کی

یا

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی

قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

ان شعروں کے علاوہ اور بھی کچھ باتیں ہیں جن کے لئے میں "نو دریافت" دیوان غالب بخط غالب دیکھنا چاہتا تھا۔ مخطوطہ تو میں نے نہیں دیکھا۔ نقوش (لاہور) کا غالب نمبر اور عرشی زادہ (اکبر علی خاں صاحب) کا نسخۂ عرشی زادہ، دونوں ایڈیشن دیکھے۔ نسخۂ امروہہ کو جس کے غیر معکوس عکس یہ ایڈیشن ہیں غالب کی خود نوشتہ بیاض تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی مجھے کچھ الجھن ہوئی۔ تفصیل سے دیکھنا شروع کیا تو کئی باتیں بری طرح کھٹکیں۔

غالب کی تحریروں کے جو عکس بلاک یا فوٹو آفسٹ سے مختلف کتابوں اور رسائل میں شائع ہوئے ہیں، میں اُن سے اچھی طرح مانوس ہوں۔ اس کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی مولانا آزاد لائبریری کے مخطوطوں کے شعبے میں غالب کی تحریریں دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے لئے میں پروفیسر سید بشیر الدین، سابق لائبریرین اور محبّی محمد حسین رضوی، نائب لائبریرین کا شکر گذار ہوں۔ کرحبیب گنج اور خان بہادر سید ابو محمد الہ آباد کے ذخیرے دیکھ سکا۔ رضا لائبریری رام پور میں غالب کی جو تحریریں ہیں، ان میں بہت سی پر تقوی چند رصاحب نے "مرقع غالب" اپنی فوٹو آفسٹ کے عمل سے شائع کی ہیں، اور یہ میں نے توجہ سے دیکھی ہیں۔

"مکاتیب غالب" میں جناب امتیاز علی خاں عرشی نے غالب کے طرزِ تحریر کے بارے میں بڑی مفید باتیں لکھی ہیں۔ " املائے غالب" کے باب ہی میں نہیں بلکہ اصلاحوں اور خطوط میں بھی غالب کے طرزِ تحریر کے بارے میں کام کی باتیں ہیں۔ ان کی روشنی میں "نسخۂ امروہہ" کے عکسوں کو دیکھئے، تو یہ نتیجہ ناگزیر ہے کہ یہ غالب کے قلم کی تحریر نہیں، یہی نہیں، بلکہ کاتب نے کچھ ایسی غلطیاں بھی کی ہیں، جو غالب سے یقیناً سرزد نہیں ہو سکتی تھیں۔ ان کا سلسلہ پہلے صفحہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

میں نے نہ صرف کشمیر، علیگڈھ اور دلی میں قدیمی نسخے دیکھے ہیں، بلکہ خود میری ذاتی لائبریری میں بیس سے زائد اہم قدیمی قلمی نسخے ہیں۔ ان میں صفحات پر نمبر نہیں ہیں، بلکہ ترکے یا رکاب کا طریقہ ہے۔ ہر دوسرے صفحے کے بعد ورق بدلتا ہے، اور جہاں ورق بدلتا ہے، وہاں آخری سطر کے آخری لفظ کے نیچے اگلے ورق کا پہلا لفظ لکھ دیا جاتا تھا، تاکہ جزو ملاکر جوڑے جاسکیں۔ اور اگر اوراق کبھی بکھر جائیں، تو انھیں مجتمع کیا جا سکے۔ یوں سمجھئے، کہ طاق صفحوں پر ترکہ یا رکاب کی ضرورت نہیں، کیونکہ اگلا صفحہ اسی ورق پر ہوتا ہے۔ لیکن جُفت صفحے کے آخر میں اگلے طاق صفحے کا پہلا لفظ درج ہوتا تھا۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کہ مخطوطے کا پہلا صفحہ ایک الف اور دوسرا صفحہ ایک ب، تیسرا صفحہ ۲ الف اور چوتھا صفحہ ۲ ب ہے۔ اس صورت میں ہر ب صفحہ پر ترکے کا لفظ ہوگا۔ ورق ایک الف واقعی پہلا صفحہ ہوگا۔ چاہے مخطوطے میں یہ سادہ چھوڑ دیا جائے، یا اس پر کتاب کا نام درج ہو۔ اور اصل متن ایک ب سے شروع ہو۔ (نقوش کے غالب نمبر میں جس ورق کو ایک الف بتایا گیا ہے، دراصل وہ ایک ب ہے)

اب ذرا "نسخۂ امروہہ" یعنی الف کے ورق ایک ب پر اور نسخۂ عرشی زادہ (یعنی عین) کے ص۲ پر نظر ڈالیئے، ترکے کا لفظ "وحشت" ہے اور واقعی اگلے ورق پر پہلا شعر اسی لفظ سے شروع ہوتا ہے:

وحشتِ خوابِ عدم، شورِ تماشا ہے اسدؔ
جز مژہ جوہر نہیں آئینۂ تعبیر کا

آیئے اب ورق ۲ ب ملاحظہ فرمائیے، ترکے یا رکاب کے طور پر "مگر دستے" لکھا ہے، ورق ۳ الف کا پہلا مصرع "مگر دستے" سے شروع ہونا چاہیئے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ ورق ۳ الف پر پہلا مصرع یہ ہے:

حصارِ شعلۂ جوّالہ میں عُزلت گزیں پایا

"مگر دستے" تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ یہ الف کے ورق ۲ ب اور عین کے صفحہ ۴ پر ہی مل جائے گا۔

آخری مصرع سے قبل جو مصرع ہے۔ وہ مگر دستے سے شروع ہوتا ہے، شعر یہ ہے:

نفس حیرت پرستِ طرزِ ناگیرائی مژگاں
مگر دستے بہ دامانِ نگاہِ واپسیں پایا

اس کے بعد ایک اور مصرع لکھا ہے، جو مقطع کا مصرعِ اولیٰ ہے:

اسدؔ کو پیچ تابِ طبعِ برق آہنگ مسکن ہے

اسی کے مصرعِ ثانی سے صفحہ ۳ الف شروع ہوتا ہے۔

ذرا ورق ۲ ب پر نظر ڈالیں، اور دیکھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے، کہ رکاب یا ترکے کی کتابت کے بعد دو مصرعے اور اس صفحے پر لکھ دیئے گئے۔ اگر ایسا ہوتا بھی تو ترکے کے الفاظ قلم زد کر دیئے جاتے، کیونکہ اس صفحہ پر تین جگہوں پر کاٹ پیٹ ہے۔ اگر ترکے کو قلم زد نہ کرنے کے سلسلے میں "شبہ کا فائدہ" بھی دیدیجئے، کہ سہو ہوگیا، تو بھی بات نہیں بنتی صفحہ ۲ ب

تین کالموں میں عمودی طور پر تقسیم ہے۔ پہلے کالم میں اوپر سے نیچے ۹ مصرعے لکھے ہیں۔ دوسرے کالم میں نیچے سے اوپر ۹ مصرعے لکھے ہیں۔ تیسرے اور آخری کالم میں اوپر سے نیچے ۹ مصرعے لکھے ہیں۔ یہ واضح ہے، کہ ترقیمہ تیسرے کالم کے ۹ مصرعے لکھنے کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے، کہ ترقیمہ آخری مصرع کے آخری لفظ سے عمودی طور پر ڈیڑھ انچ نیچے ہے۔ اور مصرع کے پہلے لفظ سے تقریباً چالیس ڈگری کے زاویے پر ایک انچ دوری پر ہے۔ اگر آخری دو مصرعے نہ ہوتے، تو ترقیمہ آخری مصرع کے آخری لفظ سے عمودی طور پر ساڑھے تین انچ دور ہوتا۔ صفحہ پر اتنی خالی جگہ بہت بُری لگتی ہے۔ جب پہلے اور دوسرے کالموں میں ۹ مصرعے ہیں، تو تیسرے میں بھی ۹ ہی مصرعے ہونا چاہیئے تھے، جو ہیں۔

"نقوش" کے غالب نمبر میں یہ خامی چھپ جاتی ہے، کیونکہ ص۵۴ کے مقابل ص۵۵ پر متن نستعلیق خط میں دیا گیا ہے۔ لیکن "نسخۂ عرشی زادہ" میں "مگر دستے" رکاب کی حیثیت سے صفحہ ۴ پر ہے اور مقابل کے صفحہ ۵ پر پہلا مصرع یہ ہے:

حصارِ شعلۂ جوالہ میں عزلت گزیں پایا

یہ مصرع بھی جس طرح لکھا گیا ہے۔ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے، کہ میں غالب کے قلم سے نہیں لکھا گیا ہوں۔ جوالہ میں وَ پر تشدید ہے۔ عُزلت کی عین اور گزیں کے کاف پر پیش ہے، لیکن "شعلہ" کی ہ پر اضافت دکھانے کے لئے جو ہمزہ ہونا چاہیئے تھا، وہ نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں کسرۂ اضافت تو ہر جگہ غائب ہے، اضافت کے ہمزہ کہیں ہیں، کہیں نہیں ہیں، اور کہیں غلط ہیں، جو ہمزہ غائب ہیں، ان کا شمار کرنے سے ایک ضخیم دفتر مرتب ہو جائے گا۔ الف کے ورق ۲ الف اور عین کے ص۳ پر غزل نمبر ۱ کا دوسرا شعر مخطوطے میں یوں لکھا ہے:

عدم ہے خیر خواہِ جلوہ کو زندانِ بیتابی

خرامِ ناز، برقِ حاصلِ سعیِ سپند آیا

الف کے مؤلف نے تصریحات کے تحت "تذرعرشی (گنجینۂ معنی) میں طباعت

ایک غلطی کو اختلاف نسخ کے طور پر دکھایا ہے۔ پہلے مصرع میں کو چھوٹ گیا تھا۔ اور جلوہ کی ہ پر ء چھپ گیا تھا۔ غلط نامے میں اس غلطی کو دکھا دیا گیا ہے۔ الف کے مؤلف نے طباعت کی یہ غلطی درست کئے بغیر نسخۂ عرشی کا مطالعہ فرمایا ہے، اسکا ذکر اسلئے ضروری ہے، کہ "مخطوطے" میں بھی کتابت کی بہت سی غلطیاں ہیں، جن کو ناقل نے اختلافِ نسخ سمجھ کر نقل کر دیا ہے۔

اس شعر کو اس مقام پر یوں پیش کیا گیا ہے۔ کہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں اس کی قرأت میں اختلاف ہے۔ نسخۂ بھوپال میں شعر کا قافیہ "پسند" ہے اور نسخۂ شیرانی میں "سپند" ہے۔

نسخۂ بھوپال کی کتابت ۵ صفر ۱۲۳۷ ہجری کو تمام ہوئی تھی۔ نسخۂ شیرانی کا زمانۂ کتابت اس کے چھ برس بعد کا ہے۔ اگر زیر نظر "مخطوطہ" واقعی ۱۲۳۱ ہجری کا لکھا ہوا ہوتا، تو اس میں نسخۂ شیرانی کی قرأت نہ ہوتی، جو نسخۂ بھوپال کی اصلاح یافتہ شکل ہے۔

یہ بات قرین قیاس نہیں، کہ میرزا نے "سپند" کا قافیہ غیر مروّف بیاض میں لکھا ہوگا۔ اس سے یہ مروّف بیاض میں "سپند" نقل ہوا۔ اس پر اصلاح بھی نہیں دکھائی گئی ہے، گویا یہ لفظ آئندہ بھی نقل ہوتا رہا۔ پھر نسخۂ بھوپال میں یہ "پسند" ہوگیا۔ نسخۂ شیرانی میں یہ پھر "سپند" ہوگیا۔

لازمی طور پر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ یہ میرزا کی پہلی مروّف بیاض نہیں ہے۔ اور نہ یہ میرزا کے خط میں ہے۔

اسی صفحہ پر غزل نمبر ۳ کا دوسرا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

بفیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں تر
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

ن ع (نسخۂ عرشی) کے ن س (نوائے سروش) کے حصے میں ص ۱۴۳ پر یہ شعر نسخۂ بھوپال کے حوالہ سے چھپا ہے اور پہلا مصرع یوں ہے:

بفیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں ہے

نسخۂ رامپور میں یہ مصرع یوں ہے:

بفیضِ بیدلی نومیدی جاوید آساں است

" آساں تر" کا کوئی محل نہیں ہے، کیونکہ جب تک تقابل نہ ہو تر کیسے کہا جا سکتا ہے۔ نسخۂ رام پور اگر براہ راست میرزا کی بیاض سے نقل ہوا ہے، اور یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا، تو اس بات میں کوئی شک نہیں، کہ "آساں است" سب سے پہلی قرأت ہوگی۔ یہ بات یوں بھی زیادہ قرین قیاس ہے، کہ اسمیں کئی جگہ پر شعروں کی وہ قرأت نہیں جو گلِ رعنا میں ہے۔

جناب امتیاز علی خاں عرشی نے بڑے مدلل طریقے سے اس بات سے بحث کی ہے۔ نسخۂ عرشی کے دیباچے میں ص۸۳ اور ص۸۴ پر عرشی صاحب نے یہ دکھایا ہے، کہ نسخۂ رام پور میں یہ شعر نہیں ہے:

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

یہ شعر گلشن بیخار میں موجود ہے۔ جو ۱۲۵۰ - ۱۲۴۸ھ کی تصنیف ہے۔ عرشی صاحب کے الفاظ میں:-

" اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ یہ نسخہ متداول دیوان کا وہی پہلا ایڈیشن ہے، جو حسب تصریح نسخۂ بدیواں، آخر ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) میں مرتب ہوا تھا۔ بظاہر خیال ہوتا ہے، کہ میرزا صاحب نے اس انتخاب کے وقت اُن ترمیموں کو بھی پیش نظر رکھا ہوگا، جو گلِ رعنا میں موجود تھیں۔ مگر متعدد اشعار کی شہادت یہ ہے، کہ اُن کے سامنے اس وقت گلِ رعنا کا نسخہ نہ تھا۔ مثلاً ایک شعر ہے:

دے تو لوں سوتے میں اُسکے پانو کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

اس کے مصرعِ اوّل کی ابتدائی قرأت " اُسکے بوسہ ہائے پا مگر" تھی، گلِ رعنا میں "بوسہ ہائے پا" کو "پانو کا بوسہ" بنایا گیا۔ چاہیے یہ تھا، کہ ب (نسخۂ رامپور) میں بھی یہی الفاظ لکھے جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اس میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی والی قرأت ہی کو دہرایا گیا ہے"۔

اس حقیر کا خیال ہے، کہ نسخۂ بھوپال کا مصدر ہی نسخۂ رام پور کا مصدر بھی تھا۔ اور یہ مصدر میرزا کی بیاض کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ

بفیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں است

ابتدائی قرأت ہوگی اگر زیر نظر نسخہ واقعی وہی ہوتا، جسکا دعویٰ کیا جاتا ہے، تو اس میں بھی یہ مصرع

یوں ہی ہوتا،

الف کے ورق ۲ ب اور عین کے صفحہ ۲ پر ایک ایسا فرق ہے، جو تفتیش چاہتا ہے۔ الف کے صفحہ پر پہلا شعر یہ ہے:

اسد ہر جا سخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگِ بہار ایجادیِ بیدل پسند آیا

عین یعنی نسخۂ عرشی زادہ میں پہلا شعر یوں چھپا ہے:

اسد ہر جا سخن نے طرحِ باغ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگِ بہار ایجادیِ بیدل پسند آیا

خیال ہے، کہ عین کے لئے آفسٹ نگیٹو براہِ راست مخطوطے سے اور الف کے لئے اس مائکروفلم کے پرنٹ سے بنے ہوں گے۔ جو پاکستان بھیجا گیا تھا۔ مائکروفلم کے پرنٹ سے جو نگیٹو اور پلیٹیں بنیں، ان میں تو اسد کا الف ہے لیکن براہِ راست مخطوطے سے جو نسخہ فوٹو آفسٹ سے چھپا اس میں الف نہیں ہے۔

الف اور عین کے انھیں صفحوں پر کئی اور باتیں قابلِ توجہ ہیں۔ چوتھا شعر پہلے یوں لکھا تھا:

نہیں ہے بازگشتِ سیلہا جز جانبِ دریا
در عالم دیدۂ گریان کو آب رفتہ در جو تھا

— اضافتوں کے زیر تو خیر غائب ہیں ہی دیدہ کی ہ پر سے اضافت کی ہمزہ بھی غائب ہے (غیرا) در عالم کاٹ کر اس پر ہمیشہ اس طرح لکھا گیا ہے، کہ پہلے کی تحریر پڑھی جا سکتی ہے۔ بہت درست — اصلاح رکھنا مقصود تھی، دکھا دی۔

اسی غزل کا اگلا شعر ملاحظہ فرمائیے، جو اس طرح ہے:

نہ نظارہ وقتِ بے نقابیہا بخود لرزان
سرشکِ آگیں مژہ سے دست از جان شستہ بر دو تھا

دوسرے مصرع میں "ششستہ بر رو تھا" سے پہلے کے الفاظ اس بری طرح سے کاٹے گئے ہیں اور تحریر پر بار بار دائرے میں اس طرح قلم پھیرا گیا، کہ پہلے کے الفاظ محدب شیشے سے بھی نہیں پڑھے جا سکتے۔ لیکن الف میں تصریحات کے تحت نثار احمد فاروقی نے اور عین میں حواشی کے تحت عرشی زادہ (اکبر علی خاں) نے قلمزد الفاظ " زنشرگان نم آگین" پڑھ دیئے ہیں۔ جو الفاظ اس طرح کاٹے گئے ہوں، کہ پڑھے نہ جا سکتے ہوں، دونوں حضرات کا پڑھ لینا اور متفق ہونا کئی شبہے پیدا کرتا ہے۔

نسخۂ بھوپال میں اس شعر کی قرأت یہ ہے:

رہا نظارہ وقتِ بے نقابیہا بخود لرزاں

سرشک آگیں مژہ سے دست از جاں ششستہ بر رو تھا

نسخۂ شیرانی میں پہلے مصرع میں بھی ایک اصلاح ہے، لیکن دوسرے مصرع "ششستہ بر رو" ہے، جس کی وجہ سے مصرع ثانی کی قرأت "مخطوطے" اور نسخۂ شیرانی میں یکساں ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، نسخۂ شیرانی، نسخۂ بھوپال سے بعد کا ہے، اسلئے اگر زیر نظر بیاض بخطِ غالب ہوتی اور میرزا کی پہلی مرتّب بیاض ہوتی تو مصرع ثانی نسخۂ شیرانی کے مقابلے میں، نسخۂ بھوپال کے قریب ہوتا، ایسا نہیں ہے، اسلئے یہ دعوے مسترد قرار پاتا ہے، کہ یہ بیاض غالب بخطِ غالب ہے، اور یہ کہ یہ ۱۲۳۱ کی غیر مرتّب بیاض سے نقل ہوئی تھی۔

"مخطوطے" کے اسی صفحے پر اگلی غزل کا دوسرا شعر یوں لکھا تھا:

اُدگے چشم سفید از پنبہ روزن تماشا ہے

حیا کو انتظارِ جلوہ ریزی کے مکیں پایا

"پنبۂ روزن" میں پنبہ کی ہ پر ہمزہ ہونا چاہیئے تھا، لیکن جانے دیجئے۔

پہلا مصرع کاٹ کر اس پر یہ الفاظ لکھے گئے ہیں:

اُدگے ایک پنبہ روزن سے بھی چشم

الف میں مقابل کے صفحے پر (نقوش صفحہ ۵۵) یہ نیا مصرع یوں لکھا ہے:۔

اُگی اک پنبۂ روزن سے بھی چشم سفید آخر

تعین میں عرشی زادہ نے حواشی کے تحت تحریر فرمایا ہے۔ "اس مصرع کو قلمزد کرکے جو اصلاحی مصرع تجویز کیا ہے، اس کے لفظ "چشم" کے بعد کا لفظ "آخر" کبھی جلد بندی میں ضائع ہوگیا۔"

اصلاح کے بعد جو مصرع لکھا گیا۔ جو ادھورا ہے۔ اس میں ایک جگہ ہمزہ کا املا نہیں ہے:

اوگے ایک پنبہ روزن سے بھی چشم

"مکاتیب غالب" مرتبۂ امتیاز علی خاں عرشی کے چھٹے ایڈیشن (۱۹۴۹ء) کے ص۱۴۰ پہ، ناظم کے کلام پر اصلاحیں درج ہیں۔ ناظم کا ایک مطلع تھا:

یوں تو ہو جاتا ہے ہر ایک عیش و عشرت کا شریک

دوست کہتے ہیں اُسے جو ہو مصیبت کا شریک

غالب نے پہلے مصرع میں "ہر ایک" کو "ہر یک" کر دیا اور لکھا — "جہاں ہر ایک اچھی طرح نہ آئے وہاں ہر یک لکھیئے۔"

ناظم کا ایک اور مطلع تھا:

پیری میں بھی بے ولولۂ شوق نہیں ہم

رکھتے ہیں ابھی ایک دلِ ہنگامہ گزیں ہم

غالب نے دوسرے مصرع میں ایک کو اک سے بدل دینے کا مشورہ دیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے لکھا — "یہاں ایک کی جگہ اک بے یای تحتانی درست ہے، مگر ہر کے ساتھ ہر یک ہو، نہ ہر اک — غالب" ص۱۴۰

"ایک پنبۂ روزن" غالب لکھ سکتے تھے؟ — یہ بات غور طلب ہے،

اس غزل کا مقطع "مخطوطے" میں یوں ہے:

اسد کو پیچ تابِ طبع برق آہنگ مسکن ہے

حصارِ شعلۂ جوالہ میں عزلت گزیں پایا

مقطع کی یہی قرأت نسخۂ شیرانی میں ہے۔ نسخۂ بھوپال میں قافیہ "گزیں" نہیں "نشیں" ہے۔

یہ بات قطعاً باور نہیں کی جا سکتی کہ مخطوطہ میرزا کی بیاض ہے کیا ایسا ممکن ہے۔ کہ ۱۲۳۱ ہجری میں وہ اپنی بیاض میں مقطع اس طرح لکھتے، پھر ۱۲۳۷ ہجری میں اُس پر اصلاح کر کے لکھواتے، اور چھ سال بعد ۱۲۳۱ ہجری سے پہلے کی قرأت پر پھر مقطع کو واپس لے آتے!

دو صفحوں میں، یہ اپنی نوعیت کی تیسری مثال ہے۔ پہلے جو شک تھا، وہ اب یقین بن گیا ہے۔ "مخطوطہ" جعلی ہے۔

الف کے ورق ۳ الف پر جو متن ہے، وہ عین کے ص۵ پر ہے۔ اس پر غزل ع۶ کے چھ شعر ہیں۔ پانچ شعر گ م میں ص۲۲ اور ص۲۳ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہیں۔ "مخطوطے" میں مقطع اور ایک شعر کو چھوڑ کر باقی شعروں میں ایک آدھ لفظ کا ہیر پھیر ہے۔ ایک شعر جو اس غزل میں "مخطوطے" میں ہے، گ م میں نہیں ہے، یعنی نسخۂ بھوپال میں بھی نہیں ہے، شعر یہ ہے:

تکلف عاقبت میں ہے دلا بند قبا واکر
نفس ہا بعدِ وصلِ دوست تا دامنِ گسستن ہا

یہ شعر نسخۂ بھوپال میں، اسی قافیہ لیکن "کا" ردیف کی ایک اور غزل میں حاشیے پر اضافہ ہے۔ اس کے باوجود کہ "رنگ بستن ہا" والا شعر اور مقطع بھی۔ "کا" ردیف کی غزل میں حاشیے پر اضافہ ہوئے ہیں۔ مندرجہ بالا شعر پہلی غزل میں ہونا مشکوک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو شعر دونوں غزلوں میں مشترک ہو سکتے ہیں۔ تو تیسرا شعر (یعنی مندرجہ بالا شعر) نسخۂ بھوپال کی پہلی غزل میں کیوں نہیں لکھا گیا؟

قابلِ غور نکتہ یہ ہے:

"کا" ردیف کی غزل میں وہ دو شعر نہیں تھے۔ الف کی ردیف مکمل ہو چکنے کے بعد، بلکہ نسخۂ بھوپال کے مکمل ہو چکنے کے بعد حاشیے پر اشعار کا اضافہ ہوا۔ "کا" ردیف کی غزل میں پچھلی غزل کے اشعار ردیف بدل کر ڈالنے کا ارادہ بعد میں کیا گیا۔ گویا مندرجہ بالا شعر نسخۂ بھوپال کے متن میں پہلی غزل کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ اس شعر کا وہاں نہ ہونا، اس بات کا ثبوت ہے، کہ وہ حاشیہ پر لکھتے وقت یا اس سے کچھ دیر پہلے، لیکن پہلی غزل کی کتابت کے بعد موزوں کیا گیا تھا۔ "مخطوطے" میں اس شعر کا ہونا "مخطوطے" کے جعلی ہونے کو واضح کرتا ہے۔

اب ذرا "مخطوطے" میں اس شعر کو ملاحظہ فرمائیے :-

تکلف عاقبت بین ہے دلا بند قبا واکر
نفسہا بعد وصل دوست تاوان گسستن ہا

تکلف سے پہلے سا کا نشان صرف الف میں ہے، عین میں نہیں۔ محدب شیشے سے بغور معائنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نشان اُسی قلم سے بنایا گیا ہے، جس قلم سے نسخہ لکھا گیا تھا۔ غالب نے یہ نشان اپنی زندگی میں کہیں استعمال کیا، یہ کہیں ثابت نہیں ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ ص استعمال کرتے تھے۔ خطوں میں، اور "مکاتیب غالب" کے دیباچے میں جناب امتیاز علی خاں عرشی نے اس کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ شاگردوں کے شعروں پر بھی وہ سا کا نشان نہیں لگاتے تھے، بلکہ ص بناتے تھے۔ جو نسخۂ عین اور الف کی کتابت کا بتایا جاتا ہے۔ اس میں غالب کا سا کا نشان بنانا قرین قیاس نہیں۔ "تلامذۂ رامپور" کے باب میں جناب امتیاز علی خاں عرشی نے "مکاتیب غالب" ص ۳۸ پر لکھا ہے ـــ

"..... حسن اتفاق سے اصلاحی مسودوں میں سے چند کتاب خانے کے ردی گھر میں دستیاب ہو گئے ہیں۔ ان میں سے وہ اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں، جن پر میرزا صاحب نے صاد کیا ہے۔ ان شعروں پر تین صاد کئے ہیں۔"

"مکاتیب غالب" کے دوسرے حصے میں، جس میں مکاتیب کے متن ہیں ص ۹۵ پر غالب نے صاحبزادہ سید محمد عباس علی خاں کو لکھا ہے :-

"قبلہ جس شعر پر صاد ہے، وہ بہت خوب ہے، اور جس پر صاد نہیں، وہ بے عیب اور ہموار، اور جس کے معنی میں مجھے تامل ہے، اس پر نظر، علامت اس کی نقطہ ....."

اور اگلے صفحات پر ص کے نشان ہیں۔

الف میں ورق ۳ الف پر یہ نشان ہونا اور عین میں ص ۵ پر یہ نشان نہ ہونا تفتیش چاہتا ہے اور عین کو مشکوک بناتا ہے، چونکہ دونوں نسخے ایک ہی اصل کے عکس ہیں اسلئے ایک کا مشکوک ہونا، دوسرے کو مشکوک بناتا ہے۔

سا کا نشان دو جگہ الف کے ورق ۴ الف پر ہے لیکن عین کے ص ۷ پر نہیں ہے۔ جن شعروں کے پہلے مصرعوں پر سا کا نشان ہے، وہ یہ ہیں :-

لڑاوی کر دہ بزم میکشیں قہر و شفقت کو
بھرے پیمانۂ صد زندگانی انجام او سکا

اور

....افسردگی آوارۂ کفر و دیں ہے
یاد روزے کہ نفس در گرہ یارب تھا

اگر یہ نشان الف میں بعد میں لگائے گئے ہیں۔ تو دوسری بات ہے، اگر اصل میں موجود ہیں۔ اور عین میں طباعت کے وقت اڑا دئے گئے ہیں تو شاید اس تحریف کی اہمیت پر مرتب کچھ روشنی ڈال سکیں۔

الف کے ورق ۳ ب اور عین کے ص۶ پر آخری شعر یہ لکھا ہے:

مسی آلودہ ہے مہر نوازش نامہ پیدا ہے
کہ داغ آرزو نے بوسہ دیوے گا پیام او سکا

گ م میں ص۲۴ پر بھی اس شعر کی یہی قرأت ہے، جہاں یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج کی گئی ہے۔

نسخۂ بھوپال میں جب یہ شعر لکھا گیا تھا، تو دوسرے مصرع کی شکل یہ تھی:۔

کہ داغ آرزو سے بوسہ لایا ہے پیام او سکا

جناب امتیاز علی خاں عرشی نے "اختلافِ نسخ" کے باب میں (ن، ع ص۲۴۴ پر) جو انکشاف کیا ہے، وہ اس مصرع کے سلسلے میں بڑا پُرمعنی ہے۔ عرشی صاحب نے نشاندہی کی ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں "لایا ہے" پر حوالے کا نشان بنا کر، حاشیے میں اصلاح دکھائی گئی ہے۔ "دیوے گا"۔ مگر نسخۂ حمیدیہ کے مرتب نے یہ اصلاح ظاہر نہیں کی ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع نسخۂ بھوپال کی پہلی قرأت کے مطابق ہونا چاہئے تھا۔ اگر قرأت کا فرق بھی ہوتا تو "لایا ہے" اور "دیوے گا" کے بجائے کچھ اور لفظ ہوتے،

(مثلاً دیتا ہے)۔ نسخۂ بھوپال کے حاشیے کی اصلاح یقیناً ۱۲۳۷ ہجری کے بعد کی ہوگی۔ سوال یہ ہے، کہ ۱۲۳۱ ہجری یا اس سے پہلے کے "مخطوطے" میں چھ سے دس برس تک بعد کی یہ اصلاح کیسے در آئی؟ یہ بات قیاس کی بنا پر نہیں، بلکہ یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، کہ نسخۂ حمیدیہ میں جو فروگذاشت ہوئی اس کی وجہ سے "مخطوطہ" لکھنے والے نے "دیوے گا" کو ابتدائی قرأت میں سمجھ لیا۔ اور وہی لفظ لکھدیا۔ یہ بات عیاں ہے، کہ زیرِ نظر "مخطوطہ" نہ تو بخطِ غالب ہے اور نہ ۱۲۳۱ ہجری میں اس کی کتابت ہوئی، یہ بیسویں صدی میں نقل کیا گیا ہے

الف کے ورق ۴ الف اور عین کے نمبر پر غزل نمبر ۱۰ کا ایک شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:-

تمنا کدۂ حسرتِ ذوقِ دیدار

دیدہ کو خوں ہو تماشا چمن مطلب تھا

نسخۂ بھوپال میں دوسرا مصرع یوں ہے:

دیدہ گو خوں ہو تماشائے چمن مطلب تھا

"مخطوطے" میں اگر مصرع غلط، جان بوجھ کر لکھا گیا ہے، تو یہ میرزا کی تحریر نہیں، اگر سہوِ کتابت ہے، تو نظرِ ثانی کے وقت ٹھیک کیا جاتا، اگر میرزا کی نظر سے "مخطوطہ" گذرا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے، کہ نہ اس بیاض کو میرزا کا قلم لگا ہے۔ اور نہ کبھی میرزا نے اس کو دیکھا تھا۔

اس غزل میں، جو مقطع "مخطوطے" میں فراہم کیا گیا ہے، وہ اِن معنوں میں نو دریافت ہے، کہ اسکا مصرعِ اوّل نیا ہے۔ اور مصرعِ ثانی وہی ہے، جس سے یہ غزل شروع ہوتی ہے:

(اسد) افسردگی آوارۂ کفر و دیں ہے

یاد روزے کہ نفس در گرۂ یارب تھا

"آوارۂ کفر و دیں" کی "ترکیب" محلِ نظر ہے۔ یہ حقیر کمال اس ترکیب کی وجہ سے پہلے مصرع کو میرزا سے منسوب کرنے کے لئے تیار نہیں۔ دوسرے مصرع میں "یارب" کی وجہ سے پہلے مصرع میں "کفر" صرف برائے وزنِ شعر ہے

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں اس غزل کا مقطع یہ تھا:

باب ابرام نہ تھا دل ہی ہمارا غالب
ورنہ جو چاہیئے اسبابِ تمنّا سب تھا

مصرع اوّل کی جگہ میرزا نے، حاشیے پر یہ اصلاحی مصرع لکھا:

عشق میں ہم نے ہی ابرام سے پرہیز کیا

حاشیے پر ہی یہ مقطع اضافہ کیا۔

شوقِ ساماں فضولی ہے، وگرنہ غالب
ہم میں سرمایۂ ایجادِ تمنّا کب تھا

یہ بات حلق سے نیچے نہیں اترتی کہ "مخطوطے" میں اسد والا مقطع میرزا نے لکھا ہوگا۔ ایک ہی غزل میں کتنے مقطعے انھوں نے بدلے۔

الف کے اوراق ۴ب اور ۵ الف، اور عین کے صفحات ۸ اور ۹ پر غزل ۱۳ کے سات شعر (بشمولِ مطلع و مقطع) ہیں۔ چار شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں (ص ۱۹) اور تین شعر متداول دیوان (ن س) میں (ص ۱۴۹) نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہیں۔ متداول دیوان میں دو شعر نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر دکھائے گئے ہیں۔

"مخطوطے" میں شعروں کی قرأت نسخۂ عرشی کے مطابق ہے۔ اور اسی وجہ سے "مخطوطے" کا جعلی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر یوں لکھا ہے:

بزم قدح سے عیشِ تمنّا نہ رکھ کہ رنگ
صیدِ ز دام جستہ ہے، اس دام گاہ کا

نسخۂ عرشی (ص ۱۴۹) اور نسخۂ سالک رام (ص ۵۷) میں بھی شعر اسی طرح لکھا ہے۔ اس حقیر کمال کا خیال ہے

"صیدے زدام جستہ" کو نسخۂ بھوپال میں نقل کرتے وقت، ناقل سے غلطی ہوئی ہے اور "صیدے" بہ یائے تنکیر کے بجائے "صید" بہ کسرۂ اضافت ابھی تک نسخوں میں لکھا جارہا ہے، جو ظاہر ہے درست نہیں ہے۔ اگر "مخطوطہ" بخطِ غالب ہوتا تو اس میں "صیدے" لکھا ہوتا، ثابت ہوا، کہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے۔ بلکہ نسخۂ بھوپال، نسخۂ حمیدیہ یا نسخۂ عرشی سے نقل کیا گیا ہے۔ جناب امتیاز علی خاں عرشی اور جناب مالک رام کے نسخوں میں ایسی فاحش غلطی کا ہونا بڑی حیرت کی بات ہے۔

اب آئیے مقطع کو دیکھیں:

جاں در ہوائے یک نگۂ گرم ہے (اسد)

پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

متداول دیوان میں مقطع کی یہی قرأت ہے، لیکن نسخۂ بھوپال میں پہلا مصرع پہلے یوں تھا:

جاں در ہوائے یک نفس گرم ہے اسدؔ

"مخطوطہ" اگر بخطِ غالب ہوتا، اور نسخۂ بھوپال کا پیش رو ہوتا، تو اس میں "نفسِ گرم" ہوتا، کیونکہ پہلے نسخۂ بھوپال میں یہی ترکیب تھی۔ "نگۂ گرم" تو اصلاحی صورت ہے، یہ نسخۂ بھوپال سے پہلے کے نسخے میں کیسے پہنچ سکتی تھی۔

"مخطوطے" میں اس غلطی کی وجہ لطیف ایڈیشن میں ایک غلط اندراج ہے۔ جیسا کہ اختلافِ نسخ کے باب میں عرشی صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ لطیف ایڈیشن میں "نگہ" کو سہواً نسخۂ بھوپال کا متن اور نسخۂ بھوپال کے متن کو متداول متن قرار دیا گیا ہے۔ لطیف ایڈیشن کی اسی غلطی کی وجہ سے "مخطوطہ" پلان کرنے والوں نے ٹھوکر کھائی۔

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کے متن کے بجائے متداول متن ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے، کہ "مخطوطہ" بیاضِ غالب بخطِ غالب نہیں ہے اور یہ کہ یہ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں تیار کیا گیا ہے۔

الف کے ورق ۵ الف اور عین کے ص۹ پر غزل نمبر ۱۴ ہے، جس کا مطلع ہے:-

یک ذرہ زمین نہیں بیکار باغ کا

یہاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

نسخۂ عرشی میں، اختلافِ نسخ کے باب میں (ص۴۲۷) پر یہ اندراج ہے، کہ لطیف ایڈیشن کے مطابق، یہ مطلع نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر ہے۔ اگر لطیف ایڈیشن میں صحیح پوزیشن درج ہے، تو اس مطلع کا "مخطوطے" میں موجود ہونا "مخطوطے" کے نسخۂ بھوپال کا پیش رو ہونے کے دعوے کو باطل قرار دیتا ہے۔ یہ نکتہ تحقیق طلب ہے۔

مخطوطے میں چوتھا شعر ہے:

بے خونِ دل ہے، چشم جنوں میں نگہ غبار

یہ میکدہ خراب ہے، مے کے سراغ کا

پہلے مصرع میں متداول دیوان کے مقابلے میں قرأت کا خفیف سا فرق ہے، لیکن نسخۂ بھوپال کی ابتدائی قرأت یہی تھی۔ البتہ عرشی صاحب نے اختلافِ نسخ کے باب میں ص۴۲۷ پر اس بات کی نشاندہی کی ہے، کہ یہ شعر نسخۂ بھوپال کے حاشیے کے شعروں میں سے ہے۔ اگر عرشی صاحب کا بیان درست ہے، تو ۱۲۳۷ ہجری کے بعد کا یہ شعر ۱۲۳۱ ہجری کی بیاض میں کیسے؟ "مخطوطہ" جعلی قرار پاتا ہے۔

الف کے ورق ۵ الف اور عین کے ص۹ پر ہی غزل ع۱۵ شروع ہوتی ہے۔ جس کے دو شعر اور ایک مصرع اگلے صفحے پر بھی ہیں۔ یہ غزل مختلف نسخوں سے خاص طور پر تقابلی مطالعہ چاہتی ہے۔

مطلع اور اس کے بعد کا شعر، قرأت کے اعتبار سے گ۔م کے مطابق ہے، جہاں یہ غزل ص۵ اپر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل ہوئی ہے۔ تیسرے شعر میں ایک اصلاح ہے۔ اصلاح سے پہلے شعر یوں لکھا تھا:

گرفتارانِ اُلفت ہیں زبان میں کاش صیاد

بدام جوہر آئینہ ہو جاوے شکار اپنا

ظاہر ہے پہلا مصرع ناموزوں ہے اور یہ ناموزوں مصرع میرزا نہیں لکھ سکتے تھے، مصرع کی

یہ درگت قیاسی اصلاحِ معکوس کی وجہ سے بنی ہے۔ کیونکہ "پہلی قرأت" دکھانے کی شعوری کوشش میں "مخطوطہ نگار" مصرع بحر کی حد بندی میں نہ رکھ سکے۔
الف اور عین میں دو بہت بڑے اختلافات ہیں۔ الف میں "صیادے" بہت صاف لکھا ہوا ہے۔ عین میں "صیاد سے" کو بخطِ غالب ہی "صیّادے" بنایا گیا ہے۔ ایک ہی مخطوطے کے دو ایڈیشن فوٹو آفسٹ کے پروسس سے چھپے ہیں۔ دونوں میں یہ فرق اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے، کہ دونوں میں سے ایک میں تحریف ہوئی ہے اور واقعی تحریف ہوئی ہے۔ اس کا ثبوت عین میں موجود ہے۔ شعر کا مصرعِ اوّل الف میں جوں کا توں موجود ہے، لیکن عین میں قلمزد ہے۔ ان دونوں نسخوں میں حاشیے پر یہ اصلاحی مصرع ہے:

اسیرِ بیزبانی ہوں، مگر صیّاد سے بے پروا

حیرت کی بات یہ ہے، کہ الف میں نقدِ رجحان کے تحت ناموزوں مصرع کو قلمزد بتایا گیا ہے۔ حالانکہ متن میں قلمزد نہیں ہے۔ عین میں تو حواشی کے تحت اسے قلمزد بتانا ہی چاہیے تھا۔ جب الف کے لیے "مخطوطے" کا مائکروفلم تیار کیا گیا تھا، اس وقت یہ مصرع قلمزد نہیں تھا۔ عین میں یہ قلمزد کیوں ہے؟ اگر واقعی میرزا کے خط میں یہ "مخطوطہ" ہوتا تو کیا عین میں اس کے نقطے پر بھی قلم لگانے کی جرأت کی جاتی؟ یہاں تو پورا مصرع قلمزد کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ مصرع "چہاردہم رجب المرجب، یوم سہ شنبہ ۱۲۳۱ھ" کے بعد قلمزد کیا گیا ہے۔ نعل خاں کے ڈھائی روپے ماہانہ پر کسی عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کی تاریخ "اول صفر ۱۲۳۵ ہجری" کے بھی بعد مصرع کاٹا گیا ہے۔ الف اور عین کی جو شہادت پیش کی گئی ہے، اس کی بنا پر یہ ثابت ہے، کہ مصرع غالب کی وفات کے سو برس بعد قلمزد کیا گیا ہے۔ اسی غزل میں یہ شہادت بھی موجود ہے، کہ قلمزد مصرع غالب کی وفات کے بہت بعد تحریر کیا گیا تھا۔ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں۔ ظاہر ہے یہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے۔ علمی کام میں نیتوں پر شک کرنا معیوب بات ہے، لیکن اس "مخطوطے" کے سلسلے میں نیتوں کا کھوٹا ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جان بوجھ کر یہ مخطوطہ بنوایا گیا۔ اور پھر اس کو "مقتدر غالب شناسوں" نے غالب کی خود نوشت بیاض تسلیم کر لیا۔ الف میں جو مصرع قلمزد نہیں ہے، اسکو قلمزد بتایا گیا ہے۔ شاید الف کے مؤلف بھی اس مصرع کو قلمزد کرنا چاہتے تھے، لیکن بھول گئے۔

اصلاحی مصرع کو بھی الحاقی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بعد کے شعر ہیں، جیسا کہ یہ الف میں لکھا ہے۔ مخطوطہ بنانے / بنوانے والوں نے ٹھوکر کھائی، شعر یوں لکھا ہے:

مگر ہو مانع دامن کشی شوقِ خود آرائی

ہوا ہے نقشبند آئینہ سنگِ مزار اپنا

عینؔ میں دوسرے مصرع میں تحریف یہ ہے کہ "ہوا ہے" کو "ہوا ہے" کر دیا گیا ہے۔ خالص خطِ غالب میں! ظاہر ہے، جب الفؔ کے لیئے مائکروفلم لیا گیا تھا۔ اسوقت "ہوا نے" ہی لکھا ہوا ہوگا۔ سوال یہ ہے، ۱۹۶۹ء میں غالبؔ "ہوا ہے" کو "ہوا ہے" بنانے کیسے آئے؟ عینؔ کے مرتب کے مادی اور روحانی وسائل بڑے وسیع معلوم ہوتے ہیں۔

"ہوا ہے نقشبند" علت سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ نسخۂ شیرانی میں سہوِ کاتب کی وجہ سے "ہوا ہے" "ہوا ہے" ہو گیا ہے اور مخطوطے میں نسخۂ شیرانی کا مصرع، کتابت کی غلطی سمیت لکھ دیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ نسخۂ شیرانی، نسخۂ بھوپال کے بعد کا ہے۔ اس کی قرأت "مخطوطے" میں کیسے پہنچی؟

مصرع اوّل میں جہاں نسخۂ بھوپال میں "ذوق" تھا۔ وہاں "مخطوطے" میں "شوق" کر دیا گیا ہے۔ مخطوطے میں چھٹا شعر یوں لکھا ہے:

اگر آسودگی ہے مدعائے رنجِ کوشش ہا

نیازِ گردشِ پیمانۂ مے روزگار اپنا

نسخۂ عرشی میں، نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے کے ساتھ اس شعر کی قرأت یہ ہے:

اگر آسودگی ہے مدعائے رنجِ بیتابی

نثارِ گردشِ پیمانۂ مے روزگار اپنا

مخطوطے میں شعر کی جو قرأت ہے، وہ لطیف ایڈیشن کے مطابق ہے۔

مقطع خاص طور سے توجہ طلب ہے۔

اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں گدائے بیسر و پا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

یہ شعر نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر درج ہے، لیکن نسخۂ حمیدیہ اور لطیف ایڈیشن کے مولفوں نے اس شعر کے بارے میں، بقولِ جناب امتیاز علی خاں عرشیؔ، اس کا اظہار نہیں کیا ہے کہ یہ نسخۂ بھوپال کے حاشیے کا شعر ہے (اختلافِ نسخ، نوائے سروش، ص۴۳) اس اطلاع کے نسخۂ حمیدیہ اور لطیف (۱۱)
ایڈیشن میں درج نہ ہونے کی وجہ سے "مخطوطے" کا بلیو پرنٹ بنانے والوں نے ٹھوکر کھائی۔ ظاہر ہے، نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر یہ شعر ۱۲۳۷ ہجری کے بعد لکھا گیا ہوگا۔ "مخطوطے" میں اس کی موجودگی "مخطوطے" کے سو فیصدی جعلی ہونے، اور سو فیصدی بخطِ غالب نہ ہونے کا ثبوت ہے۔
الف کے ورق ۵ ب لو۔ عین کے ص۱۰ پر غزل نمبر ۱۶ ہے۔ مطلع کی قرأت وہی ہے۔ تو گم ہیں ہے۔ جہاں یہ غزل ص۲۵ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہوئی ہے:
مطلع کے بعد کا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:۔

داغِ مہرِ ضبط بیجا تھنئی سعی سپند
دردِ مجمر لالہ ساں دُردِ تہِ پیمانہ تھا

نسخۂ عرشی میں پہلے مصرع کا آخری لفظ "پسند" ہے! اختلافِ نسخ کے تحت عرشی صاحب نے نشاندہی کی ہے، کہ "سپند" کا لفظ نسخۂ شیرانی میں ہے۔ نسخۂ بھوپال کو، چونکہ نسخۂ شیرانی پر تقدم زمانی حاصل ہے، اسلئے "مخطوط" اگر کھرا ہوتا، تو اس کی قرأت نسخۂ شیرانی کے مقابلے میں نسخۂ بھوپال سے قریب ہوتی۔ "مخطوطے" کا بخطِ غالب ہونا مسترد ہوتا ہے کیونکہ اگر اس میں ۱۲۳۱ھ تک کی قرأت "سپند" درست ہوتی، تو پھر نسخۂ بھوپال میں اس کی اصلاحی شکل کے طور پر "پسند" کا لفظ ہے۔ ظاہر ہے میرزا نسخۂ شیرانی میں "سپند" پر واپس نہ آتے۔
تیسرے شعر میں ایک اصلاح ہے، پہلا مصرع قلمزد کر کے بدلا گیا ہے، اصلاحی مصرع سے شعر کی قرأت نسخۂ عرشی کے مطابق ہوگئی ہے، ابتدائی قرأت اس شعر کی یہ تھی:۔

حیرت از شورِ فغانِ بے اثر غفلت ہوئی
راہِ خوابیدہ کو غوغائے جرس افسانہ تھا

اصلاح کے بعد مصرعِ اول یوں ہوا:

حیرت اپنی نالۂ بے درد سے غفلت بنی

جب تک کسی اور ماخذ سے اس بات کی تصدیق نہ ہو، کہ قلمزد مصرع میرزا نے لکھا تھا، اس کو میرزا کا مصرع نہیں سمجھنا چاہیئے، کیونکہ یہ "مخطوطہ" مشکوک نہیں، بلکہ اندرونی شہادتوں کی بنا پر جو پیش کی گئی ہیں اور جو آیندہ پیش کی جائیں گی، جعلی ثابت ہے۔
"مخطوطے" میں چوتھے شعر کی یہ قرأت ہے:

وصل میں بختِ سیہ نے سنبلستان گل کیا

رنگِ شب تہ بندیِ دودِ چراغِ خانہ تھا

نسخۂ عرشی میں، پہلے مصرع میں "بختِ رسا" ہے، جو بظاہر نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے۔ اختلافِ نسخ کے تحت عرشی صاحب نے نشاندہی کی ہے، کہ "بختِ سیہ" نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ یہاں بھی وہی سوال ہے، کہ "مخطوطہ" جو نسخۂ بھوپال کا پیش رو بتایا جاتا ہے، نسخۂ شیرانی کی قرأت کو اپنے متن میں کیسے رکھے ہے؟ "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا یہ ایک اور ثبوت ہے۔
پانچویں شعر کی قرأت اصلاح سے پہلے یہ تھی:

از نفس گرمیِ سحر شعلۂ آواز میں

تارِ شمع آہنگِ مضراب پر پروانہ تھا

پہلے مصرع میں "گرمی" کی ی پر ہمزۂ اضافت ہے۔ اس "مخطوطے" میں کہیں بھی ی پر اضافت کا ہمزہ نہیں ہے۔ اور یہ میرزا کا اندازِ تحریر بھی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے، کہ میرزا "پرچۂ ہنڈی" تک میں ہ پر ہمزۂ اضافت ضرور لکھتے تھے، لیکن شعلہ کی ہ ہمزہ سے محروم ہے۔ یہ بھی میرزا کی عادت کے خلاف ہے۔ جب تک کسی اور ماخذ سے اس شعر کے مندرجہ بالا مصرعِ اول کے کلامِ غالب ہونے کی تصدیق نہ ہو، اسے میرزا کا مصرع نہیں سمجھنا چاہیئے، یہ مصرع قلمزد کر کے جو مصرع لکھا گیا ہے۔ وہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں ہے۔
چھٹا شعر وہ ہے، جو پہلے نسخۂ بھوپال میں لکھا گیا تھا، لیکن بعد میں اس پر اصلاح ہوئی۔ مقطع میں "تڑپنا"

ں جگہ "پلیدن" ہے، لیکن نسخۂ بھوپال میں پہلے یہی لفظ لکھا گیا تھا۔
ہی صفحے پر، اسی زمین میں دوسری غزل (۲۸) ہے، جس کے کچھ اشعار اگلے صفحے پر بھی ہیں۔ مطلع کی
رأت وہی ہے، جو ن ع میں ہے، لیکن مطلع کے بعد کا شعر توجہ کا مستحق ہے، پہلے یہ شعر یوں لکھا گیا تھا۔

شب کہ تھی کیفیتِ محفل بیادِ رُوے یار

درنظرہا داغ سے خالِ لبِ پیمانہ تھا

پھر اصلاح سے دوسرا مصرعہ یوں کیا گیا:

ہر نظر میں داغ سے خالِ لبِ پیمانہ تھا

صرع کی یہی قرأت نسخۂ شیرانی میں ہے، جو نسخۂ بھوپال کے چھ برس بعد کا ہے۔ نسخۂ بھوپال میں مصرع
ا قرأت، جناب امتیاز علی خاں عرشی کی نشاندہی کے مطابق یہ ہے۔

ہر نظر داغ سے خالِ لبِ پیمانہ تھا

یہاں بھی وہی سوال ہے، کہ نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت اس "مخطوطے" میں
یے در آئی؟ "مخطوطے" کا کھوٹا ہونا اس سے ثابت ہے۔
تیسرا شعر "مخطوطے" میں یوں لکھا ہے:

شب کہ باندھا یار نے پیمان درخواب آمدن

وہ فسونِ وعدہ مجکو شوخیٔ افسانہ تھا

پہلے مصرع میں ضرورت سے زیادہ "ریختہ پن" ہے اور یہ اصلاحِ معکوس کی کارفرمائی ہے۔ ایک
ور شعر میں "بہ یک برخاستن" ہے، اس کے باوجود "درخواب آمدن" اس غزل میں میرزا کا مصرع
ہیں معلوم ہوتا۔ تاوقتیکہ اس مصرع کے کلامِ غالب ہونے کی کوئی قابلِ اعتبار شہادت نہ ملے۔ یہ
مصرع میرزا کا نہیں سمجھنا چاہیے۔ "مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر احتیاط لازمی ہے۔
پانچویں شعر کی قرأت وہ ہے، جو نسخۂ بھوپال میں منسوخ کی گئی ہے۔
چھٹا شعر یہ ہے ؎

دیکھ او سکے ساعد و دستِ حنا آلود کو
شاخِ گل جلتی تھی مثلِ شمع، گل پروانہ تھا

نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا کے حوالہ سے پہلا مصرع ن آ ع میں اس طرح ہے :

دیکھ اُسکے ساعدِ سیمین و دستِ پُر نگار

"مخطوطے" کا مصرع اگر کلام غالب کے طور پر کسی اور ماخذ سے دستیاب نہ ہو سکے، تو اس کو الحاقی ہی سمجھنا چاہیئے۔ مقطع "مخطوطے" میں یہ ہے :

اے اسد رو یا جو دشتِ غم میں میں حیرت زدہ
آئینہ خانہ زِ سیلِ اشک بھر ویرانہ تھا

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں پہلا مصرع یہی ہے، لیکن دوسرے مصرع کی قرأت میں فرق ہے :

آئینہ خانہ ہجومِ اشک سے ویرانہ تھا

الف کے ورق ۶ الف اور عین کے صلا پر دو ہم طرح غزلیں (ع۱۸ اور ع۱۹) ہیں۔ ان کے کچھ شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۱۶ پر اور کچھ شعر نسخۂ بھوپال کے حوالہ سے متداول دیوان، ن س میں ص۱۴۶ پر ہیں۔
دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ایک لفظ کا معمولی سا ہیر پھیر ہے۔ "مخطوطے" میں تیسرا شعر توجہ طلب ہے :

بعجز آبادِ وہمِ مدعا تسلیم شوخی ہے
تغافل کو نہ کر معزورِ تمکیں آزمائی کا

اختلاف نسخ کی نشاندہی کرتے ہوئے عرشی صاحب نے ص۱۲۱ اور ص۲۰۲ پر بتایا ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں، دوسرے مصرع میں، معزور کی جگہ لفظِ مصروف تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے اس کے اوپر معزور لکھا۔ یہی لفظ نسخۂ شیرانی میں لکھا گیا ہے۔

یہاں پھر وہی سوال ہے، نسخۂ بھوپال میں جو اصلاح ہوئی ہے۔ وہ پہلے ہی سے "مخطوطے" میں کیسے موجود ہے، کیونکہ اس کو نسخۂ بھوپال سے چھ سال پہلے کی بیاض بتایا گیا ہے۔ "مخطوطے" میں "مصروف" کے بجائے "مغرور" ہونا صرف ایک بات کا ثبوت ہے۔ اور وہ بات یہ ہے، کہ یہ جعلی بیاض ہے۔

چوتھا شعر "مخطوطے" میں یوں لکھا گیا ہے:

زکوٰتِ حُسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

شعر کی قرأت وہی ہے، جو نسخۂ بھوپال میں ہے۔ ن ع میں زکات لکھا ہے۔ متن میں حواشی کے تحت زکواۃ کی جگہ زکوات کو املا کی غلطی بتایا گیا ہے۔ اختلافِ نسخ کے سلسلے میں عرشی صاحب نے ۲۵۴ پر نشاندہی کی ہے کہ نسخۂ شیرانی اور نسخۂ رام پور میں املا زکواۃ ہے۔ زکوات، جس طرح مخطوطے میں لکھا گیا ہے، اس میں املا کی غلطی تو نہیں ہے۔ (کیونکہ ۃ عربی کا حرف ہے۔ اس کے لئے اردو میں ت ہے) لیکن یہ املا میرزا کا نہیں ہے۔ اگر مخطوطہ میرزا کے ہاتھ کا ہوتا، تو اس میں زکات، لکھا ہوتا۔ میرزا الفاظ کا املا، ان کی صوتی شکل کے مطابق درست سمجھتے تھے۔ چنانچہ مکاتیبِ غالب میں ص ۲۳ پر عرشی صاحب نے املائے غالب پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑی مفید باتیں بتائی ہیں۔ وہ میرزا جو میرٹھ کو میرٹ، ہاتھ کو، ہات، ہاتھی کو ہاتی اور اودھ کو اود لکھتے تھے۔ "مخطوطہ" اگر ان کے قلم سے ہوتا، تو زکوات نہیں زکات لکھا ہوتا۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر اس طرح ہے:

دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
عدم تک بے وفا غوغا ہے تیری بے وفائی کا

ن ع میں نسخۂ بھوپال کے حوالے سے دوسرے مصرع میں "غوغا" کی جگہ چرچا ہے۔ لیکن اختلافِ نسخ کے سلسلے میں ص ۲۵۴ پر عرشی صاحب نے نشاندہی کی ہے کہ نسخۂ شیرانی میں یہ لفظ غوغا ہے۔

پھر وہی بات، نسخۂ بھوپال کے بجائے، نسخۂ شیرانی کی قرأت "مخطوطے" میں کیسے ہے؟ یہ اختلافِ نسخ "مخطوطے" کے جعلی کردار کو اجاگر کرتا ہے۔

دوسری غزل (ص۱۹) کا تیسرا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

نظر بازی طلسم وحشت آبادِ پرستاں ہے
رہا بیگانۂ تاثیر افسوں آشنائی کا

گ۔م میں پہلے مصرع میں "پرستاں" کے بجائے "پریشاں" ہے۔ اور اس غزل کے لئے فٹ نوٹ میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن اختلافِ نسخ کے سلسلے میں ص۴۰۲ پر اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے، کہ نسخۂ شیرانی اور لطیف ایڈیشن میں "پرستاں" ہے۔ گویا نسخۂ بھوپال میں "پریشاں" ہے۔ یہاں بھی "مخطوطے" میں جس کے بخطِ غالب ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اور جس کا زمانۂ کتابت نسخۂ بھوپال سے پہلے کا بتایا جاتا ہے، نسخۂ بھوپال کی قرأت کے بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ یہ ایک اور شہادت ہے "مخطوطے" کے جعلی ہونے کی۔

الف کے ورق ۶ ب اور عین کے ص۱۲ پر غزل نمبر ۴ کا چوتھا شعر یوں لکھا ہے:

نہیں گرداب جز سرگشتگی ہائے طلب جوشی
حبابِ بحر کے ہے آبلوں میں ہے خار ماہی کا

آبلوں میں کے بعد ہے زائد ہے۔ یہ غلطی زلتِ قلم کی وجہ سے، کاتب ہی سے ہو سکتی تھی۔ اگر قلم میرزا کا ہوتا تو وہ ایسے مقام پر یوں نہ پھسلتا، کہ مصرع ناموزوں ہو جائے۔ شاعر کے قلم سے بھی لغزش ہوتی ہے۔ لیکن ایسے مقامات پر ایک آدھ لفظ چھوٹ جاتا ہے۔ مثلاً بحر کے بعد کے یا ہے چھوٹ سکتا تھا۔

اس صفحے پر ایک مصرع میں ایک بڑی اصلاح بھی ہے، اس کے یہ معنی ہیں، کہ اس صفحے پر نظرِ ثانی کیا جانا بھی دکھایا گیا ہے۔ اگر مسودے کو بہ نظرِ اصلاح دیکھا جائے، تو ایک ایک لفظ دیکھا جاتا ہے۔ اگر یہ "مخطوطہ" میرزا کا لکھا ہوتا اور انھوں نے اس پر نظرِ ثانی کی ہوتی، تو "آبلوں میں ہے خار ماہی کا" میں سے ہے کو قلمزد کیا گیا ہوتا۔ اس "مخطوطے" کو چونکہ میرزا کا قلم نہیں لگا ہے، اسلئے مصرعِ اوّل کا آخری لفظ "ہرگز" جیسا کہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں ہے۔ پہلی قرأت کا جزو قرار پاتا ہے۔ "جوشی" الحاقی لفظ ہے، اگر یہ میرزا کی کسی اور تحریر میں نہ ہو۔

پانچویں شعر میں بھی "مخطوطے" اور گ۔م میں قرأت مختلف ہے۔ "مخطوطے" میں شعر یوں لکھا ہے:۔

نہ دی خورشید نے فرصت بقدرِ شبنمستانے

تصور نے کیا ساماں ہزار آئینہ بندی کا

"بقدرِ شبنمستانے" کا استعمال محلِ نظر ہے۔ اور یہ باور کرنا مشکل ہے، کہ میرزا نے اس ترکیب کے ساتھ مصرع لکھا ہوگا۔ میرزا کا مصرع وہ ہے، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں ہے:

نہ بخشی فرصتِ یک شبنمستاں جلوۂ خور نے

"مخطوطے" میں مصرع اول کے الحاقی ہونے کی وجہ یہ بھی ہے، کہ مقطع میں نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت دکھائی گئی ہے۔ "مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:۔

(اسد) تاثیرِ صافیہاے حیرت جلوہ پرور ہو

گر آبِ چشمۂ آئینہ دھووے عکس زنگی کا

ن ع میں اختلافِ نسخ کے باب میں ص۲۸۴ پر اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے، کہ "دھووے" نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ اگر عرشی صاحب کی فراہم کی ہوئی معلومات صحیح ہیں، تو وہ "مخطوطہ" جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے، کہ وہ نسخۂ بھوپال کا پیش رو ہے۔ اس میں نسخۂ شیرانی کی اصلاح کیسے موجود ہے۔ اس سے صرف ایک نتیجہ نکالا جا سکتا ہے: مخطوطہ جعلی ہے۔

الف کے ورق ۶ ب اور عین کے ص۱۲ پر غزل ۲۱ ہے، مطلع یوں لکھا ہے:

زبس خوں گشتۂ رشکِ وفا تھا ذوقِ بسمل کا

چرایا زخمہاے دل نے پانی تیغِ قاتل کا

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں، مصرعِ اول میں "ذوق" کے بجائے "وہم" ہے۔ اگر میرزا نے "ذوق" لکھا ہوتا، تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ بعد کے نسخوں میں اسے برقرار نہ رکھا ہوتا

مطلع کے بعد کا شعر گ۔م میں یوں ہے:

نگاہِ چشمِ حاسد وام لے اے ذوقِ خود بینی
تماشائی ہوں وحدت خانۂ آئینۂ دل کا

"مخطوطے" میں مصرعِ اول یوں لکھا گیا تھا:

نگاہ از چشمِ حاسد وام کر اے ذوقِ خود بینی

"مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر یہ بات کہی جا سکتی ہے، کہ اختلافِ نسخ "مخطوطے" میں اصلاحِ معکوس کی وجہ سے ہے۔ اس اصلاحِ معکوس کے بعد پہلی قرأت دکھائی گئی۔ پھر اس پر اصلاح کر کے مصرع کو نسخۂ بھوپال کے مطابق کر دیا گیا۔

چوتھے شعر میں ایک اصلاح ہے، اصلاح سے پہلے شعر یوں تھا:

شرارِ فرصتے سرمایہ چندیں چراغاں ہے
بقدرِ رنگ یہاں گردشیں ہے پیمانہ محفل کا (یہاں)

پہلے مصرع میں "چندیں" کا لفظ چمنیں (چمن میں) بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں مصرع ناموزوں ہوگا۔ لیکن الف میں، نستعلیق قرأت میں "چمن میں" اور تصریحات کے تحت "چندیں" پڑھا گیا ہے۔
پہلے مصرع میں، چراغاں ہے، کے علاوہ باقی الفاظ قلمزد کر کے دوسرے الفاظ بین السطور میں لکھے گئے ہیں اور شعر یوں ہو گیا ہے:

شرر فرصت نگہ سامان یک عالم چراغاں ہے

اصلاح کے بعد شعر کی قرأت نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے مطابق ہو گئی ہے۔ (گ م ص۳)
جو مصرع لکھ کر قلمزد کیا ہے، سوال یہ ہے میرزا ایسا مصرع لکھ سکتے تھے؟ "مخطوطے" میں دکھانا یہ مقصود ہے، کہ غالب کے پاس ایک بیاض تھی۔ اس سے انھوں نے ردیف وار بیاض تیار کی، اور یہ "ان کی پہلی مردّف بیاض ہے۔ یہ بات منطق سے اس لئے نیچے نہیں اتر سکتی، کہ پہلی بیاض میں "شرارِ فرصتے سرمایہ چندیں چراغاں" لکھنے کے وہ اہل نہیں تھے۔ اس بات کا

اعتراف کرنے میں اس حقیر کمال کو ذرا بھی تکلف نہیں، کہ فارسی کے سلسلے میں اُس کا علم، جہل سے ایک ہی منزل کم ہے۔ پھر بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ غالب، جو فارسی زبان پر پورا عبور رکھتے تھے۔ "چندین چراغاں" یعنی "چند این چراغاں لکھتے۔

دوسری اہم بات یہ ہے، کہ قلمزد مصرع میں" فرصتے" لکھا ہے۔ حالانکہ یہاں فرصت، پہ کسرۂ اضافت ہونا چاہیئے تھا۔ یقیناً یہ غلطی غالب سے نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ دونوں باتیں ثبوت ہیں اس بات کا، کہ" مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے۔

جناب مالک رام نے" ذکرِ غالب" میں مولانا حالی کے حوالے سے وہ مشہور واقعہ لکھا ہے، جس میں غالب کے استاد مولوی محمد معظم نے اپنے کم عمر شاگرد کے فارسی زبان سے فطری لگاؤ کا اعتراف کیا اور شاگرد سے کہا کہ فارسی میں فکرِ سخن کیا کرو، واقعہ یہ ہے:-

" ایک دن میرزا غالب نے ایک فارسی غزل میں یعنی چہ کے معنوں میں کہ چہ ردیف لکھی اور اپنے استاد کو دکھائی، مولوی محمد معظم نے ردیف کو مہمل کہہ دیا، مگر جب تھوڑے دن بعد میرزا نے ظہوری کے کلام سے اس کی سند پیش کی، تو وہ اپنے ہونہار شاگرد کی خداداد ذہانت اور عقدت کے قائل ہو گئے۔" (ذکرِ غالب ـــ ص۳۴)

ایسا ہونہار شاگرد جو تحصیل علم کے زمانے میں زبان میں ایسا اجتہاد کرے۔ اُس سے ایسی غلطی سرزد ہونا قرینِ قیاس نہیں۔

• مخطوطے" میں مقطع کی یہ قرأت ہے:۔

(اسد) افسوس در درِ نا شناسیہا ہے گمراہاں

عصا ہے خضرِ صحرائے سخن ہے خامہ بیدل کا

نسخۂ بھوپال میں پہلا مصرع یوں لکھا گیا تھا:

مجھے اس قطعِ رہ میں خوف گمراہی نہیں غالب

"مجھے اس قطعِ رہ میں" کے الفاظ قلمزد کئے بغیر میرزا نے نیچے اصلاحی الفاظ لکھے ہیں اور مصرع یوں ہو گیا

مجھے راہِ سخن میں خوف گمراہی نہیں غالب

"مخطوطے" میں اگر مصرعِ اوّل یوں ہوتا:

اسدؔ اس قطع رہ میں خوفِ گمراہی نہیں مجکو

یا

اسدؔ راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں مجکو

تو اس کو میرزا کا کلام مانا جاسکتا تھا۔ جو مصرع "مخطوطے" میں ہے، اس کے الحاقی ہونے کا ثبوت خود اسی میں موجود ہے۔ "افسوس" کے بعد عطف کا "و" میرزا تو نہیں لکھتے کیونکہ یہ مقام ہے تبر کا۔

اس غزل میں ایک بات اور بھی ہے، تیسرے اور پانچویں شعر "مخطوطے" میں یہ ہیں:۔

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی

عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی ہا

جو تو دریا ہے مے ہے تو میں ہوں خمیازہ ساحل کا

نسخۂ بھوپال میں "خمارِ تشنہ کامی ہا" ہی تھا۔ میرزا نے ہا کو بھی کیا ہے، لیکن دوسرے مصرع میں "تو میں خمیازہ ہوں" پہلی قرأت ہے۔ اگر پہلے مصرع میں ہا پہلی قرأت ہے، تو دوسرے مصرع میں جو قرأت نسخۂ بھوپال میں ہے، وہی پہلی قرأت ہونا قرینِ قیاس ہے۔ اسلئے "مخطوطے" میں دوسرے مصرع میں اختلافِ نسخ ہے۔ "مخطوطے" میں الحاقی ترتیبِ الفاظ کی وجہ سے ہے۔

اس بات کا ثبوت تو نہیں، لیکن رنگِ کلام بتاتا ہے، کہ "مخطوطے" میں جو شعر تیسرے اور پانچویں نمبر پر ہیں۔ وہ بعد میں کہے گئے ہوں گے۔ گویا یہ غزل صرف پانچ شعروں کی تھی۔ یہ بات قرینِ قیاس نہیں۔ اگر یہ بیاض میرزا کی ہوتی، تو اس غزل میں یقیناً اور شعر ہوتے۔ "مخطوطے" کو میرزا کی غیر معروف بیاض کی پہلی ردیف وار نقل بتایا گیا ہے، اور اس میں الحاقی کلام، نو دریافت کلام کے طور پر نقل ہوا ہے۔ جس میں سے اکثر حصہ پوچ ہے (تفصیلی بحث اپنے مقام پر آئے گی۔) اگر ایسا تمام کلام "بیاض" میں ہے، جو بعد میں غالب نے منسوخ کر دیا، تو پھر اس غزل میں اور شعر کیوں نہیں ہیں؟

الف کے ورق ۶ب اور عین کے ص۱۲ میں ایک لفظ کا ایسا فرق ہے، جس سے اس بات کی مزید شہادت ملتی ہے، کہ "مخطوطہ" نہ صرف نہ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں تیار کیا گیا، بلکہ اس کے کاتب نے ۱۹۶۹ء میں بھی اس میں قلم لگایا ہے۔

الف میں رکاب یا ترکے کے طور پر کوئی لفظ صفحے کے نچلے بائیں کونے میں نہیں ہے، لیکن عین میں "ہوا" بالکل اسی خط میں رکاب کے طور پر لکھا ہے، جس خط میں متن ہے۔ چونکہ الف اور عین ایک ہی "مخطوطے" کے غیر معکوس عکس ہیں، اسلئے یہ بات غور طلب ہے، کہ جب الف کے لئے ماٹکروفلم تیار کیا گیا۔ اُس وقت رکاب کے طور پر "ہوا" کا لفظ "مخطوطے" میں نہیں تھا۔ لیکن عین کی طباعت کے وقت یہ لفظ مخطوطے میں درآمد ہو گیا! عین کے مؤلف کے مادی، قلمی۔ اور روحانی وسائل کی وسعت کی داد دینا پڑتی ہے، کہ میرزا اسد اللہ خاں غالب کی وفات کے سو برس بعد بھی انھوں نے "میرزا" ہی کے قلم سے کم از کم ایک لفظ تو لکھوا لیا۔ اہلِ نظر "مخطوطے" کے کھرے اور کھوٹے ہونے کے بارے میں مناسب رائے قائم کر سکتے ہیں۔

ایک بات اور یہ حقیر کمال عرض کرنا چاہتا ہے، جب رکاب کا دستور ہی ختم ہو گیا تھا، تو پھر "میرزا" کو اس صفحے پر، اپنی وفات کے سو برس بعد ہی سہی، رکاب لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اگر یہ لفظ الف اور عین، دونوں میں ہوتا، تو بھی یہ غیر معقول بات ہوتی، کیونکہ ترکے کو تو شروع ہی میں ترک کر دیا گیا تھا۔ رکاب کے سلسلے میں جو غلطی شروع میں ہے، اس سے بحث کی جا چکی ہے۔

الف کے ورق ۷ الف، اور عین کے ص۱۲ پر بائیسویں غزل ہے، جس کا مطلع ہے:

فروپیچیدگی ہے فرش بزم عیش گستر کا
دریغا گردش آموز فلک ہے دور ساغر کا

اس غزل میں ۶ شعر ہیں، تیسرا شعر، اور چوتھے شعر کا پہلا مصرع قلمزد ہیں۔ گویا تیسرا اور چوتھا شعر چھوڑ کر، باقی چار شعر قلمزد نہیں ہیں۔

غزل کو "نو دریافت" قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ غالب کے کسی اور نسخے میں نہیں پائی جاتی۔

جو لوگ اس کو میرزا کا منسوخ کلام سمجھتے ہیں، مجھے اُن سے اتفاق نہیں

اس غزل میں ایک شعر ایسا ہے، جس کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ میرزا اپنی عمر کے ابتدائی

دوذر میں بھی وہ غلطی کرتے تھے جو اس میں ہے، شعر یہ ہے:

کیا جو نامہ بر وہاں سے بر نک باختہ آیا (وھاں)

خطوط ار وے قالین نقش ہے پشت کبوتر کا

(گاف میں ایک اور سرکز اور اضافتیں آپ خود لگا لیجئے)

کیا غالب خطوط کو واحد باندھتے، جبکہ نقش کے بعد ہے کو بڑی آسانی سے ہیں کیا جا سکتا تھا۔ انھیں شعر کہتے وقت بھی خیال نہیں آیا، پھر ابتدائی بیاض میں لکھتے وقت بھی ادھر دھیان نہیں گیا۔ اور یہ ردیف وار بیاض تیار کرتے وقت بھی یہ بات ان کے ذہن میں نہیں آئی؟ اگر یہ غزل کسی اور خط میں برآمد کی جاتی، تو ہے کو کاتب کا سہو بھی تصور کیا جا سکتا تھا۔ غزل چونکہ غالب کے مبینہ خط میں برآمد کی گئی ہے، اسلئے اور بھی تکلیف دہ بات ہے، جس طرح ڈاکٹر عظمت الٰہی کی بیاض سے عبدالباری آسی کا دریافت یا برآمد کیا ہوا کلام میرزا کا نہیں ہے۔ اسی طرح یہ "نو دریافت" غزل بھی میرزا کی نہیں ہے۔

الف کے ورق ۷ ب اور عبن کے ص۱۴۱ پر غزل نمبر ۲۴ ہے۔ اس کے ساتوں شعر گ م میں ص۲۸ اور ص۲۹ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہیں۔ دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں ایک لفظ کا اختلاف ہے، گ م میں ہو ہے اور "مخطوطے" میں ہوں ہے۔ اسی طرح چوتھے شعر میں بھی معمولی سا اختلاف نسخ ہے۔ "مخطوطے" کے کردار کے پیش نظر احتیاط لازمی ہے۔ اور "مخطوطے" کی قرأت کو میرزا کی تحریر اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا۔ جب تک کسی اور ماخذ سے اس کی تصدیق نہ ہو۔ ن ع میں اختلاف نسخ کے تحت ان شعروں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔ "مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:

اسد طرز آشنایان قدردان نکتہ سنجی ہیں

سخن کا بندہ ہوں، لیکن نہیں مشتاق تحسیں کا

نسخۂ بھوپال میں مصرع اول اسی طرح تھا، لیکن اصلاح کے بعد نیا مصرع یوں ہوا:

اسد ارباب فطرت قدردان لفظ و معنی ہیں۔

اسی صفحے پر غزل نمبر ۲۵ ہے، جس کے پانچ شعر اس صفحے پر اور دو شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ مطلع میں ایک اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اصلاح کے بعد مطلع کی یہ شکل ہے، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی قرأت کی مطابق ہے:

بہارِ رنگِ خونِ گل ہے ساماں اشکباری کا

جنونِ برقِ نشتر ہے رگِ ابرِ بہاری کا

اصلاح سے پہلے مصرعِ ثانی یوں تھا:

کہ برق از شعلہ نشتر ہے رگِ ابرِ بہاری کا

یہ قیاسی اصلاح معکوس ہے، مفروضہ ابتدائی قرأت دکھانے کے لئے۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

حریفِ جوششِ دریا نہیں خودداریٔ ساحل

جہاں ساقی ہو، تو، باطل ہے دعوی پارسائی کا

الف میں تصریحات کے تحت یہ قیمتی اطلاع فراہم کی گئی ہے کہ یہ شعر دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں ہے۔ متداول دیوان میں دو ہی شعر اس زمین میں ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے۔ ہاں ایک بات ہے۔ دعوی چونکہ یہاں قافیہ نہیں ہے۔ اسلیئے ی پر الف ہونا چاہیئے تھا۔ "دعویٰ" کے بجائے "دعوی" یہاں پہ میرزا کا املا نہیں ہے۔ یہ بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ "مخطوطہ" خطِ غالب نہیں ہے۔
متداول دیوان میں جو دوسرا شعر اس زمین میں ہے، وہ بھی "مخطوطے" میں ہے:

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

"مخطوطے" میں "مصرعِ ثانی" میں "آئینہ" کی ۃ ہمزۂ اضافت سے محروم ہے۔ جو میرزا کی روشِ تحریر کے خلاف ہے۔ ایسی غلطیاں "مخطوطے" میں بہت ہیں۔

یہ شعر یہاں اہلِ نظر کی دلچسپی کے لئے نقل کیا گیا ہے۔ نسخۂ رامپور جدید میں کثافت کے بجائے کسافت لکھا ہے۔ دیوانِ غالب کے دوسرے، تیسرے اور پانچویں ایڈیشنوں میں بھی کتابت کی یہی غلطی ہے۔ اگر یہ غزل ان نسخوں میں سے کسی میں سے نقل کی جاتی، تو "مخطوطے" میں کثافت کی جگہ بخطِ غالب "کسافت" لکھا ہوتا۔ اگرچہ اسوقت بتانا قبل از وقت ہے، لیکن اہلِ نظر کی دلچسپی کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ آگے (الف کے ورق ۵۹ الف اور عین کے ص۱۱۷ پر) ایک "نو دریافت" غزل بخطِ غالب آئے گی۔ اُس کے ایک شعر میں کسافت ملے گا۔ کیونکہ "مخطوطے" میں شاید یہ دکھانا بھی مقصود ہے، کہ غالب اس وقت تک املا بھول گئے تھے۔ تفصیلی بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ اور یہ دکھایا جائے گا، کہ وہاں "کثافت" ث کے بجائے س سے کیوں لکھا گیا۔

الف کے ورق ۸ الف اور عین کے ص۱۵ پر غزل ۲۶ میں چھ شعر ہیں۔ پانچ شعر کسی اختلاف نسخ کے بغیر، نسخۂ بھوپال کے حوالے سے گ م میں ص۲۹ پر درج ہیں۔ یہ شعر "نو دریافت" ہے:

خاکِ عاشق بسکہ ہے فرسودۂ پروازِ شوق

جادۂ بر وحشت تارِ دامنِ قاتل ہوا

دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ ایک تو "بس کہ" میرزا کی عادت کے خلاف، الگ الگ لکھا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے، کہ "بسکہ" کی وجہ سے پہلے مصرع کو اس بیان کی وجہ ہونا چاہیئے، جو دوسرے مصرع میں ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ شعر میرزا کے کلام کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا الحاقی ہونا "مخطوطے" کو کھوٹا ثابت کرتا ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۲۷ ہے جس کے ۴ شعر اس صفحہ پر اور ۳ شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ تین شعروں کی قرأت وہ ہے، جو نسخۂ بھوپال میں اصلاح سے منسوخ ہوئی ہے

الف کے ورق ۸ ب اور عین کے ص۱۶ پر ایک شعر ہے، جو مسوّدہ اسلوب کے مطابق یوں ہے:

مہر بجائے بادہ لگائی بر لبِ پیکِ نامہ رساں

قاتلِ تمکیں سنج نے یوں خاموشی کا پیغام کیا

دیوانِ غالب، نسخۂ عرشی کے گنجینۂ معنی کے حصے میں اس شعر کی قرأت یوں ہے:

مُہر بجائے نامہ لگائی بر لبِ پیکِ نامہ رساں
قاتلِ تمکیں سنج نے یوں خاموشی کا پیغام کیا

قطع نظر اس کے کہ "پیکِ نامہ رساں" کی ترکیب پہلے مصرع میں ہے اور ردیف "کیا" اُس زمانے کی بھی بول چال کے مطابق نہیں، "مخطوطے میں بادہ کا لفظ کوئی معنی نہیں دیتا۔ یہ یقیناً کتابت کی غلطی نہیں ہے۔ بلکہ نسخۂ عرشی میں شعر کی جو قرأت ہے، اُس کی ابتدائی شکل دکھانے کی شعوری کوشش معلوم ہوتی ہے، اور اس کوشش کی بنیاد قیاس ہے اور وہ بے بنیاد ہے۔

اس غزل کا مطلع پہلے یوں تھا:

وحشیِ بن صیاد نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا
رشتۂ چاکِ جیبِ دریدہ یکسر صرفِ دام کیا

لیکن بعد میں "یکسر" کاٹ کر "قماشِ" کا اضافہ کر دیا، اور دوسرا مصرع یوں کر دیا:

رشتۂ چاکِ جیبِ دریدہ صرفِ قماشِ دام کیا

اس اصلاح سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا، گویا غالب نے غزل پر نظرِ ثانی کی تھی۔ اگر یہ نسخہ واقعی نوشتۂ غالب ہوتا تو، انھوں نے جب مطلع میں اصلاح کی تھی، تو اس شعر میں بھی بادہ کو نامہ کر دیا ہوتا۔ پہلی بات تو یہ ہے، کہ انھوں نے بادہ کا لفظ لکھا ہی نہیں ہوتا۔

اسی صفحے پر غزل نمبر ۲۹ سے شروع ہوتی ہے، جس میں بشمولِ مطلع و مقطع چھ شعر ہیں۔ چار اس صفحے پر اور دو اگلے صفحے پر۔ مطلع یوں لکھا ہے:

گر نہ احوالِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا
بے تکلف داغِ مہ مُہرِ دہاں ہو جائے گا

پہلے مصرعے میں ابتداً "احوالِ شبِ فرقت" ہی تھا، جو نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے۔ متداول دیوان میں "اندوہِ شبِ فرقت" ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرے شعر کی قرأت یہ ہے:

گروہ مستِ نازِ تمکین دے صلائے عرضِ حال
خارِ گل بُن در دہانِ گل زباں ہو جائے گا

گ م میں دوسرا مصرع یوں ہے:

خارِ گل بہرِ دہانِ گل زباں ہو جائے گا

"مخطوطے" میں دوسرے مصرع کی جو قرأت ہے، وہ نسخۂ بھوپال کی پہلی نوشت ہے۔ بعد میں میرزا نے اصلاح کی ہے۔ مصرع کی وہ صورت اُبھری ہے، جو گ م میں ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرے مصرع کی جو قرأت ہے، وہ نسخۂ بھوپال کی پہلی نوشت ہے۔ بعد میں میرزا نے اصلاح کی ہے۔ مصرع کی وہ صورت اُبھری ہے، جو گ م میں ہے۔

"مخطوطے" میں "گلبن" ملا کر نہیں، بلکہ الگ الگ "گل بن" بخطِ غالب دکھایا گیا ہے۔ یہ طرزِ نوشت میرزا کی نہیں ہے۔ اور یہ بات اگلے شعر سے واضح ہو جاتی ہے، کہ یہ "مخطوطہ" نسخۂ بھوپال کا پیش رو نہیں ہے۔ اسلئے یہ غالب کے خط میں بھی نہیں ہے۔ چوتھا شعر "مخطوطے" میں یہ ہے:

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط
شعلہ خس میں مثلِ خوں در رگ نہاں ہو جائے گا۔

دوسرا مصرع متداول دیوان میں یہ ہے:

شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائے گا

"مخطوطے" کی قرأت وہی ہے، جو نسخۂ بھوپال میں تھی۔ گویا اس مصرع کی ابتدائی قرأت وہی تھی۔ (13)
جو "مخطوطے" میں ہے، اس کے باوجود یہ شعر اس "مخطوطے" میں الحاقی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے، کہ یہ شعر اس غزل کے پانچ شعروں میں سے ہے، جو بعد میں نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر اضافہ کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے یہ شعر ۱۲۳۷ ہجری کے بعد کی تخلیق ہے۔ ٹھیک ہے، کہ شاعر آنے والے واقعات اور حادثات کا بھی ادراک رکھتا ہے، لیکن ان واقعات اور حادثات میں، اس کی

تقبل کی شاعری شامل نہیں ہوتی۔ ۱۲۳۷ ہجری کے بعد وجود میں آنے والا یہ شعر اُس "مخطوطے" کے
ن میں کیسے موجود ہے، جس کے لئے دعویٰ کیا جاتا ہے، کہ اس کی کتابت ۱۲۳۱ ہجری میں اختتام
پذیر ہوئی، اس کی بھی وجہ ہے، جو قابلِ فہم بھی ہے، "مخطوطہ" میں یہ غزل یقینی طور پر نسخۂ حمیدیہ
سے نقل ہوئی ہے جو نسخۂ بھوپال کا چھپا ہوا روپ ہے۔ نسخۂ حمیدیہ کے مرتب سے یہ سہو
ہوا ہے کہ انھوں نے اس غزل میں جو شعر حاشیوں پر ہیں۔ ان کے حاشیے پر ہونے کا اظہار
نہیں کیا ہے[لہ]، نسخۂ حمیدیہ کے مرتب کی اس فروگذاشت کی وجہ سے ناقل نے زیرِ نظر "مخطوطے"
کے متن میں یہ شعر بھی لکھ دیا۔ اس غزل کی "مخطوطے" میں موجودگی نے ایک بار پھر یہ بات حتمی طور پر
ثابت کر دی، کہ مخطوطہ بخطِ غالب نہیں ہے۔ نسخۂ بھوپال کا پیش رو نہیں ہے۔ اس کی تیاری میں
نسخۂ حمیدیہ سے بھی مدد لی گئی ہے اور اس لئے جعلی ہے۔
عین کے صـ۴۵ اور الف کے ورق ۹ الف پر ایک غزل ہے، جو ایک ہلکی سی لکیر سے
قلمزد کی ہوئی ہے، اس کا مطلع ہے:

تنگ ظرفوں کا رتبہ جہد سے برتر نہیں ہوتا
حباب سے بعد بالیدن ساغر نہیں ہوتا

اس غزل کو "نودریافت" قرار دیا گیا ہے، کیونکہ کلامِ غالب کی حیثیت سے اب تک اس کا
وجود نہیں تھا۔ کوئی غالب شناس اس کو کلامِ غالب کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرے گا، کیونکہ
اس غزل کا تیسرا شعر ہے:

خوشا عجزے کہ عاشق جل بجھے جوں شعلۂ خاشش
کہ کم از سرمہ اُوسکا مشتِ خاکستر نہیں ہوتا

کیا غالب "مشتِ خاکستر" کو مذکر باندھتے؟ اوسکا اور نہیں ہوتا لکھتے؟
مؤنث کو ردیف کی مجبوری سے مذکر باندھنے کا الاسنس نہ غالب سے پہلے کسی شاعر کو
دیا گیا اور نہ غالب کے بعد کسی شاعر کو۔ ممکن ہے کوئی "غالب شناس" اس بات پر روشنی ڈال سکے کہ

لہ تفصیل کے لئے دیکھئے نسخۂ عرشی، اختلافِ نسخ صـ۲۲۸

غالب "مشتِ خاکستر" کو مذکر ہی لکھتے تھے۔ یا یہ کہ یہ واقعی مذکر ہی درست ہے۔ یہ شعر اس بات کا حتمی ثبوت ہے، کہ جس غزل میں یہ شعر ہو، وہ غزل میرزا کی نہیں ہو سکتی۔
یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے، کہ میرزا کے بیدلی رنگ کی اچھی پیروڈی کی گئی ہے۔ الفاظ کی نشست میرزا کے اسی دور کی ہے، لیکن شعر معنی کیا، خیال سے بھی عاری ہیں۔ دوسرے شعر کو لیجئے:۔

عجب اے آبلہ پایانِ صحرا، نظر بازی

کہ تارِ جادۂ رہ، رشتۂ گوہر نہیں ہوتا

(مصرعِ اوّل میں "نظر بازی" اصلاح میں "محبت" قلمزد کر کے لکھا گیا ہے)
اس شعر میں کوئی خیال نہیں ہے، صرف صنعتِ لف و نشر ہے۔ اور نری رعایت لفظی ہے اور یہ باتیں میرزا کے مزاج سے لگا نہیں کھاتیں۔
چوتھا شعر ہے:۔

تماشائے گل و گلشن ہے سفتِ سرنگھی ہا

بہ از چاکِ گریباں، گلستاں کا در نہیں ہوتا

مصرعِ اوّل میں "سفتِ سرنگھی ہا" کی ترکیب مہمل ہے۔ مصرع ثانی میں "بہ از چاکِ گریباں" کا فقرہ بھی محلِ نظر ہے۔ اور میرزا نہیں لکھ سکتے تھے۔ دونوں مصرعوں کو ملا کر بھی کوئی معنی نہیں نکلتے، اور الگ الگ بھی مصرعے بے معنی ہیں۔
پانچواں شعر ہے:

نہ رکھ چشمِ حصولِ نفع صحبتہا ئے ممسک سے

لبِ خشکِ صدف آبِ گہر سے تر نہیں ہوتا

دوسرا مصرع تھوڑا سا میرزا کے بیدلی رنگ میں ہے، لیکن پہلے مصرع نے اس کو بھی شعر میں ذلیل کر دیا ہے۔ کیونکہ "گہر" کو بخیل ثابت نہیں کیا گیا ہے۔ خود دوسرے مصرع میں بھی ایک خامی ہے، صدف کے ہونٹ خشک نہیں ہوتے، کیونکہ صدف کی زندگی پانی میں ہے، اور جب صدف سے موتی گہر نکال لیا جائے، تو صحبت اور ممسک، دونوں کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا اسلئے بڑے یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے، کہ یہ شعر مرزا کا نہیں ہے
چھٹا شعر ہے:

نہ دیکھا کوئی ہم نے آشیاں بلبل کا گلشن میں
کہ جس کے در پہ غنچہ شکلِ قفلِ زر نہیں ہوتا

یہ شعر بھی گلشن کے تلازموں کے باوجود مہمل ہے۔ سونے کے تالوں کی کوئی روایت نہ فارسی میں تھی اور نہ اردو میں۔ دوسری بات یہ ہے، کہ بلبل ہمیشہ زرد پھولوں والے درختوں میں آشیاں نہیں بناتی۔

مقطع بھی دیکھتے چلئے:

صفا کب جمع ہو سکتی ہے غیر از گوشہ گیری ہا
صدف بن قطرۂ نیساں اسدؔ گوہر نہیں ہوتا

صفا اور جمع، دونوں کا استعمال محلِ نظر ہے۔ مصرع اول کے آخر میں "ہا" برائے وزنِ شعر ہے۔ مصرعِ ثانی جس مضمون کا تقاضہ کرتا ہے۔ وہ مصرع اول میں نہیں ہے۔ اور مصرعِ اول، ثبوت کے طور پر مصرعِ ثانی میں جو کچھ پاتا ہے، وہ مصرعِ ثانی میں نہیں ہے۔ دونوں مصرعے باہم ربط نہیں رکھتے۔ اور مضمون کے اعتبار سے تشنہ رہ گئے ہیں۔ یہ میرزا کا کلام نہیں ہوسکتا۔
اسی صفحے پر غزل ۳۱ شروع ہوتی ہے، جس میں چھ شعر ہیں۔ چار شعر گ م میں ہیں۔ (ص۱۸) اور دو مستند اول دیوان، ان میں (ص۱۴۸) مستند اول دیوان کے دونوں شعر قرأت میں کسی تبدیلی کے بغیر "مخطوطے" میں ہیں۔ گ م میں جو شعر ہیں، ان میں سے تین شعروں میں قرأت کا فرق ہے۔ نسخۂ بھوپال کی منسوخ قرأت پہلے وہی تھی، جو مخطوطے میں ہے۔ مقطع "مخطوطے" میں یوں ہے:

بہ ظاہر، چہ باطن، تکلف تاسف
اسدؔ میں تبسم ہوں پژمردگاں کا

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں مصرع اول یہ ہے:

بصورتِ تکلف، بمعنی تاسف

" مخطوطے" کے جعلی کردار کے پیشِ نظر " مخطوطے" کے پہلے مصرع کو اسوقت تک میرزا کا مصرع تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک اس کی تصدیق کسی اور ماخذ سے نہ ہو

الف کے ورق ۹ ب اور عین کے ص۱۸ پر غزل نمبر ۳۲ ہے، جس میں پانچ شعر ہیں۔ یہ پانچوں شعر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے گ م میں ص۲۹ پر درج ہیں۔ " مخطوطے" کے چوتھے شعر کے پہلے مصرع میں کتابت کی ایک غلطی ہے، نسخۂ بھوپال میں شعر یوں ہے:۔

آیا نہ بیابانِ طلب، گامِ زباں تک

بتخالۂ لب ہو نہ سکا آبلۂ پا

" مخطوطے" میں " بیابان" میں " با" چھوٹ گیا ہے اور اس وجہ سے " بیان" ہو گیا ہے۔ چونکہ گ پر بھی ایک ہی مرکز اس " مخطوطے" میں لکھا گیا ہے۔ اسلئے نستعلیق خواندگی میں الف میں یہ مصرع یوں لکھا گیا ہے:

آیا نہ بیانِ طلبِ کام، زباں تک

چونکہ " کام" اضافت کے ساتھ " بیانِ طلبِ کام" کی ترکیب میں ہے۔ اسلئے کام اپنے فارسی کے معنوں ہی میں استعمال ہو سکتا ہے، اردو میں جس طرح سے کام مستعمل ہے۔ اور محاوروں میں جس طرح استعمال ہوتا ہے۔ اِن معنوں میں یہاں نہیں ہو سکتا۔

فارسی معنوں میں اگر کام سے مراد مقصد ہے، تو پھر طلب کے کوئی معنی نہیں رہیں گے۔ اسلئے یہ سیدھی سادی کتابت کی غلطی ہے۔

اس غزل کے شروع میں ص کے بجائے علامہ جیسا نشان ہے۔ عین میں تصریحات کے تحت اس پر " غالب" کی دستخطی شکل ہونے کا شبہ ظاہر کیا ہے۔ غالب کی سینکڑوں تحریریں حقیر کمال کی نظر سے گذری ہیں۔ کہیں بھی اس طرح میرزا نے دستخط نہیں کئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے، کہ اس نشان کا قلم بھی اُسی قط کا ہے، جس قط کے قلم سے متن کی عبارت لکھی گئی ہے یہ بات دوسری ہے، کہ متن کی تحریر کا خط پختہ ہے، اور اس نشان میں قلم کی وہ پختگی اور سلامت روی نہیں ہے، بلکہ وہ لرزش ہے، جو کسی اور کے انداز میں

نقل کرتے وقت ہوئی ہے۔ کیا میرزا اپنے دستخطوں کے معاملے میں کچے تھے اور پھر دستخط
کی مشق کرنے کے لئے ان کو اپنی بیاض کے علاوہ کچھ اور نہیں ملا؟ اس سے بھی اہم بات یہ ہے،
کہ اگر وہ اس بیاض کی تیاری کے دوران میں غالب تخلص اختیار کر چکے تھے۔ تو غالب تخلص
کے مقطعے ان کے قلم سے کیوں اس بیاض میں نہیں ہیں۔ مقطعوں اور تخلص کے سلسلے میں جو عمارت
بنائی گئی تھی۔ وہ اس سے تاش کے پتوں کی طرح گر گئی۔ حقیقت یہ ہے، کہ جو شہادتیں اس
حقیر نے اب تک پیش کی ہیں۔ اور آئندہ پیش کی جائیں گی۔ اُن سے یہ بات کسی شک و شبہ
کے بغیر ثابت ہے، کہ "مخطوطہ" ان معنوں میں جعلی ہے۔ کہ اس کو میرزا کا قلم نہیں لگا ہے۔
اس میں الحاقی کلام ہے، اور یہ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں لکھا گیا ہے۔

اسی صفحے پر غزل نمبر ۳۴ ہے، جس میں پانچ شعر ہیں۔ یہ پوری غزل "نو دریافت" ہے۔
عبدالباری آسی صاحب کی (ڈاکٹر؟) عظمت الٰہی کی بیاض سے برآمد کی ہوئی غالب کی
غزلوں سے یہ کسی طرح کم نہیں ہے۔ ایمانداری سے یہ اعتراف کرنا چاہیئے، کہ آسی صاحب کی
غزلیں اس طرح سقم سے پُر نہیں تھیں۔ جیسی یہ "نو دریافت" غزلیں، جو "بخطِ غالب" برآمد
کی گئی ہیں۔ اس غزل کا مطلع ہے:

وہ فلک رتبہ کہ بر توسنِ چالاک چڑھا

ماہ پر ہالۂ صفت، حلقۂ فتراک چڑھا

دوسرا مصرع بے معنی ہے، حلقۂ فتراک، چاند پر نہیں چڑھ سکتا۔ آسمان کے تلازموں کے باوجود
نہ شعر میں کوئی معنی ہیں، اور نہ دونوں مصرعوں میں کوئی ربط ہے۔ پہلے مصرع میں "چالاک" صرف
قافیہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے۔

دوسرا شعر ہے:

نشۂ مے کے اُتر جانے کے غم سے انگور

صورتِ اشک بہ مژگانِ رگِ تاک چڑھا

ایک تو ردیف و قافیہ دست و گریبان نہیں ہیں، دوسری بات یہ ہے، کہ نہ اشک مژگان
پر چڑھتا ہے، اور نہ انگور رگِ تاک پر چڑھتا ہے۔ "ردیف" اُسی کو نہیں کہتے، جو

دوسرے مصرع کے آخر میں آئے۔ وہ مصرع میں بامعنی بھی ہونا چاہیئے تیسری بات یہ ہے، کہ دوسرے مصرع میں "رگ" بالکل برائے وزنِ شعر ہے۔ چوتھی بات یہ ہے، کہ پہلے مصرع کا تقاضہ یہ تھا، کہ ایسا مضمون دوسرے مصرع میں ہوتا "آنسو بن کر مژگانِ تاک سے ٹپکا۔ مژگانِ تاک پر آکر ٹھہر گیا۔"

تیسرا شعر ہے:-

بوسۂ لب سے ملی طبع کو کیفیتِ خال

میکشی دن سے مجھے نشۂ تریاک چڑھا

یہ سراسر مہمل شعر ہے۔ "کیفیتِ خال" یہاں بے معنی ترکیب ہے۔ اگر عارض کے بوسے کی بات ہوتی، تو کیفیتِ خال کے کوئی معنی ہوتے۔ ہونٹوں پر تل ہونے کی بات غالب کیا کسی نے بھی نہیں کی۔ پتہ نہیں یہ کون سے لب تھے؟ دوسری بات یہ ہے، کہ "لب" بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ بوسے کے معنی ہونٹوں کا بوسہ ہی ہوتا ہے۔ پاؤں کا بوسہ ہو، تو پاؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دوسرا مصرع تو سرے سے بے معنی ہے، کیونکہ شراب سے افیون کا نشہ نہیں آسکتا۔ اگر یہ بات کہنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ شراب کی طرح سرخ ہونٹوں کا بوسہ لینے میں ہونٹوں کے تل نے مست کر دیا، اسلئے میں پینک میں آگیا ۔۔۔ کیونکہ میں نے ہونٹوں کی شراب پینے کے بجائے تل کی افیون کھائی ۔۔۔ تل کو افیون اس کی سیاہ رنگت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ یہ مضمون کھینچ تان کر اس شعر سے نکلے گا۔ بالفرض یہ مضمون اس شعر کو کچل کر عرق کی طرح نکال بھی لیا جائے، تو کیا یہ شعر میرزا کا ہو سکتا ہے؟

چوتھا شعر ہے:

میں جو گرددل کو بمیزانِ طبیعت تولا

تھا یہ کم وزن کہ ہم سنگِ کفِ خاک چڑھا

یہ ایک سیدھا سادا بیان ہے، اس میں کوئی شاعرانہ خیال نہیں ہے

مقطع ہے:

اسدا اس واشدنِ عقدۂ غم گر چاہے

حضرتِ زلف میں جوں شانہ دلِ چاک چڑھا۔

(الف میں دوسرے مصرع کی جو خواندگی نستعلیق میں ہے، وہ واضح طور سے غلط ہے، خواندگی یہ ہے: حضرتِ زلف میں جوں شانۂ دل چاک چڑھا)
مقطع میں جو مضمون ہے، وہ رند، وزیر، صبا اسد ایرانی وغیرہ کو زیب دیتا ہے۔ کنگھی چوٹی کی شاعری میرزا نے نہیں کی ہے۔ آئینہ اور شانہ ان کے یہاں بھی ہے، لیکن اس بھونڈی طرح سے نہیں
الف کے ورق ۹ ب اور عین کے ص۱۸ پر ہی غزل ۲۴ شروع ہوتی ہے۔ دو شعر اس صفحے پر اور باقی چار شعر اگلے صفحے پر ہیں۔
پہلا مطلع، دو شعر اور مقطع گ۔م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص۱۵ پر ہیں۔ دوسرا مطلع اور ایک شعر ستۂ اول دیوان میں ص۱۴۵ پر ہیں۔ دوسرے مطلع اور مقطع کی قرأت میں جو فرق "مخطوطے" اور مطبوعہ نسخوں میں ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ مخطوطے میں ابتدائی قرأت دکھائی گئی ہے۔ جس کی نشاندہی عرشی صاحب نے اختلافِ نسخ کے تحت کی ہے البتہ ایک شعر، جو "مخطوطے" میں چوتھے نمبر پر ہے، توجہ چاہتا ہے:

(۱۶) ہے زمیں سے آسماں تک فرش تھی بیتابیاں
شوخیِ بارش سے مہ فوارۂ سیماب تھا

قطع نظر اس کے کہ شوخی کی ی اور فوارہ کی ہ ہمزۂ اضافت سے محروم ہیں۔ جو میرزا کے طرزِ تحریر کے خلاف بات ہے مصرع اول میں تھیں کی جگہ تھی ہے۔ اگر یہ مخطوطہ میرزا کے ہاتھ کا ہوتا، اور جیسا کہ اس پر میرزا کا نظرِ ثانی کرنا، اور اس صفحہ پر بھی ص لگانا دکھایا گیا ہے۔ اگر یہ امر واقعہ ہوتا، تو پھر کسی مرحلے پر تو تھی کو تھیں کیا گیا ہوتا۔
اسی زمین میں دوسری غزل ۲۵ الف کے ورق ۱۰ الف اور عین کے ص۱۹ پر) اسی صفحہ پر اس غزل کے فوراً بعد ہے۔ اس کے دوسرے شعر میں ایک اصلاح بھی دکھائی گئی ہے۔ اس اصلاح کے وقت تھی کو تھیں کیا جا سکتا تھا۔ اس اصلاح کا حال بھی دلچسپ ہے، شعر یہ ہے:

دیکھتے تھے ہم بچشمِ خود وہ طوفانِ بلا
آسمانِ سفلہ جس میں یک کفِ سیلاب تھا

مصرع اول میں ہم کے بعد وہ لکھا گیا تھا پھر اسی زیرِ چشم لکھا گیا ہے۔ یہ غلطی بھی غالب سے نہیں، کاتب ہی سے ہو سکتی تھی۔ اس بات کو اگر ذہن میں رکھیئے کہ یہ بیاض ردیف وار ہے، اسکو وہ بیاض نہیں دکھایا گیا ہے، جسمیں میرزا غزل ہوتے ہی لکھ لیا کرتے تھے۔ اسکو غیر مردف بیاض کی ردیف وار نقل دکھایا گیا ہے، اگر یہ بیاض کھری ہوتی تو اس میں اس قسم کی طفلانہ باتیں نہ ہوتیں، کیونکہ شعروں کی اصلاح میرزا نے پہلی بیاض میں، اشعار یہاں نقل کرنے سے پہلے کی ہوتی۔ یا پھر مصرع لکھنے کے بعد اس میں اسی وقت یا نظرِ ثانی کے وقت اصلاح کی ہوتی۔ جیسا کہ حقیر کمال عرض کر چکا ہے، یہ میرزا کی بیاض ہی نہیں، اور اس کا ثبوت اس مصرع سے بھی ملتا ہے کیونکہ یہاں مصرع موزوں کرنے کا عمل دکھایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ یہ مصرع یوں لکھوانے کا ارادہ کیا گیا ہو۔

دیکھتے تھے ہم وہ طوفانِ بلا بھی چشم سے

لیکن پھر فوراً ہی خیال آگیا ہو، کہ یہ مصرع غزل کے دوسرے مصرعوں سے الگ ہو جائے گا، اسلئے یہ ارادہ ترک کر دیا گیا۔

چوتھے شعر کی قرأت "مخطوطے" میں یہ ہے:

جوشِ تکلیفِ تماشا محشر آبادِ نگاہ

فتنۂ خوابیدہ کو آئینہ مشتِ آب، تھا

گ۔م میں مصرع اول یوں ہے:

جوشِ تکلیفِ تماشا محشرستانِ نگاہ

نسخۂ حمیدیہ اور طیف ایڈیشن میں "محشر آباد" ہے اور "مخطوطے" میں یہ لفظ وہیں سے برآمد کیا گیا ہے۔

اسی صفحے غزل نمبر ۳۶ شروع ہوتی ہے، ڈھائی شعر اس صفحے پر اور باقی ڈھائی شعر اگلے صفحے پر ہیں۔
مطلع یہ ہے: شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا

شمع سے یک خار در پیراہنِ فانوس تھا

متداول دیوان میں، اس مطلع کا مصرع ثانی یہ ہے:

رشتۂ ہر شمع، خارِ کسوتِ فانوس تھا

متداول دیوان کے اس مصرع کا روپ نسخۂ بھوپال میں اصلاح کے بعد نکھرا ہے۔ اصلاح سے پہلے مصرع کی قرأت وہی تھی، جو "مخطوطے" میں ہے۔ نسخۂ بھوپال کی منسوخ قرأت ہی "مخطوطے" میں برآمد کی گئی ہے۔

"مخطوطے" میں، تیسرے شعر میں ایک اصلاح ہے۔ اصلاح سے پہلے شعر یوں تھا:

بُت پرستی ہے بہارِ نقشبندیِ جہاں
از صریرِ خامہ پیدا نالۂ ناقوس تھا

(پہلے مصرع میں "نقشبندیِ جہاں" میرزا کی روشِ تحریر کے خلاف ہے کیونکہ "ی" پر تشدید نہیں ہے، میرزا اسی طرح اضافت دکھاتے تھے)

دوسرے مصرع میں "از صریرِ خامہ پیدا" کے الفاظ قلمزد کر کے نئے الفاظ اوپر فراہم کئے گئے ہیں۔ اور مصرع کی قرأت گلِ رعنا کی قرأت کے مطابق ہو گئی ہے، جس میں اس زمین میں تین شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔ گلِ رعنا میں شعر کی قرأت یہ ہے:

بت پرستی ہے بہارِ نقشبندیِ پائے دہر
ہر صریرِ خامہ میں یک نالۂ ناقوس تھا

"مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر احتیاط کا تقاضہ یہی ہے، کہ "مخطوطے" میں شعر کی ابتدائی قرأت کو اصلاحِ معکوس کی کارفرمائی سمجھا جائے

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

غنچۂ خاطر نے رنگِ صد گلستاں گل کیا
گردۂ تصویرِ گلشن، بیضۂ طاؤس تھا

نسخۂ بھوپال میں میرزا نے اس شعر کو مسترد کر کے اس کی جگہ، اسی قافیہ میں دوسرا شعر لکھا ہے، جو

گ م میں موجود ہے۔ "مخطوطے" میں "غنچہ" کی ہ اور "سبحہ" کی ہ دونوں ہمزۂ اضافت سے محروم ہیں اور یہ بات میرزا کی روشِ تحریر کے خلاف ہے:

"مخطوطے" میں مقطع یہ ہے:۔

یاد آیا ہے کہ دردِ سینہ ریشی سے اسدؔ

دست بر دل، سر بزانوے دلِ مایوس تھا

گ م میں مقطع کا مصرع اوّل یہ ہے:

کل اسدؔ کو ہم نے دیکھا، گوشۂ غم خانہ میں

"مخطوطے" میں مصرعِ اوّل اگرچہ میرزا کے رنگ میں ہے، لیکن "مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر یہ اس وقت تک میرزا کا مصرع تسلیم نہیں کیا جا سکتا، جب تک اس کی شہادت کسی معتبر ماخذ میں نہ ملے۔

الف کے ورق ۱ب اور عین کے ص۲ پر غزل ۳۷ ہے۔ یہی غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۱۴۱ پر نقل ہوئی ہے۔ مطلع گ م اور "مخطوطے" میں یکساں قرأت کا حامل ہے:

شبِ اختر قدحِ عیش نے محمل باندھا

باریک قافلۂ آبلہ منزل باندھا

مطلع کے بعد کے شعر کو جس طرح مخطوطے میں لکھا گیا ہے، اس طرح کوئی شاعر اپنا شعر نہیں لکھ سکتا:

سُبحۂ واماندگی شوق، دتماشہ منظور

جادہ پر زیور صد آئینہ منزل باندھا

سبحہ اور واماندگی کے درمیان اضافت کا رشتہ نہیں ہے۔ لیکن سبحہ کی ہ پر ہمزہ موجود ہے۔ جہاں اضافت ہونا چاہیئے، وہاں تو اضافت نہ ہو ــــ اور جہاں اضافت نہیں چاہئیے، وہاں اضافت موجود ہے۔ غلط جگہ پر یہ ننھا سا ہمزہ اپنی جسامت سے کئی ہزار گنا بڑی غلطی کی طرف

اشارہ ہے۔ وہ غلطی جو میرزا سے نہیں ہو سکتی تھی اگر یہ غلطی زلتِ قلم کی وجہ سے ہوتی، تو نظرِ ثانی کے وقت جب اس صفحے کے شروع اور آخر میں اصلاحیں ہوئی تھیں۔ یا جب اس غزل پر ۲ بنایا گیا تھا اسوقت یہ ہمزہ کاٹا جا سکتا تھا۔ اگر میرزا کی یہ تحریر ہوتی۔ یا نسخہ ان کی نظر سے گذرا ہوتا۔ اس غلط اضافت کو "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے کا واضح ثبوت سمجھنا چاہیئے۔

تیسرا شعر مخطوطے میں یوں ہے:

ضبطِ گریہ گہرِ آبلہ ہائے تبخال

پائے صد سوزِ بہ طوفاں کدۂ دل باندھا

"آبلہ ہائے تبخال" ایسی بے ہودہ اور مہمل ترکیب ہے، کہ میرزا نہیں لکھ سکتے تھے۔ تبخال خود آبلہ ہے۔ "گہرِ ہائے تبخال" کافی تھا۔ لیکن اصلاح معکوس کرنے والے سے مصرع نظم نہیں ہوا، تو آبلہ بھی بیچ میں لگا دیا۔ میرزا کے مصرع کی حیثیت سے مصرع اوّل مسترد کیا جاتا ہے۔ یہ مصرع کسی طرح بھی میرزا کے سر نہیں تھوپا جا سکتا۔ جو لوگ اس مخطوطے کے بخطِ غالب ہونے کی سند دے چکے ہیں۔ ان کے لئے اس مصرع میں بڑی عبرت ہے۔ کیونکہ یہ مصرع سراسر الحاقی ہے۔ اس شعر کا مصرع اول وہی ابتدا میں بھی رہا ہوگا، جو گ م میں ہے:

ضبطِ گریہ گہرِ آبلہ لایا آخر

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

داغ اے حاجتِ بیدرد، کہ در عرضِ حیا

یک عرق آئینہ بر جبہۂ سائل باندھا

گ م میں پہلا مصرع اس طرح ہے:

حیف اے ننگِ تمنا کہ پئے عرضِ حیا

"مخطوطے" میں مصرع اول کی قرأت، نسخۂ بھوپال کی منسوخ قرأت ہے، اور وہیں سے برآمد کی گئی ہے۔ کیونکہ جو مصرعے اس "مخطوطے" میں معلومہ نسخوں سے مختلف ہیں۔ ان میں سے

اکثر کا الحاقی ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔
گ-م میں پانچواں شعر یوں چھپا ہے:

حسنِ آشفتگیِ جلوہ، ہے عرضِ اعجاز

دستِ موسی بہ سرِ دعویِ باطل باندھا

نسخۂ عرشی میں طباعت کی تین غلطیاں اس شعر کے سلسلے میں ہیں

۱: "آشفتگی" اور "جلوہ" کے درمیان اضافت غائب ہے۔
۲: "موسی" کی جگہ "موسی" چھپا ہے۔ عیسٰی اور عیسی، دونوں درست ہیں۔ لیکن "موسی" درست نہیں ہے۔ (ہاں خالہ کے معنوں میں موسی درست ہے، لیکن یہاں ان معنوں میں نہیں ہے)
۳: "دعوی" اور "باطل" کے درمیان اضافت کا رشتہ ہے، لیکن یہ نہیں دکھایا گیا ہے)
طباعت کی یہ تینوں غلطیاں، جو نسخۂ عرشی میں ہیں، "مخطوطے" میں بھی موجود ہیں۔
حالانکہ اس کے لئے یہ دعوے کیا جاتا ہے، کہ یہ "بخطِ غالب" ہے اور یہ کہ اس کی کتابت ۱۲۳۱ھ میں مکمل ہوئی۔ ثابت ہوا، کہ مخطوطہ جعلی ہے۔
چھٹے شعر میں بھی اس حقیر کمالؔ کو نسخۂ عرشی میں طباعت کی ایک غلطی معلوم ہوتی ہے
گ-م میں شعر یوں ہے:

تپشِ آئینہ پرِ دازِ تمنّا لائی
نامۂ شوق بہ بالِ پرِ بسمل باندھا

حقیر کمالؔ کا خیال ہے، کہ مصرعِ اوّل میں لفظ "پرواز" ہے، جو طباعت کی غلطی سے "پرِ دازِ" ہو گیا ہے۔ طباعت کی یہ غلطی "مخطوطے" میں بھی موجود ہے۔ اس میں مصرع اول یوں لکھا ہے:

تپش آیئنہ پرِ داز تمنّا معلوم

آخری لفظ "معلوم"، تو سراسر الحاقی ہے اور "لائی" کی جگہ یہ اصلاحِ معکوس ہے۔
ساتویں اور آٹھویں شعروں کی قرأت گ-م کے مطابق ہے
مقطع میں اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اس کی پہلی خواندگی یہ ہے:

وہ نفس ہوں کہ اسدؔ زمزمۂ فرصت نے
رشتہ بر ساز پئے نغمۂ بیدل باندھا

اصلاح کے بعد مقطع کی شکل ہوئی:

وہ نفس ہوں کہ اسدؔ مطربِ دل نے مجھ سے
ساز پر رشتہ پئے نغمۂ بیدل باندھا

اس کے بارے میں کوئی شک نہیں، کہ پہلا مصرع اوپر کے دونوں مقطعوں میں میرزا کا نہیں ہو سکتا۔ دریہ مصرع اصلاحِ معکوس میں جسنے گڑھا ہے۔ اُسے موسیقی تو بڑی چیز ہے، سازوں کی بھی شدھ بدھ نہیں ہے۔ "زمزمۂ فرصت" والا مصرع تو خیر بالکل ہی بے ہودہ ہے۔ اُس کی اصلاحی شکل بھی یوں بے معنی ہے، کہ اسدؔ کو وہ سانس بنا دیا ہے۔ جو بانسری کی تان بنتی ہے۔ تصویر یہ ابھرتی ہے، کہ دلِ بانسری میں جو پھونک مارتا ہے۔ تو اسدؔ صاحب تان بنکر برآمد ہوتے ہیں۔ اور مطربِ دل اسی تان سے ساز پر نغمۂ بیدل نکالنے کے لئے تار یا تانت (دھاگہ یعنی رشتہ) باندھتا ہے۔ یہ دونوں مصرعے اصلاحِ معکوس کی کار فرمائی ہیں، اور ان کو میرزا کی فکر سے منسوب کرنا میرزا سے دشمنی کے مترادف ہے، مصرعِ اوّل کی ابتدائی قرأت بھی وہی ہوگی، جو گ۔م میں ہے:۔

مطربِ دل نے مرے تارِ نفس سے غالبؔ
ساز پر رشتہ پئے نغمۂ بیدل باندھا

الفؔ کے ورق ۱۱ الفؔ، اور عینؔ کے ص ۲۱ پر غزل ع ۳۸ کے بشمول مطلع و مقطع ۷ شعر ہیں۔ مطلع و مقطع اور ایک شعر ـــــ متداول دیوان میں، اور چار شعر گ۔م ب نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہیں:

"مخطوطے میں مطلع کے بعد کے شعر کی یہ قرأت ہے:

جاں، دادگاں کا حوصلہ فرصت گداز ہے
یاں عرصۂ طپیدنِ بسمل نہیں رہا

گ تم میں مصرعِ اوّل کا آخری لفظ تر کی جگہ تے ہے۔ تر تو میرزا اسوقت لکھتے، جب جاں دادگاں کے حوصلے کا مقابلہ کسی اور بات سے کرتے۔ "عرصۂ طپیدنِ بسمل" سے کوئی مقابلے کا مقام نہیں ہے۔ اسلیئے "مخطوطے" میں تر کو الحاقی تصوّر کرنا چاہیئے۔

مخطوطے میں مقطع میں اصلاح دکھائی گئی ہے، اصلاح سے پہلے وہ یوں تھا:

اندازِ نالہ یاد ہیں سب مجکو، پر اسؔد
درد اکے اختلاط کے قابل نہیں رہا

اختلافِ نسخ کے تحت جو معلومات عرشی صاحب نے ن ع کے ص۴۲۹ پر فراہم کی ہیں، اس کے حساب سے نسخۂ بھوپال میں پہلی قرأت یوں تھی:

اندازِ نالہ یاد ہیں سب مجکو پر اسؔد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

"مخطوطے" کے مصرعِ اوّل میں جہاں پر ہیں ہے۔ وہاں نسخۂ بھوپال میں بھی دکھایا گیا ہے۔ یہ بہت عیاں بات ہے، کہ بھی کے مقابلے میں ہیں بعد کی قرأت ہوسکتی ہے، کیونکہ میرزا نے ہیں ابتدائی بیاضں اور اس کی ردیف وار بیاض میں لکھا ہوتا، تو نسخۂ بھوپال میں بھی نہ لکھا جاتا۔ شاید اس بھی کی وجہ سے میرزا نے نسخۂ بھوپال میں اصلاح سے یہ مصرع یوں کیا:

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا ہوں پر اسؔد

"مخطوطے" میں مصرعِ ثانی کو قلمزد کرکے مطلع کا مصرعِ ثانی لکھا گیا ہے۔

جو شہادت اس "مخطوطے" میں الحاقی کلام کی موجودگی کو ثابت کرنے کے لئے پچھلے صفحات میں حقیر کماکل پیش کرچکا ہے (اور آئندہ پیش کرے گا) اس کی بنا پر اس مقطع کو الحاقی قرار دینا چاہیئے کیونکہ مصرعِ اوّل میں ایک لفظ، اور مصرعِ ثانی، اصلاح سے پہلے، پورے کا پورا، میرزا کے معلومہ کلام میں کہیں اور نہیں ہے۔

اسی صفحہ پر غزل ع۳۹ ہے، پہلا مطلع اس میں یوں لکھا ہے:

خلوتِ آبلۂ پا میں ہے، جولاں میرا

خوں ہے کس تنگیٔ وحشت سے بیاباں میرا

گ-م (ص۲۱) پر مصرع ثانی میں "خوں ہے دل تنگیٔ وحشت"... ہے۔ مخطوطے میں دل کی جگہ "کس" کسی شک و شبہ کے بغیر الحاقی لفظ ہے۔ اس کا ثبوت حسنِ مطلع ہے:

ذوقِ سرشار سے بے پردہ ہے طوفاں میرا

موجِ خمیازہ ہے ہر زخم نمایاں میرا

یہ مطلع اس "مخطوطے" میں کیسے ہے، کیونکہ یہ ۱۲۳۷ ہجری کے بعد کی تخلیق ہے۔ اختلافِ نسخ کے تحت عرشی صاحب نے ص۲۳۹ پر جو نشاندہی کی ہے، اس کی رو سے یہ نسخۂ بھوپال کے حاشیے کا شعر ہے۔ مگر لطیف ایڈیشن میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لطیف ایڈیشن میں یہ اطلاع درج نہ ہونے کی وجہ سے "مخطوطہ" مرتب کرنے والے/والوں نے ٹھوکر کھائی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا، کہ "مخطوطے" میں یہ شعر غالب سے منسوب پہلی غیر مردف بیاض سے نہیں، بلکہ لطیف ایڈیشن سے نقل ہوا ہے۔

تیسرا شعر "مخطوطے" میں پہلے یوں لکھا گیا تھا:

حیرتِ نشۂ وحشت نہ بسعیِ دل ہے

عرضِ خمیازۂ مجنوں ہے گریباں میرا

مصرع اوّل میں حیرت کو حسرت بنایا گیا ہے اور اس طرح شعر گ-م کے مطابق ہو گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے، کہ میرزا حسرت کو حیرت لکھتے ہی کیوں۔ "مخطوطے" میں متعدد جگہوں پر حیرت اور حسرت کو خلط ملط کیا گیا ہے۔ اور اس طرح "ابتدائی" قرأت دکھانے کی طفلانہ کوشش کی گئی ہے۔ یہ بات باور نہیں کی جا سکتی، کہ میرزا کئی مقامات پر ایک کی جگہ دوسرا ہم قافیہ لفظ لکھتے، چاہے وہ "قافیہ" نہ بھی ہو۔

ساتواں شعر "مخطوطے" میں اگلے ورق پر یوں ہے:

بے دماغِ تپشِ رشک ہوں اے جلوہ بساط
تشنۂ خونِ دل و دیدہ ہے پیماں میرا

گ‌ـ‌م میں مصرعِ اوّل کے آخر میں "جلوۂ حسن" ہے اور وہی درست ہے۔ "جلوہ بساط" جسے نستعلیق خواندگی میں، الف میں "جلوۂ بساط" پڑھا گیا ہے۔ سراسر الحاقی ترکیب ہے، اور یہاں بے معنی ہے۔ حاشیۂ نسخۂ بھوپال کا شعر اس غزل میں موجود ہونے سے یہ بات ثابت ہے، کہ "مخطوطے" میں الحاقی الفاظ موجود ہیں۔

نواں شعر "مخطوطے" میں یوں لکھا ہے:

ہوسِ دردِ سرِ اہلِ سلامت تا چند
مشکلِ عشق ہوں مطلب نہیں آساں میرا

گ‌ـ‌م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے پہلا مصرع یوں ہے:

بہوس دردِ سرِ اہلِ سلامت تا چند

ظاہر ہے، "مخطوطے" کے ناقل سے غلطی ہوئی ہے اور "بہوس" کو "ہوس" لکھ گیا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ اُس نے سٓ کو کسرۂ اضافت کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کی ہو۔ مصرع اس اضافت سے موزوں تو ہو گا، لیکن شعر کے معنی بدل جائیں گے۔

اس قسم کی کئی اصلاحیں "مخطوطے" میں دکھائی گئی ہیں، جن سے شعر کے معنی بدل گئے ہیں۔ لمال یہ عرض کرنا چاہتا ہے، نہ شاعر اپنے کلام پر نظرِ ثانی کرتا ہے، تو ایسی اصلاح کرتا ہے، کہ خیال اور اُجاگر ہو جائے، ایسی اصلاح نہیں کرتا ہے، یا شاذ و نادر کرتا ہے، جس سے خیال بدل جائے۔ ایسی اصلاحیں تو اساتذہ شاگردوں کے کلام پر کرتے تھے۔

مقطع میں ایک بڑی پُر لطف بات ہے۔ گ‌ـ‌م میں مقطع یوں ہے:

بوئے یوسف مجھے گلزار سے آتی تھی اسد
دی نے برباد کیا پیرہنستاں میرا

حقیر کماں کا خیال ہے، کہ مصرعِ ثانی کا پہلا لفظ طباعت کی غلطی کا شکار ہوگیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ غلطی نسخۂ عرشی کے مصدر نسخوں میں بھی ہو۔ یہ لفظ دَی (یعنی گذری ہوئی شب) یا دَے (ایران کا ایک شمسی مہینہ) نہیں ہے۔ دَی کے یہاں کوئی معنی نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے نہ صرف دوسرا مصرع، بلکہ شعر مہمل ہو جاتا ہے۔ نسخۂ عرشی کے غلط نامے میں اس غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔

["مخطوطے" کا بلیو پرنٹ بنانے والوں کی بھی سمجھ میں یہ شعر نہیں آیا، تو انھوں نے اس لفظ کی جگہ کس لکھوا دیا۔ لیکن یہ سراسر الحاقی لفظ ہے، کیونکہ اگر ابتدائی قرأت میں میرزا نے کس لکھا ہوتا تو وہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں برقرار رہتا]

حقیر کماں کا خیال ہے، کہ یہ لفظ "وے" ہے۔ ہندی وَے (وہ کی جمع) نہیں، بلکہ فارسی لفظ وے ہے۔ جس کے معنی ہیں، اُس جیسا، اُس جیسے۔

وہ لطف کی بات تو رہ ہی گئی۔ نثار احمد فاروقی کی سمجھ میں پیرہن سے پیرہنستاں نہیں آیا۔ انھوں نے پیر الگ اور ہنستاں الگ پڑھا اور "ہنستاں" ہُن "(عورتوں کی جماعت) سے بنایا۔ یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آئی، کہ عورتوں کی جماعت کے ساتھ "ستاں" لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر پیر کا ملکے لیے پیر مقرر کرنا کیا ضرور تھا۔ بہرکیف نثار احمد فاروقی نے ایسا ہی سمجھا تھا۔ اس کا ثبوت مستعیذ خواندگی (جو ذالف میں) موجود ہے۔ جہاں "پیرہنستاں" پیر اور ہنستاں نے درمیان اضافت کے ساتھ لکھا ہے۔ ناقابلِ قیاس بات نہیں، کہ "مخطوطے" کا بلیو پرنٹ تیار کرنے والے نے بھی "پیرہنستاں" ہی پڑھا ہو۔ پھر بیدل رنگ کا کلام سمجھ کر اس پر اصلاح کئے بغیر یونہی لکھوا دیا۔ سچ تو یہ ہے، کہ "مخطوطے" میں "پیرہنستاں" نہیں لکھوایا گیا۔

اگلی غزل کے مطالعے سے پہلے حقیر کماں ایک بار پھر عرض کرنا چاہتا ہے، کہ "مخطوطے" میں غزل کا دوسرا مطلع نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر ہے۔ حاشیے پر جو کلام اضافہ ہوا ہے۔ اس کے بارے میں عرشی صاحب نے ان کے دیباچے میں تحریر فرمایا ہے۔ "میرزا صاحب نے نسخۂ بھوپال کے متن کی اکثر غزلوں میں ۱۲۳۷ھ کے بعد نئے شعر بڑھائے تھے۔ اِن اشعار کو مذکورہ غزلوں سے جدا کرکے اُن کی تاریخی حیثیت برقرار رکھنے کی جرأت نہیں کی۔ کیونکہ اس طرح غزلوں کے ٹکڑے ہو جاتے۔ ہاں انھیں دوسرے اشعار سے ممتاز ضرور کر دیا ہے۔ اور اس غرض کے لیے ان کا نمبر شعر کے محاذی بنا دیا ہے۔"

نیز وہ بالا مطلع کے محاذ میں پہلو ایک چھوٹا سا دائرہ ہے، گویا یہ ۱۲۳۷ھ کے بعد کا کلام ہے۔

مطلع بیاضِ غالب "بخطِ غالب" میں موجود ہے، جس کی کتابت ۱۲۳۱ ہجری میں مکمل ہونا بتائی جاتی ہے۔ اور جو نسخۂ بھوپال کا پیش رو ہے۔
یہ ناقابلِ تردید ثبوت ہے، اس نسخے کے بخطِ غالب نہ ہونے کا، کیونکہ اس میں ۱۲۳۷ھ یا اس کے بعد کا کلام شامل ہے۔
الف کے ورق ۱۱ ب اور عین کے ص۲۳ پر غزل ۴۰ ہے بشمولِ مطلع و مقطع چھ شعر ہیں۔ جو نسخۂ بھوپال کے حوالے سے گ۔م میں ص۳۰ پر درج ہیں۔ دوسرا شعر مخطوطے میں یوں ہے:

ہوا نہ مجھ سے بجز ۔۔ د حاصلِ صیاد

برنگِ اشک گرفتارِ چشمِ دام رہا

نسخۂ بھوپال میں، مصرع ثانی میں "بسانِ اشک" ہے۔ اور یہی اس کی پہلی قرأت زیادہ قرینِ قیاس ہے۔
اسی طرح مقطع نسخۂ بھوپال میں یوں ہے:

نہ پوچھ حال شب و روزِ ہجر کا غالب

خیالِ زلف و رخِ دوست صبح و شام رہا

"مخطوطے" کے متن میں غالب تخلص کا مقطع دکھایا نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اس مجہول "مخطوطے" سے یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ ۱۲۳۱ھ میں یہ "بیاض" لکھنے کے بعد غالب تخلص اختیار کیا گیا۔ چنانچہ اصلاح کے ذریعے سے پہلا مصرع یوں بنایا گیا:

اسد نہ پوچھ شب و روزِ ہجر کا احوال

میرزا کو اسد تخلص سے چڑ تو تھی نہیں۔ اگر انھوں نے اسد تخلص کا مقطع لکھا ہوتا، تو وہ اس کو بدلتے کیوں؟ دوسری بات یہ ہے کہ نسخۂ بھوپال کے حاشیے کا کلام جو ۱۲۳۷ ہجری کے بعد کا ہے، وہ تو متن میں موجود ہے، لیکن غالب تخلص کا مقطع متن میں ایک بھی نہیں لکھا گیا! یہ سراسر الحاق صریح ہے۔
الف کے ورق ۱۱ ب اور عین کے ص۲۳ پر غزل ۴۱ ہے، جس میں چار شعر بشمولِ مطلع و مقطع ہیں۔
یہ غزل قلمزد نہیں ہے۔ اس کے باوجود غالب کے کسی نسخے اخط میں اس کا نشان نہیں ہے۔ یہ نو دریافت غزل غالب کی اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اس میں "ہالے" کی گردان ہے۔ ذرا مطلع ملاحظہ فرمایئے۔

خط جو رُخ پر جانشینِ ہالۂ مہ ہوگیا

ہالہ دودِ شعلۂ جوّالۂ مہ ہوگیا

مہر کی گرمی ماہ میں غالبؔ نے تو کبھی نہیں دیکھی۔ غالبؔ کے نام پر شعر گڑھنے والوں نے ایک بے ہودہ مضمون مہمل زبان میں موزوں کر کے غالبؔ کے سر منڈھ دیا۔

دوسرا شعر ملاحظہ فرمایئے:

حلقۂ گیسو کھلا دورِ خطِ رخسار پر

ہالۂ دیگر بگردِ ہالۂ مہ ہوگیا

ٹھیک ہے غالبؔ نے کہا تھا:

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا

یہ زمرّد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

یہ کیا بات ہوئی کہ چار شعروں کی غزل میں دو شعر داڑھی مونچھ کے بنا دیں۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ "نو دریافت" کلام برآمد کرنے کی دھن میں غالبؔ کے نام پر شعر گڑھنے والوں کو ہالہ ہی نظر آیا۔ الف کے ورق ۹ ب اور عین کے ص ۱۸ پر جو "نو دریافت" غزل برآمد کی گئی ہے، وہ بھی قلمزد نہیں ہے۔ اور اس میں بھی ہالہ ہے۔

وہ فلک رتبہ کہ بر توسنِ چالاک چڑھا

ماہ پر ہالہ صفت حلقۂ فتراک چڑھا

سوال یہ ہے کہ یہ غزل قلمزد نہ ہونے کے باوجود نو دریافت کیوں ہے؟ یہ دوسرے نسخوں میں نقل کیوں نہیں کی گئی۔ اور نقل نہیں کی گئی، تو نقل کرتے وقت اس مخطوطے سے کاٹی کیوں نہیں گئی۔ ان سوالوں کا ایک ہی تشفی بخش جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نہ یہ مخطوطہ بخطِ غالبؔ ہے اور نہ یہ غزل غالبؔ کی تصنیف ہے۔

الف کے ورق ۱۲ الف اور عین کے ص ۲۳ پر غزل ۴۲ کے ۶ شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال

حوالے سے گ۔م میں ص۲۷ اور ص۲۸ پر درج ہے۔ تیسرا شعر مخطوطے میں یوں لکھا ہے:

بسکہ آئینے نے پایا گرمیِ رخ سے گداز
دامنِ تمثال برگِ گل صفت تر ہو گیا

میرزا تو ترکیبوں کے بادشاہ تھے۔ وہ "برگ گل صفت" لکھتے؟ "صفتِ برگِ گل" اگر بحر میں آسکتا، تو بھی وہ نہیں لکھتے، کیونکہ یہ صفت کا محل نہیں ہے۔ میرزا نے ابتدا میں بھی وہی لکھا ہوگا، جو نسخۂ بھوپال میں ہے:

دامنِ تمثال مثلِ برگِ گل تر ہو گیا

اسی غزل کا مقطع ہے:

حیرتِ اندازِ رہبر ہے عناں گیر لئے اسدؔ
نقشِ پائے خضر یاں سدِّ سکندر ہو گیا

اضافتیں اور تشدید اور اسدؔ وغیرہ — یہ چیزیں ہر جگہ نہیں ملتیں، اسلئے ان کی تلاش فضول ہے، لیکن اِس شعر کی کتابت میں ایک بھونڈی غلطی ہو گئی ہے۔ شعر یوں لکھا ہے:

حیرت انداز رہبر ہے عناگیر اسے
نقشپاے خضر یہاں سد سکندر ہوگیا

یہ ٹھیک ہے، کہ غالبؔ الفاظ ملاکر لکھا کرتے تھے، لیکن نقش اور پائے خضر کے درمیان بھی اضافت کا رشتہ ہے، اسلئے "نقشپائے" ملاکر نہیں لکھا جاسکتا۔ غالبؔ یہ غلطی نہیں کرسکتے تھے۔

غالبؔ الفاظ کو بلا وجہ ملاکر لکھنے کے عادی تھے، جن لوگوں نے غالبؔ کی تحریریں دیکھی ہیں۔ اُن کو اِس بارے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ البتہ مالک رام صاحب غالبؔ کی اس عادت سے واقف نہیں ہیں۔ شاید موصوف کو غالبؔ کی تحریریں توجہ سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اپنی تالیف [دیوانِ غالبؔ] میں جس پر موصوف نے نظرِ ثانی بھی فرمائی ہے۔

اور جو آزاد کتاب گھر دلی سے شائع ہوا ہے۔ مقدمے میں (ص۲۳) پر تحریر فرماتے ہیں:

" یہ ایڈیشن جولائی اگست ۱۸۶۱ء میں مطبع سے باہر آیا تھا۔ اس میں (۱۷۹۶) شعر ہیں۔ یہ ۲۵ سطری سطر پر لکھا گیا ہے، کتابت گنجان ہے۔ جہاں ایک غزل ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد ایک سطر کی جگہ خالی چھوڑ کر دوسری غزل شروع کر دی ہے۔ صرف ایک جگہ صفحہ ۹ پر غزل کے آغاز میں لفظ "غزل" بھی لکھا ہے۔ باقی سارے دیوان میں محض خالی جگہ چھوڑ دینے پر اکتفا کی گئی ہے۔ جہاں ایک ردیف ختم ہو کے دوسری شروع ہوتی ہے۔ وہاں بھی کسی قسم کی عبارت نہیں ملتی۔ کاتب اگر چہ بدخط نہیں، لیکن بے حد غلط نویس ہے اور اس پر طرہ یہ کہ اسے لفظوں کو ملا کر لکھنے کا جنون ہے۔ بے تکلف ان لفظوں کو بھی ملا کر لکھا جاتا ہے، جن کے جمع کرنے کا رواج نہیں مثلاً یہاںتلک، آنکھوںنے، گلشنمیں، روزنمیں، وصلمیں، بیجاصلمیں وغیرہ"

معلوم ہوتا ہے۔ یہ منسوبہ دیوانِ غالب بخط غالب، جناب مالک رام کے اس بیان کو سامنے رکھ کر تیار کروایا گیا ہے۔ چنانچہ الف کے ورق ۲ الف اور عین کے ص۳ پر "استقبال" کے ساتوں حرف ملا کر لکھے ہوئے ہیں۔ بیاض کے پہلے صفحے پر ابجد کے پانچوں حرف ملا کر لکھے گئے ہیں۔

الف کے ورق ۱۰ الف اور عین کے ص۱۹ پر "سیلاب" کے پانچوں حرف ملے ہوئے ہیں۔

الف کے ورق ۱۱ الف اور عین کے ص۲۱ پر "شش جہت" کے تمام حروف ملے ہوئے ہیں۔

سارے نسخے میں اس طرح کی مثالیں بکھری ہوئی ہیں۔ اور مقدمے میں دیوان کے کاتب کو مجہول قرار دینے کے باوجود مالک رام صاحب کو اس بات پر اصرار ہے، کہ یہ مجہول نسخہ غالب کے قلم کا ہے۔ شاید وہ "مقدمے" میں اپنے بیان پر نظر ثانی فرمانا چاہیں۔

جناب مالک رام کو اس بات پر اعتراض تھا، کہ کاتب نے اپنے جنون میں یہاںتلک، آنکھوںنے، گلشنمیں، روزنمیں، وصلمیں، بیجاصلمیں وغیرہ الفاظ حروف ملا کر لکھ دیئے تھے:

"مرقع غالب" (مرتبہ صلاح الدین)، کے صفحہ پر غالب کے ہاتھ کی لکھی ایک غزل کا عکس ہے، ایک شعر اس طرح لکھا ہے:

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوسے کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

"مرقع غالب" میں غالب کے خطوط، والیانِ رام پور اور دوسرے لوگوں کے نام، انھیں کی تحریریں، فوٹو آفسٹ کے عمل سے پیش کئے گئے ہیں۔ جو لفظ ملا کر لکھے گئے ہیں۔ ان میں کچھ یہ ہیں:-

۱۔ زمانیکا	(زمانے کا)	۷ نومبر ۱۸۵۹ء
۲۔ نکہوں	(نہ کہوں)	۸ دسمبر ۱۸۵۹ء
۳۔ بہجدیجیگا	(بھیج دیجئے گا)	〃 〃
۴۔ جلابیجیگا	(جلا بھیجئے گا)	〃 〃
۵۔ پنسنداروں کا	(پنشن داروں کا)	۲۳ اپریل ۱۸۶۵ء
۶۔ یہانسے	(یہاں سے)	〃 〃
۷۔ شادیونمیں	(شادیوں میں)	۶ محرم الحرام ۱۲۷۸ ہجری
۸۔ بگیصاحبہ	(بیگم صاحبہ)	۱۳ رمضان ۱۲۷۵ ہجری
۹۔ دودمانیکا	(دودمانی کا)	۷ نومبر ۱۸۵۹ء
۱۰۔ غزلونمیں	(غزلوں میں)	۳ دسمبر ۱۸۵۸ء
۱۱۔ دیوانمیں	(دیوان میں)	〃 〃
۱۲۔ غالبکو	(غالب کو)	۱۱ اگست ۱۸۶۵ء
۱۳۔ حضرتکی	(حضرت کے)	یکم محرم الحرام ۱۲۸۲ ہجری
۱۴۔ دشمنکو	(دشمن کو)	۱۲ اگست ۱۸۶۵ء
۱۵۔ نشینونکی	(نشینوں کے)	۲۶ جنوری ۱۸۶۷ء

مثالیں اور بھی ہیں۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے، کہ غالب حروف ملا کر لکھتے تھے۔ لیکن یہ بات شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہے، کہ جناب مالک رام غالب کے طرزِ تحریر یا انکے اندازِ قلم سے واقف ہیں۔ غالب کی عادت سے وہ لوگ زیادہ باخبر ہیں، جنھوں نے یہ "مخطوطہ" تیار کروایا۔ لیکن اُن سے کچھ غلطیاں ہو گئی ہیں۔ جیسے "نقش پا" کے سارے حروف ملوا کر لکھوا دیئے۔ غالب کبھی ایسے دو لفظوں کو ملا کر نہیں لکھ سکتے تھے۔ جن میں اضافت کا رشتہ ہو، ایک بار پھر غزل نمبر ۴۲ کا مقطع ملاحظہ فرمائیے، جو یوں لکھا ہے:-

حیرت انداز رہبر ہے عنانگیر اسے
نقشپاے خضریہاں سدِ سکندر ہو گیا۔

غالب یاں کو یہاں لکھتے تھے۔ اسکا تلفظ یہاں کرتے تھے۔ "مخطوطے" میں یہاں میں جہاں ہ کا شوشہ ہے۔ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ روشنائی کی بوند گر گئی ہے۔ دراصل یہ بوند بڑی حرفت سے گرائی گئی ہے۔ کاتب نے یہ شعر جس نسخے سے نقل کیا تھا، اس میں "یاں" لکھا ہوا تھا۔ کاتب نے بھی یاں ہی لکھ دیا۔ چنانچہ یاں کو یہاں بنوایا گیا اور چونکہ یہ اصلاح نہیں تھی۔ اور اس سے یہ راز فاش ہونے کا اندیشہ تھا اسلئے روشنائی کی بوند گرانے کی ٹکنیک سے کام لیا گیا۔ اس روشنائی کی بوند کا جواز پیدا کرنے کے لئے ایک بوند اسی صفحے پر اگلے کالم میں "صحرا" پر بھی گرائی گئی۔ لیکن صرف الف میں۔

الف کے ورق ۱۲ الف اور عین کے ص۲۳ پر جو فرق ہے، وہ چھان بین کا تقاضہ کرتا ہے۔

۱۔ الف میں یہاں پر زیادہ روشنائی ہے اور ہ کا شوشہ چھپا ہوا ہے۔

۲۔ عین میں روشنائی کی بوند کو چھیل کر ایڈیٹ کیا گیا ہے، اور شوشہ زیادہ واضح ہے۔

۳۔ عین میں "صحرا" صاف ہے۔ روشنائی کی بوند کھرچ کر صفحے سے ہٹادی گئی ہے۔ یا اس پر سفید رنگ لگایا گیا ہے دونوں صورتوں میں یہ تحریف ہے۔ اس حقیر کمال کو تو یہ شک بھی ہے، کہ قافیہ غبار اور ردیف صحرا دوبارہ لکھے گئے ہیں۔ خط وہی ہے، لیکن الفاظ میں بہت خفیف سا فرق ہے۔

سوال یہ ہے، کہ جب نقوش لاہور کے لیے "مخطوطے" کا مائکروفلم پاکستان بھیجا گیا، تو اس وقت روشنائی کے یہ دھبے تھے۔ عین کی اشاعت کے وقت یہ دھبے کیسے غائب ہو گئے؟ غبار اور صحرا، اسی انداز میں دوبارہ لکھوانا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے، کہ "مخطوطے" کو خطِ غالب تسلیم کرنے میں اس عجلت سے کام نہیں لینا چاہئیے تھا، جو اس سلسلے میں بعض غالب شناسوں" سے سرزد ہوئی۔ یہ تحریفیں اس نسخے کے بہ خطِ غالب نہ ہونے کا ایک اور ثبوت ہیں:

اسی صفحے پر یعنی الف کے ورق ۱۲ الف اور عین کے ص۲۳ پر ایک اور غزل ع۴۳ ہے۔ "مخطوطے" میں اس غزل کا تیسرا شعر توجہ چاہتا ہے۔

اے آبلہ کرم کر، یہاں رنجہ نہ قدم کر
اے نورِ چشمِ مجنوں لے یادگارِ صحرا

تو پچھلی غزل کے تیسرے شعر میں جب "آئینے" کو "آینہ" نہیں لکھا گیا۔ تو اس سے یہ بات

تو بہر حال ثابت ہوتی کہ جہاں سے وہ شعر نقل کیا گیا تھا، وہاں "آئینے" تھا۔ یعنی میرزا املا کے سلسلے میں یہ اصول اپنا چکے تھے کہ لفظ کی صوتی شکل تحریر میں آئے، اگر یہ مخطوطہ بخطِ غالب ہوتا، تو پچھلی غزل میں "آئینے" ہونے کے ساتھ ساتھ مندرجہ بالا شعر کے مصرعِ اول میں "آبلہ" نہیں، بلکہ "آبلے" لکھا ہوتا۔

اختلافِ نسخ کے باب میں ن ح میں عرشی صاحب نے جو معلومات اس غزل کے سلسلے میں ص ۱۷۳ پر فراہم کی ہیں، اُن کی رُو سے نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل میں "اک قدم" یا "ایک قدم" لکھا ہوگا۔ (شاید ایک کو اک بولتے تھے) "یک قدم" نسخۂ شیرانی میں لکھا گیا ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کی قرأت کیسے در آئی؟ یہ ایک واضح ثبوت اس بات کا ہے، کہ "مخطوطہ" جعلی ہے۔

مصرعِ ثانی میں "نورِ چشمِ مجنوں" کی ترکیب محلِ نظر ہے، "نورِ چشمِ مجنوں" تو مجنوں کا بیٹا ہوا۔ اور وہی "یادگارِ صحرا" بھی قرار پائے گا۔ لہٰذا دوسرے مصرع میں "مجنوں" صاحبِ مخطوطہ کی تحریف ہے۔ ن ح میں یہ شعر یوں ہے:

اے آبلے کرم کر، یاں رنجہ اک قدم کر
اے نورِ چشمِ وحشت، اے یادگارِ صحرا

"مخطوطے" میں پانچواں شعر یوں "بخطِ غالب" لکھا ہوا ہے:

ہر ذرہ یک دلِ پاک آئینۂ خانہ خاک
تمثالِ شوقِ بیباک صد جا دوچار صحرا

مصرعِ اوّل میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ "آئینہ خانۂ خاک" کو "آئینۂ خانہ خاک" لکھا گیا ہے۔ اگر یہ میرزا کے قلم کی لغزش ہوتی، تو نظرِ ثانی کے وقت اسے ٹھیک کیا گیا ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں "آئینہ خانۂ خاک" نہیں ہے، بلکہ "آئینہ خانہ ہے خاک" لکھا ہے۔ ن ح میں یہ مصرع نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یوں نقل ہوا ہے:

ہر ذرہ یک دلِ پاک، آئینہ خانہ ہے خاک

اختلافِ نسخ کے باب میں عرشی صاحب نے اس بات کی نشاندہی کی ہے، کہ نسخۂ حمیدیہ میں

"خانۂ غالب" ہے۔ نسخۂ حمیدیہ کی ترتیب / طباعت کا سال ۱۳۴۷ ہجری (۱۹۲۸ء) ہے۔ "مخطوطہ" اگر ۱۲۳۱ ہجری میں مکمل ہوا تھا، تو اس میں نسخۂ بھوپال (۱۲۳۷ ہجری) اور نسخۂ شیرانی (۱۲۴۲ ہجری) کی قرأت ہونی چاہیے۔ ایک سو سولہ برس کے بعد کے نسخے کی قرأت اس میں کیسے ہے۔ ایک صدی بعد کے نسخوں کی کتابت کی غلطیاں اس "مخطوطے" میں کیوں ہیں جسکو بخط غالب بتایا جاتا ہے (اس بات کی نہ تو کوئی معقول توجیہ ہو سکتی ہے۔ نہ دوسری توجیہ ہو سکتی ہے سوائے ایک کے) ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ یہ "مخطوطہ" بخط غالب نہیں ہے، کیونکہ بیسویں صدی کی پچھلی دہائی میں لکھا گیا ہے۔
مخطوطے کے ورق ۱۲ ب اور متن کے صفحہ ۲۴ پر غالب کی ایک ... اور "نو دریافت" غزل ہے، یہ شاہکار دریافت ملاحظہ فرمائیے:

دلِ بیتاب کہ سینے میں دمِ چند رہا
ہمدمِ چند، گرفتارِ غمِ چند رہا

زندگی سے ہوئے ناکام نفس چند تمام
کوچۂ یار ہو ... چند رہا

کلمہ گو ہیں نہ آئے شکوۂ بیداد ستم
... توڑ کے عاجز ... چند رہا

الفت زر میں یہ نقصان ہے کہ آخر تا روز
زیر بارِ غم دام و درمِ چند رہا

عمر بھر ہوش نہ یکجا ہوئے میرے لا مد
... پراگندہ رو ... صنم چند رہا

اس غزل میں اسد تخلص دال المقطع ہے، اور واقعی یہ غزل اسد کی ہے، لیکن وہ اسد میرزا اسد اللہ خاں غالب نہیں ہیں۔ یہ غزل اسد میر امانی کی ہے، جن کا انتقال غالب کے پیدا ہونے

سے پہلے ہو چکا تھا۔ یہ وہی میرامانی اسد ہیں، جن کا یہ مطلع ہے:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

یہی مطلع جب میرزا سے منسوب کیا گیا تھا، تو انھیں بڑا غصہ آیا تھا۔ چنانچہ قاضی عبدالجلیل کو ایک خط میں میرزا نے لکھا ...... "میں نے سُن کر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مطلع ہے، اُس پر بقول اُسکے رحمت خدا کی۔ اور اگر میرا ہو، تو مجھ پر لعنت"۔

نصراللہ خاں خویشگی نے ایک تذکرہ "گلشنِ ہمیشہ بہار" لکھا تھا۔ اسکے ترقیمے کی عبارت سے ظاہر ہے، کہ یہ ۲۲ رجب المرجب ۱۲۷۰ ہجری کو اختتام پذیر ہوا تھا۔ یہ تذکرہ غالب کی زندگی میں اس وقت شائع ہوا تھا، جب غالب کے شاگرد سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔
قیاس چاہتا ہے کہ یہ تذکرہ غالب کی نظر سے بھی گذرا ہوگا، اور اُنکے شاگردوں نے بھی اسے پڑھا ہوگا۔ خاص طور سے شیفتہ نے۔ یہ بات نہیں مانی جا سکتی کہ کسی نے بھی غالب کی غزل کے اسد میرامانی سے منسوب ہونے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ آج سے ایک صدی پہلے کتنی کتابیں شائع ہوتی تھیں؟ اسوقت غالب ایسے شخص کے بارے میں یہ سوچنا، کہ انھوں نے یہ تذکرہ نہیں پڑھا ہوگا، سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ سوال یہ ہے، کہ اگر یہ غزل میرزا غالب کے منسوخ کلام کا حصہ تھی۔ تو نصراللہ خاں خویشگی کو کیسے ہاتھ آئی؟
خویشگی کا یہ تذکرہ (گلشنِ ہمیشہ بہار) ڈاکٹر اسلم فرخی نے ایڈٹ کیا ہے۔ اور انجمن ترقی اردو (کراچی) نے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا ہے۔ ۱۵ پر اسد میرامانی کا ذکر ہے، اور نمونۂ کلام میں یہ غزل چھپی ہے:-

دلِ بیتاب جو سینے میں دمِ چند رہا
بدمِ چند، گرفتارِ غمِ چند رہا
زندگی ہو گئی ناگہ(؟) سبب چند تمام
کوچۂ یار جو ہم سے قدمِ چند رہا
[illegible] کا میں نہ آتے شکوۂ ہجراں [illegible]
تا بدم توڑ کے [illegible] سلیم [illegible] بند رہا

الفتِ زرہی کے نقصان میں اخرِ قارون
زیرِ بارِ غم دام و درم چند رہا
عمر بھر ہوش نہ یکجا ہوئے میرے کہ اسد
میں پرستندۂ روئے صنم چند رہا

اب ذرا اسد میر امانی کی اس غزل کے میرزا اسد اللہ خاں غالب کی غزل بننے کی داستان بھی سن لیجیے۔ انجمن ترقی اردو کے ہفت روزہ "ہماری زبان" (علیگڈھ) میں ایک خمسہ شائع ہوا تھا۔ "تبرکاتِ غالب" کے تحت قاضی معراج دھولپوری نے یہ خمسہ "ہماری زبان" کو بھیجا تھا۔ یہ خمسہ انھوں نے ایک "مخطوطے" "باغِ مہر" میں دیکھا، جو خمسہ میاں ہدایت علی و غزل اسد کے عنوان کے تحت تھا۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہر بند کے پہلے تین تین مصرعے چھوڑ دیئے گئے۔ اور آخری دو مصرعوں سے غزل حاصل کر لی گئی، جس میں اسد تخلص کا مقطع بھی تھا۔ اب اس میں اصلاحیں فرما کر غزل کا نقشِ اوّل تیار کیا گیا۔ (ستم ظریفوں نے اس میں اصلاحیں کر دیں)
وہ تو خیریت ہوئی، کہ اسد اور غالب تخلص کرنے والے اور شاعروں کا کلام خمسوں کی صورت میں دستیاب نہیں ہوا۔ ورنہ انکا کلام بھی اس "مخطوطے" میں غالب کی تحریر میں پایا جاتا۔
الف اور عین میں میر امانی اسد کی غزل کی موجودگی اس "نسخے" کو مشکوک ہی نہیں، غیر معتبر اور جعلی دستاویز بنا دیتی ہے۔ ہو سکتا ہے، کچھ "غالب شناس" جو غالب شناسی کے زیادہ بلند منصب فائز ہیں۔ اس غزل کو میرزا اسد اللہ خاں غالب کی غزل مان کر، خویشگی کے بیان کو غلط قرار دیں اور ثبوت میں یہ مجہول نسخہ پیش کریں۔

پس نوشت

یہ کم سواد یہ کتاب مکمل کر چکا تھا، تو "ہماری زبان" (علیگڈھ) میں اس موضوع پر محمد انصار اللہ صاحب کے مضامین، اور دوسرے اہلِ علم حضرات کے مراسلات شائع ہوئے۔ اس کام میں منہمک ہونے کی وجہ سے اخبار اور جریدے دیکھنے کی کبھی مہلت نہ ملی۔ اکتوبر (۱۹۷۰) میں محبّی ڈاکٹر وحید اختر کشمیر آئے، تو ان سے اس سلسلے میں بات چیت ہوئی۔ انھوں نے ان مضامین کا ذکر کیا۔ محبّی شمیم احمد شمیم کو ابتدا ہی سے اس کام سے دلچسپی تھی۔ ایک روز صبح چار بجے انھوں نے "ہماری زبان" کے وہ شمارے لا دیئے، جنھیں اس موضوع پر مضامین شائع ہوئے تھے۔ انھیں پڑھ کر اطمینان ہوا کہ

اہلِ علم نے اس مخطوطے کو آنکھیں بند کر کے کھرا تسلیم نہیں کیا۔ نکات وہی ہیں، جن تک حقیر کمال پہنچا ہے۔ میرا بانی اسد کے بارے میں جو باتیں علم میں نہیں تھیں، اور جو محمد انصار اللہ صاحب نے یکم نومبر کے شمارے میں لکھی ہیں۔ وہ شکریہ کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں۔

اقتباس شروع

اس غزل پر ہدایت علی نے خمسہ لکھا۔ ہدایت کی بابت محسن نے لکھا ہے، کہ وہ شاعرِ زمانۂ ماضیہ تھا۔ (سراپا سخن ص۹۲) علی ابراہیم خاں خلیل اور میرزا علی لطف ان کو شیخ قدرت اللہ قدرت متوفی ۱۱۹۱ھ کا معاصر بتاتے ہیں۔ (گلزارِ ابراہیم ص۲۵۹ گلشن ہند) مصحفی کا کہنا ہے، کہ وہ میر و مرزا کے معاصر اور خواجہ میر درد کے شاگرد اور مرید تھے۔ (تذکرۂ ہندی ص۲۷۱)

خود ہدایت نے کہا ہے:-

ہدایت اپنا وطن کسکو خوش نہیں آتا

پر آہ کیا کرے اب کوئی مرضیٔ رب کو

ہزار حیف کہ دلی سا شہر ویراں کر

کیا ہے یاروں نے آباد ملکِ پورب کو

شیفتہ کا قول ہے، کہ ۱۲۱۵ھ میں ہدایت کا انتقال ہوا۔ (گلشنِ بیخار ص۲۴) اس وقت میرزا اسداللہ خاں غالب کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ اگر غزل کا کہنا، اس پر ہدایت کا خمسہ لکھنا، اور پھر ہدایت کا انتقال، سب اسی سال کے واقعات ہوں۔ تو بھی یہ غزل میرزا اسداللہ خاں غالب کی نہیں ہو سکتی۔

ہدایت کا خمسۂ مذکور "ہماری زبان" کے صفحات پر سب سے پہلے قاضی معراج دھولپوری نے یکم اگست ۱۹۶۱ء کو (پیش) کیا تھا۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں:-

"خاکسار کے کتب خانے میں 'باغ مہر' نامی ایک قلمی نسخہ تقریباً سو سال پرانا ہے...... غالب کی دو غزلیں اس میں ایسی ہیں، جو ابھی تک اور کہیں میری نظر سے نہیں گذریں۔ ایک کی تخمیس میاں ہدایت نے کی اور یہ بھی اسی مجموعے میں شامل ہے...... اس پر

چوتھا اور پانچواں مصرعہ مرزا نوشہ کا نتیجۂ فکر اور بقیہ متن مصرعے ہدایت کے ہیں۔ عنوان اس کا
خمسہ میاجی ہدایت علی و غزل اسد سرخی سے درج ہے . . . .
"باغِ مہر" کے مولف میر مہر علی اکبرآبادی ہیں، اختتامِ کتابت کی تاریخ ۷ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ مطابق
۱۵ اگست ۱۸۶۱ روز پنجشنبہ درج ہے۔"

اس غزل کو قاضی صاحب نے مرزا نوشہ متخلص بہ غالب سے بغیر کسی ثبوت کے منسوب کر دیا۔ اور اسے "تبرکاتِ غالب" میں شامل کر لیا، حالانکہ خمسہ کا عنوان خود اس بات پر مظہر ہے، کہ کتاب کے مؤلف کے نزدیک بھی میرزا اسد اللہ خاں متخلص بہ اسد و غالب سے مختلف شاعر ہے۔ اس کا نام ہمیں نصر اللہ خاں خویشگی کے تذکرے (مولفہ ۱۲۵۷ھ) سے معلوم ہوتا ہے، جس میں اس کا اندراج اس طور پر ہے (یہاں ڈاکٹر اسلم فرخی کے ایڈٹ کئے ہوئے نسخے کا ہی حوالہ ہے جو یہ حقیر کمال دے چکا ہے۔)

"باغِ مہر" اکبرآباد کے ایک ایسے شخص نے تالیف کی، اور اس زمانے میں تالیف کی، جب مرزا اسد اللہ خاں غالب کی استادانہ اور شاعرانہ حیثیت ہر طرف مسلم ہو چکی تھی، وطن کا تعلق عقیدت کا سبب بھی ہوتا ہے بخوبی ممکن ہے، کہ اس کے مولف نے اپنی کتاب کسی نہ کسی صورت سے مرزا کی نظر سے گذارنے کی کوشش کی ہو۔ ڈپٹی نصر اللہ خان نے اپنا تذکرہ شیفتہ کے تذکرے کے جواب میں لکھا تھا۔ غالب کی نظر سے اس کا گذرنا ناقابل قیاس نہیں۔ یہ تذکرہ ۱۲۷۰ھ میں چھپ گیا تھا۔ (ممکن ہے، اس سے پہلے بھی چھپا ہو، جس کا ہمیں علم نہیں۔) مرزا اسد اللہ خاں غالب کا حلقۂ احباب و تلامذہ کتنا وسیع تھا، اس کے بیان کی احتیاج نہیں۔ اس کا امکان نہیں کہ ان کی زندگی میں دو مختلف مولف ان کی کسی غزل کو دوسرے شخص سے منسوب کریں اور اس کی انھیں یا ان کے احباب و تلامذہ کو خبر کبھی نہ ہو۔ اگر یہ محض انتساب کی غلطی ہوتی تو میرزا خود یا ان کے احباب و تلامذہ اس کی تردید ضرور کرتے۔

اقتباس ختم

محمد انصار اللہ صاحب کے یہ دلائل جو "ہماری زبان" (علی گڑھ) کی یکم نومبر ۷۶ء کی اشاعت میں شائع ہوئے ہیں، نہایت مضبوط ہیں۔ میں کم سواد نے بھی یہی دلائل پیش کئے تھے، تا ہم اس مسودے کو دیکھ کر مفتی شمیم احمد شمیم نے اپنے ہفتہ وار "آئینہ" سری نگر کی ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں شائع کیا، یہ ان کا خلاصہ ہے شاہ سرخی کے ساتھ:

"بیاضِ غالب بخطِ غالب پر ایک تحقیقی مقالہ کمال احمد صدیقی نے مکمل کر لیا"
شائع کیا، اس خلاصے میں اور نکات کے علاوہ یہ بھی درج تھا۔
ایک غزل جو اس نسخے میں ہے اور جس کا مطلع ہے:

دلِ بیتاب کہ سینے میں دمِ چند رہا
بدمِ چند گرفتارِ غمِ چند رہا

(سہوِ کاتب سے غم کو دم لکھا گیا ہے)

آسد میرامانی، شاگردِ مرزا رفیع سودا کی ہے، اور ایک تذکرے میں میرامانی (آسد) کے کلام کے نمونے کے طور پر موجود ہے۔ جو غالب کی وفات سے سو سال پہلے شائع ہوا تھا، اور یقیناً غالب کی نظر سے گذرا ہوگا۔ یہ وہ زمانہ تھا (۱۸۵۳ء) جب غالب کے شاگرد ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے اور شائع ہونے والی اردو کتابوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ اس تذکرے کا غالب کی نظر سے نہ گذرنا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ آسد میرامانی کی یہ غزل نصراللہ خویشگی کے تذکرے "گلشنِ ہمیشہ بہار" میں ہے، جو ترقیمے کی عبارت کی رو سے ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوا تھا۔
"ہماری زبان" کے یکم نومبر ۷۰ء کے شمارے میں ص۲ پر جو فٹ نوٹ ہے۔ وہ بھی بڑا [illegible]
اس غزل (یعنی آسد میرامانی کی غزل، جو غالب سے منسوب ہوئی ہے) کی بابت
پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب نے لکھا ہے کہ:
تمام قافیوں کے نیچے زیر لگا کر دمِ چند، غمِ چند، قدمِ چند وغیرہ لکھا گیا ہے۔
لیکن میرے خیال میں کسرۂ اضافت کی جگہ یائے تنکیر لکھنا چاہیے، یعنی
دمے چند، غمے چند، قدمے چند وغیرہ۔
(ہماری زبان مورخہ ۲۲ راگست ۱۹۶۱ء)

اس پر قاضی معراج دھولپوری نے لکھا ہے:
غمِ چند، دمِ چند کا املا غمے چند، دمے چند ہی ہونا چاہیئے تھا، [illegible]
پر وقت کوئی توجہ نہیں کی۔ ورنہ شیخ سعدی کے دیرینہ مشہور اشعار ہی اس کے
املا کی رہنمائی کے لئے کافی تھے۔
(ہماری زبان ۲۲ ستمبر ۱۹۶۱ء)

املا کے سلسلے میں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی رائے صائب ہے، اور قولِ فیصل کا حکم رکھتی ہے۔ حقیر کمال اور جناب محمد انصار اللہ نے جو شہادتیں پیش کی ہیں۔ ان کے بعد اس کے بارے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا، کہ یہ غزل اسداللہ خاں اسد و غالب کی نہیں، اسد میرزائی کی ہے۔ بفرضِ محال، یہ غالب ہی کی ہوتی، اور انھوں نے اپنے قلم سے اسے لکھا ہوتا، تو دمِ چند، قدمِ چند نہیں دمے چند، قدمے چند لکھا ہوتا، اس کا املا قطعِ نظر اسکے کہ اس کا مصنف کون ہے۔ اس بات کی دلیل ہے، کہ زیرِ نظر نسخہ غالب کی تحریر میں نہیں ہے۔

جیسا کہ اس مقالے میں مختلف مقامات پر واضح کیا گیا ہے، کسرۂ اضافت اور یائے توحید و تنکیر کی اتنی اور ایسی غلطیاں ہیں کہ غالب کیا، کسی ہندی سے بھی سرزد نہ ہوں۔

کمال

[۷ اور ۸ نومبر کی درمیانی شب]

الف کے ورق ۱۲ اب اور عین کے ص ۲۴ ہی پر غزل ۴۵ ہے، جسکا مطلع ہے:

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہوگئی سناں پیدا

دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

یہ مطلع نواب اعظم الدولہ، میر محمد خاں بہادر سرور کے تذکرے "عمدۂ منتخبہ" میں اسی قرأت سے سانغہ میرزا کے نمونۂ کلام میں درج ہے۔ تذکرۂ سرور کی ابتدا ۱۲۱۵ ہجری میں اور تکمیل ۱۲۲۴ھ میں ہوئی تھی، اسلئے اسے اور دوسرے شعروں کو ۱۲۲۴ ہجری تک کی تخلیق سمجھا جانا چاہیئے۔ "یادگار نالہ" کے باب میں یہ پہلا شعر ہے۔ (نسخۂ عرشی) لیکن پہلا مصرع کچھ مختلف ہے۔ نسخۂ عرشی میں شعر یوں ہے:۔

جگر سے ٹوٹے ہوئے ہوگی ہے سناں پیدا

دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

اس غزل کے باقی چار شعر "نودریافت" ہیں۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے۔ یہ نودریافت اشعار میرزا کے بیدلی رنگ میں ہیں۔ لیکن یہ "رنگ" صرف الفاظ تک محدود ہے۔ ان میں نہ معنی آفرینی ہے۔ اور نہ کوئی خیال ہے۔ اسلئے یہ میرزا کے شعر نہیں ہوسکتے۔

بسانِ سبزہ رگِ خواب ہے زباں ایجاد

کرے ہے خامشیِ احوالِ بیخوداں پیدا

دوسرے مصرع پر اگر مناسب مصرع فراہم کیا جاتا، تو وہ بامعنی ہو سکتا تھا، لیکن
ِ موجودہ صورت میں شعر مہمل ہے، اور اسلئے یہ میرزا کا شعر نہیں ہو سکتا۔

تیسرا شعر ہے:

صفا و شوخی و اندازِ حسن پابہ رکاب

خطِ سیاہ سے ہے گردِ کارواں پیدا

پہلا مصرع میرزا کے رنگ کا نہیں ہے۔ نہ ابتدائی دور میں انھوں نے ایسے
مصرعے کہے اور نہ بعد کے دور میں "پابہ رکاب" کا جو استعمال یہاں ہوا ہے، وہ بھی درست
نہیں ہے۔ پابہ رکاب کا محل یہ ہے، کہ صفا، شوخی اور اندازِ حسن جانے کے لئے تیار ہیں۔
ِ زوال آمادہ ہیں۔ جوانی جانے والی ہے اور بڑھاپا آنے والا ہے، لیکن دوسرا مصرع دوسری
بانی کہتا ہے، یعنی سبزہ آرہا ہے، یعنی عنفوانِ شباب کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ دونوں
مصرعوں میں جو تضاد ہے، وہ اس بات کا اعلان ہے، کہ یہ شعر میرزا کا نہیں ہے۔ یوں بھی جب
ِ میں بھیگتی ہیں، تو اس کو سبزہ کہتے ہیں۔ "خطِ سیاہ" شعر کی اصطلاح نہیں ہے۔

چوتھا شعر ہے:

نہیں ہے آہ کو ایما سے تیر بالیدن

وگرنہ ہے خمِ تسلیم سے کماں پیدا

مصرعِ ثانی وگرنہ سے شروع ہوتا ہے اور مصرعِ اوّل میں تیر اور مصرعِ ثانی میں
کماں بھی ہے۔ اس کے باوجود دونوں مصرعوں میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔ آگے آنے والی ایک
غزل کا ایک مصرع ہے:

"کہ در موجِ کماں بالیدہ مدِ تیر ہے پیدا"

اماں، تیرہ، بالیدن سب وہیں سے اڑائے ہوئے الفاظ ہیں۔ لیکن مضمون نہیں مل سکا۔

مقطع ہے:-

نصیب تیرہ بلا گردش آفریں ہے اسد

زمیں سے ہوتے ہیں صد دامن آسماں پیدا

دوسرے مصرع میں "زمیں" کا کوئی تعلق نفس مضمون سے یوں پیدا نہیں ہوتا، کہ نصیب تیرہ اور زمیں مترادف نہیں ہیں۔ دوسرا مصرع خود اپنی جگہ ٹھیک ہے، لیکن پہلا مصرع اس سے مربوط نہیں ہے۔ یہ شعر کسی طرح میرزا کا نہیں ہو سکتا۔

اسی صفحے پر غزل نمبر ۴۶ کا مطلع ہے۔ باقی شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ مطلع اور مقطع، قرأت میں تبدیلی کے ساتھ متداول دیوان میں ہیں۔ باقی شعر گمشدہ ہیں۔ ان میں بھی قرأت کی تبدیلی ہے (ص۲۰)

"مخطوطے" میں مطلع یوں ہے:-

اُف نہ کی گو سوزِ غم سے بے محابا جل گیا

آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

حقیقتاً [illegible] کرتا ہے کہ مصرع اوّل اس طرح میرزا نہیں کہہ سکتے تھے۔ کوئی متشاعر بھی اس طرح یہ مصرع مصرعِ ثانی پر نہیں لگاتا یا لگائے گا۔

اُف نہ کی گو سوزِ غم سے — ٹھیک، لیکن کیسے؟

بے محابا جل گیا — اچھا ہوا، لیکن کون؟

آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا — کیا، کون؟؟

کیا میرزا اس طرح یہ مطلع کہتے؟ غیر معروف بیاض میں لکھتے وقت بھی اس کو درست نہ کرتے، پھر [illegible] یا نسخوں میں نقل کرتے وقت اس کو ٹھیک نہ کرتے؟

— اور اس کے بعد نظرِ ثانی کے وقت بھی اس پر اصلاح نہ کرتے؟ چنانچہ اس قرأت کے ساتھ یہ شعر میرزا نے نہیں کہا تھا۔ پہلا مصرع اتفاقی ہے، اور اس کا الحاقی ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے۔

مطلع کی ابتدائی صورت وہ ہے، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ عرشی میں ہے:

اُف نہ کی گو سوزِ دل سے بے محابا جل گیا

آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

مصرعِ اول یہاں بھی تسلی بخش نہیں ہے، لیکن دیوانِ غالب میں یہی موجود ہے۔ دوسرا شعر (الحاقی نسخے کے ورق ۱۳ الف اور متن کے صفحہ ۲۵ پر) یہ ہے:

دود میرا سنبلستاں سے کرے ہے ہمسری

بسکہ ذوقِ آتشِ گل سے سراپا جل گیا

عرشی صاحب نے جو معلومات اختلافِ نسخ کے سلسلے میں حاشیے پر درج کی ہیں۔ ان کی رو سے مصرعِ ثانی میں "ذوقِ آتشِ گل" نسخۂ شیرانی میں ہے، اور "شوقِ آتشِ گل" نسخۂ بھوپال میں۔ اگر "مخطوطہ" کھرا ہوتا، تو اس میں نسخۂ بھوپال کی قرأت ہوتی۔ نسخۂ شیرانی میں تو نسخۂ بھوپال کی اصلاح یافتہ شکل ہے، یہ بھی ایک ثبوت ہے، "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا۔

چوتھا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

خانمانِ عاشقاں دوکانِ آتش باز ہے

شعلہ رو یار جب ہوئے گرمِ تماشا جل گیا

گنجینہ میں مصرعِ ثانی میں "شعلہ رو جب ہو گئے" ہے۔ یعنی یہ اصلاحی شکل ہے۔ ابتدائی قرأت نسخۂ بھوپال کی وہی ہے، جو "مخطوطے" میں ہے۔

البتہ مصرعِ اول میں "دوکان" کا املا توجہ چاہتا ہے۔ یہ غالب کا املا نہیں ہے۔ جس کی ابتدائی تعلیم فارسی سے ہوئی ہو، اور فارسی جس کے مزاج میں رچی بسی ہو، وہ میرزا کی طرح "دکان" لکھے گا۔ دوکان نہیں۔ "مخطوطہ" جس مصدر سے نقل ہوا ہے۔ اس میں یہ کتابت کی غلطی

رہی ہوگی۔ تعجب کی بات ہے کہ نسخۂ عرشی میں جہاں "خورشید" کو واو کے بغیر "خرشید" اور "طپیدن" کو "ت" سے "تپیدن" لکھنے کا التزام کیا گیا ہے۔ اس میں بھی اس شعر میں "دوکان" (واو کے ساتھ) چھپا ہے۔ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ طباعت میں کسرۂ اضافت رہ گیا تھا، چنانچہ غلط نامے میں اس کی تصحیح کی گئی ہے، لیکن واو کو قلم زد کرنے کے لئے ہدایت نہیں ہے۔

غالب چونکہ دال اور واو ملا کر "دُکان" لکھتے تھے، اس لئے ناقل نے جوش میں آکر دکان کو دوکان لکھ دیا۔ غالب "دوکان" میں واو املا غلط سمجھتے تھے اور اس کی ہدایت انھوں نے اپنے شاگردوں کو بھی کی تھی۔ چنانچہ "مکاتیبِ غالب" میں صفحہ ۳۲ پر "املائے غالب" کے باب میں جناب امتیاز علی خاں عرشی نے لکھا ہے:

"..... ایک شعر میں دوکان تحریر ہو گیا تھا۔ اس کا بھی واو کاٹ دیا۔"

غالب دُکان واو کے بغیر لکھتے تھے۔ اور اس کا صحیح املا (غالب کا املا) وہ ہے، جو الف کے ورق ۵۹ الف اور عین کے صہ۱۱ پر غزل نمبر ۲۴۶ کے تیسرے شعر میں ہے:

دُکانِ تا وا ہے تاثیر ہے از خود تہی ماندن

سراسر عجز ہو کر خانۂ ماست بد کمال خالی

(یہ دوسری بات ہے، کہ یہ "نو دریافت" غزل غالب کا کلام نہیں)۔

ایک واو کا ہونا نہ ہونا یوں تو معمولی سی بات ہے، لیکن یہ ایک حرف اس "مخطوطے" میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، ایسی ہی معمولی باتوں سے بڑی بات پرکھی اور پکڑی جاتی ہے۔ [لہ]

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

تا کجا افسوس گرمی ہائے صحبت اے خیال

دل ز آتش خیزیٔ داغِ تمنا جل گیا

نسخۂ بھوپال میں پہلے یہ شعر اسی طرح تھا۔ میرزا نے اس پر اصلاح کی اور مصرع یوں ہوا۔

دل ز سوزِ آتشِ داغِ تمنا جل گیا

مگر متن اصلاحی شکل میں یہ مصرع ہے:

لہ الف کے ورق ۴۳ الف اور عین کے صہ۸ پر بھی املا کی غلطی ہے۔ (بقیہ فٹ نوٹ صہ۸۵ پر)

"مخطوطے" میں مقطع کی یہ قرأت ہے:

ہے اسد بیگانہ کو افسردگی کو بیکسی

دل زگرمی تپاک اہلِ دنیا جل گیا

نسخۂ بھوپال میں یہ مقطع یوں لکھا گیا تھا:

ہے اسد بیگانہ ائے افسردگی ائے بیکسی

دل زِ اندازِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

یہ قرأت، عرشی صاحب نے اختلافِ نسخ کے باب میں ص۲۳۸ پر درج کی ہے، لیکن گ۔م کے باب میں مقطع کی یہ قرأت درج ہے:

ہے اسد بیگانۂ افسردگی، اے بیکسی

دل زاندازِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

نسخۂ بھوپال میں ابتدائی قرأت جو بھی رہی ہو، "مخطوطے" میں ان میں سے ایک ہوتی، اگر "مخطوطہ" بخطِ غالب ہوتا۔ "ہے اسد بیگانہ کو افسردگی کو بیکسی" میرزا کا مصرع ہرگز نہیں ہو سکتا۔ دو عدد "کو" سخت تنافر پیدا کرتے ہیں۔ ایک تو میرزا اس طرح مصرع موزوں نہ کرتے۔ بفرضِ محال ایسا ہوتا بھی تو پہلی بیاض میں لکھتے وقت یا لکھنے کے بعد کسی وقت، یا ردیف وار بیاض میں نقل کرتے وقت یا پھر اس پر نظرِ ثانی کرتے وقت ـــ کبھی تو یہ مصرع ان کو کھٹکتا۔ نتیجہ:

یہ مصرع میرزا کا نہیں ہے، اور "مخطوطے" میں اس کی موجودگی "مخطوطے" کے جعلی کردار کو اجاگر کرتی ہے۔

(فٹ نوٹ ص۸۴ سے آگے)

غزل کا مطلع یوں لکھا ہوا ہے:

چار سوے عشق میں صاحب دکانی مفت ہے

نقد ہے داغِ دل اور آتش زبانی مفت ہے

مزید بحث اس غزل کے سلسلے میں آگے اپنے مقام پر آئے گی۔

الف کے ورق ۱۳ الف اور عین کے صفحہ ۲۵ پر ایک اور غزل ہے جو غالب کے کسی نسخے میں نہیں ہے۔ [illegible] "[illegible] زرہ بانست" غزل کا مطلع ہے:

نہاں کیفیت مے میں ہے سامانِ حجاب اُس کا
بنا ہے پنبۂ مینا سے ساقی نے نقاب اُس کا

ایک تو "سے میں" اور "سے ساقی" کی اصوات سے بڑی الجھن ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے، کہ دوسرا مصرع محض لفظوں کی کھینچ تان ہے، "معنی آفرینی" کا دور دور پتہ نہیں۔

دوسرا شعر یہ ہے:

اگر اس شعلہ رو کو دوں پیامِ مجلس افروزی
زبانِ شمع خلوت خانہ دیتی ہے جواب اُس کا

دونوں مصرعے اپنی اپنی جگہ با معنی ہیں، لیکن ملا کر پڑھیں تو شعر کوئی معنی نہیں دیتا۔ جب معنی نہ ہوں، تو معنی آفرینی کہاں ہوگی۔

تیسرا شعر ہے:

عیاں کیفیتِ میخانہ ہے جوئے گلستاں میں
کہ ہے عکسِ شفق ہے اور ساغر ہے حباب اُسکا

کیفیت کا لفظ مطلع میں بھی ہے۔ اور اس شعر میں بھی۔ میخانے کے سلسلے میں یہاں درست نہیں ہے، کیونکہ بلدیہ کے رجسٹروں میں کیفیت کا خانہ کچھ اور ہوتا ہے، اردو میں "کیفیت" کچھ اور معنی رکھتی ہے۔ غالب اس طرح یہ لفظ استعمال نہیں کرتے۔

چوتھا شعر ہے:

اٹھائے ہیں میں جو افتادگی میں متصل صد سے
گردوں گا اشکہائے داچکیدہ سے حساب اُسکا

"اٹھائے ہیں میں جو" "میں جو" کی اصوات بہت گراں گذرتی ہیں۔ دونوں لفظ

ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ بھی غالب کا طریقہ نہیں ہے پھر غالب کا املا "افتادگی" ہے۔ یہاں واؤ غائب ہے۔ مقطع یہ ہے:

(اسد) ..... کے واسطے رنگے بروے کار ہو پیدا

عبار آوارہ دسرگشتہ ہے یا بوتراب اسکا

یہاں "رنگ بروے کار" ہونا چاہیئے تھا۔ "رنگ" بہ کسرۂ اضافت، نہ کہ بہ یائے تنکیر۔ یہ غلطی ظاہر ہے میرزا سے نہیں ہو سکتی۔ اس غلطی سے دو نتیجے اخذ ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ "مخطوطہ" غالب کے قلم سے نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ کلام غالب کا نہیں ہے۔

اس غزل کے کلام غالب نہ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے، کہ ردیف کو مبتدیوں کی طرح استعمال کیا گیا ہے۔ "اسکا" کہیں فلسفیانہ طریقے سے استعمال نہیں ہوا۔ یہ ٹھیک ہے، کہ اس بیاض میں غالب کے ابتدائی دور کا کلام دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن غالب کا منسوخ کلام بھی سطحی نہیں ہے۔ اس میں الفاظ کا وہ سطحی استعمال نہیں ہے، جو اس غزل کی ردیف میں ہوا ہے۔

اس صفحے پر ایک اور نو دریافت غزل (۴۵) شروع ہوتی ہے۔ دو شعر اس صفحے پر اور تین شعر اگلے صفحے پر ہیں۔
مطلع یہ ہے:

زبس ہے ناز پرداز غرور نشۂ صہبا

رگ بالیدۂ گردن ہے موج بادہ در مینا

پہلے مصرع میں "ناز پرداز" کی ترکیب غلط ہے۔ انشا پرداز اور فتنہ پرداز کے متوازی ناز پرداز نہ صرف غریب ترکیب ہے، بلکہ بے معنی بھی ہے۔ الف کے مرتب کو اس بات کا احساس نہیں ہوا۔ اور انھوں نے مقابل کے صفحے پر نستعلیق خواندگی میں بڑی معصومیت کے ساتھ "ناز پرداز" ہی لکھا۔ لیکن عین کے مرتب نے "یادآورد" کے باب میں نستعلیق خواندگی میں تحریف کی ہے اور مصرع یوں لکھا ہے:

زبس ہے ناز بردار غرور نشۂ صہبا

واقعی عین کی تحریف کے بعد مصرع بامعنی ہو جاتا ہے۔

دوسرے مصرع میں کہنا یہ تھا، کہ موجِ بادہ، مینا کی شہ رگ ہے، لیکن یہ مضمون ادا نہیں ہوا۔ "بالیدہ" کا لفظ بیدلی رنگ پیدا کرنے کے لئے کم، اور مصرع کا وزن پورا کرنے کے لئے زیادہ ہے۔

یہ مطلع مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر میرزا کا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا شعر ہے:

در آبِ آئینہ از جوششِ عکسِ گیسوئے مشکیں

بہارِ سنبلستاں جلوہ گر ہے آنسوئے دریا

میرزا کے بیدلی رنگ میں کامیاب شعر ہونے میں بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ مصرعِ اوّل میں جوشش کا لفظ بالکل غلط صرف ہوا ہے۔ اور اسکا شمار حشو میں ہونا چاہئیے۔ جوششِ اشک، جوششِ رشک کے متوازی جوششِ عکس کی ترکیب نہیں بنتی۔ میرزا اگر یہ مصرع کہتے تو یوں کہتے:

در آبِ آئینہ از تابِ عکسِ گیسوئے مشکیں

میرزا کی سفینہ بیاض میں یہ الحاقی شعر ہے۔

اگلے صفحے پر تیسرا شعر ہے:

کہاں ہے دیدۂ روشن کہ دیکھے بے حجابانہ

نقابِ یار ہے از پردہ ہائے چشمِ نابینا

مصرع اوّل میں "بے حجاب" کی جگہ، وزن پورا کرنے کے لئے "بے حجابانہ" لکھا گیا ہے۔ یہ مضمون، میرزا کے رنگ میں ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نابینا کی آنکھوں کے پردے نقابِ یار بن جاتے ہیں۔ دیدۂ بینا کسکے پاس ہے جو اسکو بے حجاب دیکھے۔ لیکن یہ مضمون شعر میں ادا نہیں ہوا ہے۔ اور "بے حجابانہ" تو غلط ہے ہی، ان وجوہ کی بنا پر یہ شعر میرزا کا نہیں، بلکہ الحاقی ہے۔

چوتھا شعر ہے:

نہ دیکھ پاس ضبطِ آبرو، وقتِ شکستن بھی

نفس پیشہ ... ہے آئینہ آسا

مصرع ثانی میں، تجمل میں ج کا نقطہ الف اور عین دونوں میں اقلیدس کے نقطہ کی طرح تقریباً معدوم ہے، ہو سکتا ہے، نقطہ کھو گیا ہو۔ عین میں بار آورد کے باب میں تحمل پڑھا گیا ہے۔ الف میں تجمل پڑھا گیا ہے، لیکن عین میں بار آورد کے باب میں تعلیق خواندگی کے وقت ایک تحریف مصرع اول میں بھی کی گئی ہے۔ "شکستن بھی" کی جگہ "شکستن ہے" لکھا گیا ہے۔

مصرع اول میں "پاس ضبط آبرو" غلط ہے۔ "پاس ضبط و آبرو" (یعنی پاس ضبط و پاس آبرو) کے کوئی معنی بھی ہوتے، اور شاید یہی کہنا بھی چاہا تھا، لیکن یا تو شعر گڑھنے والے سے غلطی ہوئی یا ناقل سے۔
(اگر ناقل اور شعر گڑھنے والے الگ الگ حضرات ہیں)
"نہ دیجیے" ہاتھ سے نہ جانے دیجیے کے بجائے غلط استعمال ہوا ہے۔ وقت شکستن بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ نہیں دکھایا گیا ہے کہ کون چیز ٹوٹ رہی ہے۔ دوسرے مصرع میں "تجمل پیشۂ تمکین" یا "تحمل پیشۂ تمکین"، دونوں میں کسی کے کوئی معنی نہیں ہے۔ اس ترکیب سے تمکین اور تحمل (تجمل) سے پیشہ کے معنی نہیں نکلتے۔

ظاہر ہے، زبان اور بیان کے اغلاط کا مرکب یہ شعر میرزا سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

مقطع ہے:

اسد طبع تیں سے گر نکالوں شعر برجستہ

شرر ہو قطرۂ خون فسردہ در رگ [illegible]

مصرع اول میں نکالوں نے ہزل کی سی کیفیت پیدا کی ہے۔ "طبع تیں" کی ترکیب بھی محل نظر ہے۔ مصرع ثانی میں خون فسردہ درست نہیں ہے۔ دل فسردہ ہو سکتا ہے، شرر فسردہ ہو سکتا ہے، دل فسردہ ہو سکتا ہے، لیکن خون فسردہ نہیں ہو سکتا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دو مصرعوں میں الگ الگ خیال ہیں۔ ان دونوں کا کوئی تعلق ایک دوسرے سے نہیں ہے۔ اسلئے دونوں مصرعے، زبان و بیان کی خامیوں سے قطع نظر، بے ربط ہو گئے۔ اس مقطع پر میرزا کے کلام ہونے کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

الف کے ورق ۱۳ ب اور عین کے صفحہ [illegible] پر غزل ۴۹ ہے جس میں شعر [illegible] و مقطع چھ شعر ہیں۔ یہ نسخۂ بھوپال کے حوالے سے [illegible] میں صفحہ [illegible] پر درج ہے۔ [illegible] میں اختلاف نسخ کے

باب میں کوئی اصلاح نسخۂ بھوپال میں نہیں دکھائی گئی ہے، جو قرأت گ۔م کی ہے، وہی ارمغان غالب، میں صـ۳۵ پر شیخ محمد اکرام صاحب نے بھی درج کی ہے۔

مخطوطے، میں مطلع کے بعد کا شعر یوں ہے:

زمیں کو صفحۂ گلشن بنایا خونچکانی نے
چمن بالیدنیہا از رم نخچیر ہے پیدا

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اول کا آخری لفظ "سے" ہے۔

چوتھا شعر مخطوطے میں یوں ہے:

نہیں کف بر لب نازک، وفورِ تشنہ مے سے
لطافت ہائے جوشِ حسن کا سرشیر ہے پیدا

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اول یوں ہے:

نہیں ہے کف لب نازک پہ فرطِ تشنہ مے سے

جو شہادتیں گذر چکی ہیں، اُن سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کہ "مخطوطہ" میرزا کے خط میں نہیں ہے اور نہ میرزا کی کسی قلمی بیاض سے نقل ہوا ہے ماسلئے "مخطوطے" میں جہاں جہاں الفاظ کا فرق ہے، وہاں تحریف ہوئی ہے۔

اسی صفحہ پر غزل عـ۵ شروع ہوتی ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال کے حوالے سے گ۔م میں صـ۱۳ پر درج ہے،" مخطوطے" میں مطلع یوں لکھا ہے:

سحر گر باغ میں وہ حیرتِ گلزار ہو پیدا
اڑے رنگِ گل اور آئینۂ دیوار ہو پیدا

نسخۂ عرشی میں مطلع کے مصرعِ اوّل میں" سحر گر" ہے۔ دونوں مصرعوں کے الفاظ وہی ہیں۔ نسخۂ عرشی میں مصرعِ ثانی کا قافیہ غلط لکھا گیا ہے، ہو سکتا ہے، کہ صاحبِ نظر غالب شناسوں نے بھی منسوخ کلام پر ذہن کھپانا تحصیلِ حاصل سمجھا ہو، اور اس کی ترتیب کے وقت صرف نسخۂ بھوپال،

نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا کی قرأت کے مقابلے ہی پر ساری توجہ مرکوز کی ہو۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کتابت کی غلطیوں سے پاک نہیں ہیں اور اس مطلع کے مصرعِ ثانی میں قافیہ کی کتابت میں جو غلطی ہوئی، وہ ایک روایت کی طرح چلی آرہی ہے۔ "دیوار" قافیہ کے ساتھ شعر بالکل مہمل ہے۔ شاید "حیرتِ گلزار" سے، فاضل غالب شناسوں نے (جنھوں نے "دیوار" قافیہ پر اعتراض نہیں کیا، گویا اُسے تسلیم کر لیا) معشوق مراد لی ہے۔ ظاہر ہے باغ میں صبح کے وقت معشوق کے پیدا ہونے کی تمنا نہایت لغو تمنا ہے۔ نومولود کبھی معشوق نہیں ہو سکتا۔

کمال عرض کرتا ہے، کہ مطلع کی قرأت یہ ہے:

سحر گہ باغ میں وہ حیرتِ گلزار ہو پیدا
اُڑے رنگِ گل اور آئینۂ دبوار ہو پیدا

دبور یا دبوار مغربی ہوا کو کہتے ہیں اور یہی مصرعِ ثانی کا قافیہ ہے، مغربی ہوا کو اردو اور ہندی میں پچھوا کہتے ہیں۔

"مخطوطے" میں چونکہ قافیہ کے سلسلے میں وہی غلطی ہے، جو نسخۂ عرشی میں ہے، اسلئے اس کو اتفاق نہیں کہہ سکتے۔ یہ بات کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتی ہے، کہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے۔ بلکہ کسی نے ایسے نسخے سے نقل کیا ہے، جس میں قافیہ کتابت کی غلطی کا شکار ہو گیا ہے۔ اگر نسخۂ بھوپال میں یہ غلطی، حاشیے پر، غالب کے قلم سے ہوتی، تو اس کو قلم کی لغزش کہا جا سکتا تھا، لیکن یہ لغزش وہ ہر بیاض میں نہیں کر سکتے تھے۔

غزل کا دوسرا شعر مخطوطے میں یوں ہے:

بُتاں زہراب اس شدت سے دو پیکانِ ناوک کو
کہ خطِ سبز بر پشتِ لبِ سوفار ہو پیدا

گ م میں دوسرا مصرع یوں ہے:

کہ خطِ سبز تا پشتِ لبِ سوفار ہو پیدا

اگر "مخطوطہ" جعلی نہ ہوتا، مصرعِ ثانی میں اسکی قرأت کو تسلیم کیا جا سکتا تھا، لیکن اُسکے جعلی کردار کے پیش نظر یہ قرأت اُس وقت تک تسلیم نہیں کی جا سکتی جب تک اُس کی تصدیق کسی معتبر ماخذ سے نہ ہو۔

چوتھا شعر رگ ۔م میں یوں ہے:

کروں گر عرضِ سنگینی کہسار اپنی بیتابی
رگِ ہر سنگ سے نبضِ دلِ بیمار ہو پیدا

شیخ محمد اکرام نے یہ غزل" ارمغانِ غالب" میں شامل نہیں کی ہے، اسلئے معلوم نہیں اُن کے نزدیک مصرع اوّل کی قرأت کیا ہے۔ حقیر کمال کے نزدیک عرض بہ کسرۂ اضافت، اور کہسار بغیر کسرۂ اضافت غلط ہے، شعر یوں پڑھا جانا چاہیئے:

کروں گر عرض، سنگینیِ کہسار، اپنی بیتابی
رگِ ہر سنگ سے نبضِ دلِ بیمار ہو پیدا

سنگینیِ کہسار کو مخاطب کر کے بات کی گئی ہے۔ نسخۂ عرشی میں مصرع اول میں اوقاف کے لئے کاما بھی نہیں لگائے گئے ہیں۔ مصرع اوّل کی یہ قرأت، سنگینی کی ی میں کسرۂ اضافت نہ ہونے وجہ شاید "مخطوطے" کا بلیو پرنٹ تیار کرنے والوں کے لئے مصیبت بن گئی۔
اور وہ مصرع موزوں نہ پڑھ سکے۔ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے مخطوطے میں یہ اصلاحِ معکوس کر دی گئی۔

کروں گر عرض سنگینیٔ کوہ اپنی تپشِ رنگی

"مخطوطے" میں کسرۂ اضافت کہیں نہیں ہے، لیکن الف ۔۔۔ مستعلیق خواندگی میں "عرض" (بکسرۂ اضافت) نسخۂ عرشی کے اتباع میں لکھدیا گیا۔ "تپش رنگی" اس غلط فہمی کی بنا پر لکھا گیا ہوگا، کہ میرزا "رگِ سنگ" کے لاحقہ "شرر" یا "شرار" ضرور لکھتے ہیں۔ ۔۔۔ ۔۔۔ کی کیفیت کا بھی ذکر کہیں نہیں ہے۔ تپش ۔۔۔ ہے۔ اور تپش رنگی لایعنی ترکیب ہے۔

مقطع ہے:

نہ ہو مایوس، غالبؔ ہو گرچہ رونے میں اثر کم سے
توقع ہے، کہ بعد از زاریٔ بسیار ہو پیدا

غالبؔ کے بعد "ہو" زائد ہے اور اس کی وجہ سے مصرع ساقط الوزن ہو جاتا ہے۔

میں تصریحات کے تحت درج ہے: نہ ہو مایوس اب ہو لکھا تھا۔ اسے "نہ ہو مایوس
بنایا ہے اور "ہو" قلمزد کرنے سے رہ گیا۔ نسخۂ بھوپال میں مقطع یوں ہے:

اسدؔ مایوس مت ہو گرچہ رونے میں اثر کم ہے
کہ غالبؔ ہے کہ بعد از زاریٔ بسیار ہو پیدا

الف میں تصریحات کے تحت جو کچھ درج ہے، اس سے مصرع یوں بنتا ہے:

نہ ہو مایوس اب ہو گرچہ رونے میں اثر کم ہے

یہ مصرع بھی میرزا کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں "نہ ہو" اور "ہو" دونوں ہیں۔
متن میں حواشی کے تحت اس مصرع کی ابتدائی شکل وہی بتائی گئی ہے جو ن، ع
(معنی) میں ص ۲۱ پہ درج ہے:

اسد مایوس مت ہو گرچہ رونے میں اثر کم ہے

اس "اصلاح" میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ اگر یہ اصلاح غالبؔ نے کی ہوتی، تو زائد "ہو"
وقت قلمزد کیا ہوتا۔ اگر بھول سے رہ گیا تھا، تو بعد میں جب نظرِ ثانی کی تھی۔ اور ایک بار نہیں
بغرضِ اصلاح نظر ڈالی، تو یہ زائد "ہو" کیوں نہیں کاٹا۔ اصلاح مختلف صفحوں پر مختلف خط کے
سے ہے، جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ غالبؔ برابر اصلاح کرتے رہے۔ پھر بھی
"ہو" کا رہ جانا ایک حیرت کی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نسخہ غالبؔ کی نظر سے نہیں
(ان کے لکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔ اسی لیے یہ زائد "ہو" جو مصرع کو بحر سے خارج کرتا
مصرع میں موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے، کہ اسدؔ کے مقطع کو اصلاح سے غالبؔ کا مقطع بنایا گیا ہے۔ اب
غالبؔ کا مقطع بنا دیا گیا تھا۔ تو نسخۂ بھوپال میں اس کی وہی قرأت ہونا چاہیے تھی۔ یعنی:

نہ ہو مایوس غالبؔ گرچہ رونے میں اثر کم ہے
توقع ہے کہ بعد از زاریٔ بسیار ہو پیدا

لیکن گ م میں یہ مقطع یوں ہے:

اسد مایوس مت ہو، گرچہ رونے میں اثر کم ہے
کہ غالب ہے کہ بعد از زاریٔ بسیار ہو پیدا

مخطوطہ بنانے/ بنوانے والے یہاں چوک گئے، کیا جس مصرع پر اصلاح کی گئی تھی۔ وہ دوبارہ اصلاح کے بعد برقرار رکھا گیا۔ اسد کے مقطعوں کو بے سوچے سمجھے غالب کے مقطعے بنانے کی رو میں یہ غلطی مخطوطہ تیار کرنے والوں سے ہو گئی۔

اس اصلاح نے "مخطوطہ نگار/ مخطوطہ نگاروں کی اس "معصوم" چوک سے وہ بھی ثابت کر دیا، جو وہ کسی قیمت پر نہیں چاہتے تھے یعنی یہ کہ میرزا نے ۱۲۳۱ھ کے بعد تخلص اسد سے غالب کر لیا تھا۔ غالب کا مقطع بنانے کے بعد اسکا اسد کے مقطع کے طور پر نسخۂ بھوپال میں پایا جانا، اور وہاں سے نسخۂ عرشی میں پہنچنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہ میرزا نے غالب کے مقطعوں کو بھی اسد کا مقطع بنایا تھا۔ اس مخطوطے میں بڑے زور و شور سے غالب کے مقطعے اصلاحات معکوس کر کے اسد کے بنا کر لکھے گئے اور بعد میں ان کو غالب کا بنایا گیا۔

حقیر کمال ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہے۔ "مخطوطے" میں مقطع جس طرح لکھا ہوا ہے، وہ نسخۂ بھوپال کی قرأت سے یقیناً بہتر ہے، کیونکہ "کہ غالب ہے کہ بعد از زاریٔ بسیار ہو پیدا" میں دو کہ تنافر پیدا کرتے ہیں۔ اگر مخطوطے والا مصرع میرزا کا ہوتا، تو وہی نسخۂ بھوپال میں بھی ہوتا۔ چونکہ ایسا نہیں "مخطوطے" کی قرأت الحاقی قرار پاتی ہے، اور اس کی وجہ سے "مخطوطے" کے بخطِ غالب ہونے کا دعوے مسترد ہوتا ہے۔

الف کے ورق ۱۴ الف اور ممن کے ص ۲۶ پر غزل ۱۵ ہے۔ جو ردیف ب کی پہلی غزل گ م میں بھی ہے۔ اور نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص ۱۳۱ پر درج ہے۔

مطلع میں کوئی اختلاف نسخ نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

تیرگی ظاہری ہے طبعِ موزوں کا نشاں
غافلاں عکسِ سوادِ نخہ ہے گردِ کتاب

گ م میں "طبعِ موزوں" کے بجائے "طبع آگہ" ہے۔ نسخۂ بھوپال میں "طبعِ موزوں" ہی ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہے عرق افشاں تشنی سے، ادھم مشکین یار

وقتِ شب اخترشمر ہے چشمِ بیدارِ رکاب

گ م میں، مصرعِ ثانی میں "اخترگنتے ہے" ہے۔ "مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر، اس میں اختلافِ نسخ کو اصلاحِ معکوس سمجھنا چاہیئے۔ شعر کے معنی واضح ہیں، لیکن بات سمجھ میں نہیں آتی۔ پیدل چلنے سے یار کی زلفیں عرق افشاں ہیں (کیوں ہیں؟) چشم بیدار رکاب، رات کو ستارے گننے سے (کیوں؟)

پانچواں شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

ہے شفق از سوزِ دلہا آتشِ افروختہ

ہر یک اختر ہے، فلک پر قطرۂ اشکِ کباب

گ م میں مصرعِ اول یہ ہے:

ہے شفق سوزِ جگر کی آگ کی بالیدگی

"مخطوطے" میں اختلافِ نسخ کو معتبر نہیں سمجھا جا سکتا، اگرچہ مصرع میرزا کے بیدلی رنگ میں ہے۔
مقطع نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں اس طرح ہے:

شب کہ تھا نظارگی روئے بتاں کا اے اسد

گر گیا بامِ فلک سے صبح طشتِ ماہتاب

"مخطوطے" میں مصرعِ اول میں "نظارگی" کی جگہ "نظارہ گر" ہے۔ ماہتاب روئے بتاں کا [illegible] دگر" نہیں ہوسکتا "نظارہ بین" ہوسکتا ہے۔ اسلئے "مخطوطے" میں جو مصرع ہے وہ [illegible] منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ (نظارہ بین کو ہی نظارگی کہتے ہیں) اس اصلاح غیر کی وجہ سے مخطوطے کا مخط[illegible]ب ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۵۲ شروع ہوتی ہے جس میں پانچ شعر ہیں، نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے اس غزل میں چھ شعر گ-م میں ص۲۲ پر درج ہیں۔ ارمغانِ غالب (مرتبہ اکرام) میں ص۱۳۱ پر اس غزل کے پانچ شعر ہیں، لیکن اس انتخاب میں وہ شعر ہے، جو "مخطوطے" میں نہیں ہے، اور اس "مخطوطے" کا ایک شعر شامل نہیں کیا گیا ہے:

مطلع میں کوئی اختلاف نسخ نہیں ہے۔

مخطوطے میں دوسرا شعر یوں ہے:

رنگِ گل از حیرتِ گلشن فروزی ہائے دوست

بسمل آہنگِ پریدن ہے بہ بالِ عندلیب

ارمغانِ غالب میں یہ شعر نہیں ہے۔ گ-م میں یہ تیسرا شعر ہے اور اس کی قراءت یہ ہے:

حیرتِ حسنِ چمن پیرا سے ہے رنگِ گل

بسملِ ذوقِ پریدن ... بالِ عندلیب

اختلافِ نسخ کے سلسلے میں جو معلومات عرشی صاحب نے ص۲۳۵ پر فراہم کی ہیں، انکی رو سے نسخۂ بھوپال میں مصرع ثانی کی وہی قراءت تھی، جو "مخطوطے" میں دکھائی گئی ہے، لیکن مصرع اول میں اختلافِ نسخ کی وجہ "اصلاحِ غیر" کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

الف کے ورق ۱۴ ب اور عین کے ص۲۸ پر غزل ۵۳ ہے جسکا مطلع ہے:

نیرنگی جلوہ ہے بہ بزمِ تجلی زارِ دوست

دودِ شمعِ کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں مطلع کی یہی قراءت ہے۔ زن رخ میں اختلافاتِ نسخ کے متعلق یہی اندراج درج ہے ... (۲۳۴) متداول دیوان میں پہلا مصرع ہے:

آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست

اور یہ غزل نسخۂ بھوپال ... کے مصرع کے ساتھ ہے۔ عرشی صاحب نے ... کے سلسلے میں یہ نہیں ... یہ فرمایا ہے۔ "اس غزل میں ... گیا۔"

مصرع نسخۂ بھوپال کا باقی رہ گیا ہے۔ اگر اُن سے سہو نہیں ہوا ہے تو دوسرا مصرع:

"دودِ شمع کشتہ تھا، شاید خطِ رخسارِ دوست"

۱۲۳۷ ہجری کے بعد کا ہے۔ اُس صورت میں اس مصرع کا "مخطوطے" میں موجود ہونا اس بات کا ایک اور ثبوت ہوگا، کہ اس میں "بعد" کا کلام موجود ہے اور یہ "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا ثبوت ہوگا۔

جن اہلِ علم حضرات نے نسخۂ بھوپال دیکھا ہے۔ وہ اس نکتہ پر مزید روشنی ڈال سکتے ہیں۔ نسخۂ بھوپال یا اس کے فوٹو اسٹیٹ دیکھنے کا موقع ملا، تو اس مطلع کی پوزیشن دیکھنے کے بعد کمال کچھ اور عرض کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ الف میں نثار احمد فاروقی صاحب نے یہ اطلاع فراہم کی ہے، کہ نسخۂ بھوپال کا اصل مخطوطہ "مفقود ہو چکا ہے اور ابو محمد سحر کے ایک مضمون کا حوالہ بھی دیا ہے۔ (دیوانِ غالب کا ایک اہم گمشدہ مخطوطہ) حقیر کا خیال ہے کہ اس کا سراغ ضرور ملے گا، کیونکہ یہ زیادہ عرصے تک چھپا نہیں رہے گا۔

اگرچہ عرشی صاحب نے اس بات کی نشاندہی کی ہے، کہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں مصرع "نیم رنگی جلوہ ہے بزمِ تجلی زارِ دوست" موجود ہے، لیکن حقیر کمال کا خیال ہے کہ یہاں یائے مجہول اور یائے معروف کے [illegible] مصرع شاید یہ رہا ہو:

نیم رنگے جلوہ ہے بزمِ تجلی زارِ دوست

یہ قرأت بھی درست نہیں معلوم ہوتی۔ "رنگے" یائے تنکیر کے بجائے "رنگ" بہ کسرۂ اضافت ہو، تو مصرع واضح ہے:

نیم رنگِ جلوہ ہے بزمِ تجلی زارِ دوست

حقیر کمال کا قیاس ہے، کہ نسخۂ بھوپال کے ناقل نے کہیں کہیں میرزا کا اصل [illegible] رکھا، بلکہ کوئی [illegible] مصرع بولتا گیا اور ناقل لکھتا گیا۔ یائے تنکیر کی جگہ [illegible] اضافت [illegible] یائے تنکیر نسخۂ بھوپال میں کئی جگہ ہے۔ اس قیاس کے بغیر ان غلطیوں کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں۔ یہ غلطیاں میرزا سے سرزد نہیں ہوتیں۔

مخطوطے میں مطلع کے بعد کا شعر یوں ہے:

چشم بند پردۂ جز تمثالِ خود بینی نہیں
آئینہ ہے قالبِ خشتِ در و دیوارِ دوست

مگر ہمیں نسخۂ شیرانی کی قرأت درست ہے جس میں مصرع اوّل یوں ہے:

چشمِ بندِ خلق غیر از نقشِ خود بینی نہیں

نسخۂ بھوپال میں پہلا مصرع یوں ہے (ن ا ع، اختلافِ نسخ صـ۱۴)

چشمِ بندِ خلق جز تمثالِ خود بینی نہیں

تمثال کی جگہ پردہ ایجادِ ناقل ہے، کیونکہ پردہ سے یہاں شعر کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ خلق کے ساتھ اس شعر کے یہ معنی ہیں، کہ خلق آنکھیں بند کر کے جو دیکھتی ہے، یعنی تصور کرتی ہے، تو خود کو دیکھتی ہے، اپنا ہی عکس دیکھتی ہے، (کیونکہ در و دیوارِ دوست پر آئینے ہی آئینے ہیں)۔ لیکن پردہ کے ساتھ یہ شعر بے معنی ہے، اسلئے میرزا نے [illegible] نہیں کیا ہے۔ خلق کی جگہ پردہ اصلاحِ غیر ہے، اور اس لفظ کا شعر میں ہونا "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے کا ثبوت ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

ہے بقدرِ نیزہ از بالائے وا افراختہ

آفتابِ صبحِ محشر ہے گلِ دستارِ دوست

پہلے مصرع میں "از بالائے وا افراختہ" لغت کے اعتبار سے درست ہو، لیکن شاعرانہ بیان نہیں ہے۔ یہ شاعر کا نہیں پولیس کے روزنامچے یا وکیل کے محرر کا طرزِ بیان ہے۔ دوسرے مصرع اور پہلے مصرع کی زبان میں ایسا فرق ہے، کہ دونوں ایک زمانے کے مصرعے نہیں معلوم ہوتے۔ ماتن کا مصرع تھا:

ہے بقدرِ نیزہ اُس کے قدِ رعنا سے بلند

جب یہ میرزا نے نہیں کہا تو "از بالائے وا افروختہ" کیوں رکھتے۔ مصرع کی ابتدائی قرأت بھی وہی ہوگی، جو نسخۂ بھوپال میں ہے:

ہے سوا نیزے پہ اُسکے قامتِ نوخیز سے۔

"مخطوطے" میں مصرع اوّل [illegible]

[illegible] شعر کے مصرعِ اوّل کے بعد اگلے شعر کا مصرعِ ثانی لکھا ہوا ہے اور

اگلے شعر کے مصرعِ اول کے بعد اس شعر یعنی تیسرے شعر کا مصرعِ ثانی لکھا ہوا ہے۔ اگرچہ مصرعوں پہ ۱، ۲، ۲، ۴ لکھ دیا گیا ہے — لیکن یہ اس بات کا ثبوت ہے، کہ ناقلِ مخطوطہ شاعر خود نہیں تھا۔ یعنی یہ بیاض میرزا نے اپنے قلم سے صاف نہیں کی تھی، کیونکہ یہ "بھول" اُن سے نہیں ہو سکتی تھی۔

چوتھا شعر "مخطوطے" میں ایک معمہ ہے۔ کیونکہ پہلے مصرع کا آخری لفظ الف میں کچھ اور ہے اور متن میں کچھ اور۔

پہلے صرف مصرعِ اول کو دیکھیے:

الف میں یوں لکھا ہے:

برقِ خرمنہائے گوہر ہے نگاہِ تیز و جہا یمن

متن میں بہت صاف طریقے سے آخری لفظ یہاں ہے:

برقِ خرمنہائے گوہر ہے نگاہِ تیز۔ یہاں

اگر "مخطوطے" میں تحریفیں ہی کرنا تھیں، تو فوٹو آفسٹ کے پروسس سے "نسخۂ عرشی زادہ" چھاپتے اور اس اہتمام سے چھاپنے کی کیا ضرورت تھی؟ "مخطوطہ" جسکا عکس نسخۂ عرشی زادہ ہے، وہ تو جعلی تھا ہی — نسخۂ عرشی زادہ اس کا بھی سچا عکس نہیں۔ یہ تو دوہرا جعل ہے۔ اس بارے میں کوئی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، کہ متن میں یہاں "بخطِ غالب"۔ الف کے لئے مائکرو فلم تیار ہونے کے بعد لکھا گیا ہے۔ یہ بات کسی شک و شبہ کے شائبے کے بغیر ثابت ہے، کہ ۱۹۶۹ء میں یہاں اس مصرع میں بخطِ غالب لکھا گیا ہے۔ نتیجہ: جس نے ۱۹۶۹ میں اس مصرع میں یہاں لکھا ہے۔ اُسی نے ۱۹۶۹ میں یا ایک آدھ برس پہلے "مخطوطہ" بخطِ غالب لکھا ہے۔

پروفیسر آلِ احمد سرور نقاد ہیں۔ اُن کا میدان تخلیقی تنقید ہے۔ اس قسم کی تحقیق اُنکا میدان نہیں، اسلئے انھوں نے اس مخطوطے کے بخطِ غالب ہونے کی جو سند دی ہے، اُسکی نوعیت ساہتیہ اکادمی کے اکثر انعامات اور مشاعروں کی داد کی طرح محض رسمی ہے، پھر بھی یہ "غالب صدی" کے سب سے بڑے المیوں میں سے ایک ہے۔ کہ سرور صاحب جیسے بالغ نظر نے نسخۂ عرشی زادہ پہ "تعارف" لکھا۔

جناب امتیاز علی خان عرشی اور جناب مالک رام تو تحقیق کے میدان کی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے ہیں۔ اور غالب شناسی کے میدان میں تو اُنکے ناموں کا سکہ چلتا ہے۔

یہ حقیر کمال، ان کو تسلیم پیش کرتا ہے، اور دکھ کے ساتھ عرض کرنا ہے کہ انہوں نے ایک سراسر جعلی "مخطوطے" کو بخطِ غالب تسلیم کر لیا۔

آئیے اب چوتھے شعر کو دیکھیں۔ "مخطوطے" میں اس کی قرأت یہ ہے:

برقِ خرمن ہائے گوہر ہے نگاہِ تیز کیاں
اشک ہو جاتے ہیں خشک از گرمیِ رفتارِ دوست

نسخۂ عرشی میں شعر کی قرأت یہ ہے:

برقِ خرمن زارِ گوہر ہے نگاہِ تیز یاں
اشک ہو جاتے ہیں خشک از گرمیِ رفتارِ دوست

شیخ محمد اکرام نے "ارمغانِ غالب" میں اس شعر کو یوں لکھا ہے (ص ۱۱۵)

برقِ خرمن زارِ گوہر ہے نگاہِ تیز یاں
اشک ہو جاتے ہیں خشک از گرمیِ رفتارِ دوست

حقیر کمال کسی قیاسی اصلاح کی جرأت کبھی نہیں کر سکتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوسرے مصرع کا قافیہ شعر کو بے معنی کر دیتا ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے، اور قافیہ "گفتار" رہا ہوگا۔
دوست کی گرمیِ رفتار سے اشک خشک ہو جاتے ہیں، اس میں کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اور پھر گرمیِ رفتار سے اشک خشک کیوں ہوں گے۔ اس کی تیزی سے آنکھ سے اوجھل ہو جانے سے اور زیادہ رقت طاری ہونا چاہیئے اور زیادہ آنسو نکلنا چاہئیں، شعر یوں پڑھیئے:

برقِ خرمن زارِ گوہر ہے نگاہِ تیز یاں
اشک ہو جاتے ہیں خشک از گرمیِ گفتارِ دوست

نگاہِ تیز یہاں دوست ہی کی ہے، خرمن زارِ گوہر، عاشق کے آنسو ہیں۔ یہاں دوست کی نگاہِ تیز جیسے آنسوؤں پہ برق کی طرح ہے، اور دوست کی گرمیِ گفتار سے آنسو خشک ہو جاتے ہیں۔

"مخطوطے" میں "خرمن ہائے گوہر" بے معنی ہے۔ "خرمنِ گوہر ہا" سے بھی کچھ نہ کچھ معنی نکل آتے ہیں۔ لیکن "خرمن ہائے گوہر" سے معنی کا بالکل نقصان ہو جاتا ہے۔ مصرعِ اوّل میں ترکیب الحاقی قرا۔ پاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے، کہ اگر میرزا کے خط میں یہ شعر لکھا ہوتا، تو قافیہ "گفتار" ہوتا۔ کیونکہ وہاں قافیہ میں کتابت کی غلطی واضح ہے۔ میرزا سے خود قافیہ میں یہ غلطی نہ ہوتی۔

مخطوطے میں پانچواں شعر ہے،

الید زے مصلحت چندے بہ ضبط افسردہ رہ

کردنی ہے جمع تابِ شوخیِ دیدارِ دوست

قرأت گ م میں بھی یہی ہے، لیکن عین میں مصرعِ اوّل میں "مصلحت" کی "ت" بالکل صاف ہے۔ اور اُس پر بہت صاف دو نقطے ہیں۔ الف میں نقطوں کی جگہ ایک گول دھبہ ہے، جسکا نقطہ چارسِلی میٹر ہے۔ اگر یہ دھبہ الف کے لئے مائکرو فلم لیتے وقت موجود تھا، تو عین کی طباعت کے وقت غائب کیسے ہو گیا۔ اور "ت" کی نوک پلک "بخطِ غالب" کیسے درست ہو گئی؟ عین میں تحریف ہونے کا یہ بھی ایک ثبوت ہے۔ ظاہر ہے، تحریف اُس نسخے میں نہیں کی جا سکتی تھی۔ جسکے بارے میں یقین ہوتا کہ میرزا غالب کے قلم کا لکھا ہوا ہے:

"مخطوطہ" میں مقطع یوں ہے:

لغزشِ مستانہ وجوشِ تماشائے (اسد)

آتش سے ہے، بہارِ گرمیٔ بازارِ دوست

دوسرے مصرع میں گرمی کی "ی" پر ہمزۂ اضافت ہے۔ چوتھے شعر میں "گرمیِ رفتار" اور پانچویں شعر میں "شوخیِ رفتار" میں ہمزۂ اضافت نہیں ہے۔ الف کے ورق ۱۲ الف، عین کے صـ۲۳ پر ایک شعر میں "گرمیِ رُخ" کی "ی" پر ہمزہ ہے۔ یہ گنڈے دار طریقے سے ہ اور "ی" پر اضافتوں کے ہمزہ لکھنا بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخطوطہ بخطِ غالب نہیں۔

گ م میں مقطع کا پہلا مصرع یہ ہے:

لغزشِ مستانہ وجوشِ تماشا ہے، اسد

[illegible] "میں "ٹ" لکھ کر غلطی سے اوپر ہمزہ لکھ دیا گیا ہے۔
[illegible] کے ۵ [illegible] ایک
[illegible] کا فرق ہے۔ ورنہ [illegible] کی قرأت سے اختلاف کے باوجود ان اشعار کی صورت
[illegible] نسخۂ بھوپال کی پہلی قرأت ہے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

گرمی [illegible] زبان [illegible] سبب سوختنِ جاں
[illegible] شمع [illegible] سر پر انگشت

[illegible] شعر [illegible] ہے:

گرمی ہے زباں کی سبب سوختنِ جاں
ہر شمع [illegible] سر پر انگشت

نسخۂ بھوپال اور لطیفہ [illegible] وہی ہے جو "مخطوطے" میں ہے۔ لیکن مصرع
[illegible] کی قرأت [illegible] اور نہیں ہے اسلئے اسے اصلاحِ غیر کی کارفرمائی سمجھنا چاہیئے۔
مقطع وہی ہے، جو متداول دیوان میں ہے۔ لیکن الف میں تصریحات کے
[illegible] یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ مقطع دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں ملتا۔
[illegible] کے ورق ۱۵ الف اور [illegible] کے ص ۲۹ پر غزل نمبر ۵ کا چھٹا شعر ہے:

چونکہ نقشِ مدعا معلوم جز موجِ سراب
وادیٔ حسرت میں پھر آشفتہ جولانی عبث

دوسرے مصرع میں "حسرت" سے پہلے کا لفظ اور "حسرت" کے بعد ایک
لفظ اس طرح کاٹا گیا ہے کہ پڑھنا مشکل ہے۔ "پھر" کا لفظ اصلاح کے وقت اضافہ کیا گیا ہے۔
[illegible] میں "تصریحات" کے تحت اصلاح سے قبل کا مصرع [illegible] احمد فاروقی نے
یوں پڑھا ہے:
وادیٔ حسرت زار [illegible] آشفتہ جولانی عبث

اور متن میں "حواشی" کے تحت اکبر علی خاں (عرشی زادہ) نے اصلاح سے پہلے کا مصرع یوں پڑھا۔

دشتِ حسرت خیز میں آشفتہ جولانی عبث

نسخۂ عرشی (گنجینۂ معنی) میں یہ شعر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے یوں ہے (ص۳۴)

جب کہ نقشِ مدعا ہووے نہ جز موجِ سراب
وادیٔ حسرت میں پھر آشفتہ جولانی عبث

خیال ہے، کہ اس شعر میں "اصلاحِ معکوس" کر کے یہ شعر مخطوطے میں لکھوایا گیا ہے۔ الف اور عین کے مولفوں نے قلم زد الفاظ کو جس طرح الگ الگ پڑھ کر غالب کے "بیدلی رنگ" میں ایک مصرع کے دو مصرعے بنا دیئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے، کہ غالب کے ہر مصرع میں اصلاح کر کے اگلی ابتدائی شکل بنائی جا سکتی ہے۔ اگر ایک شعر میں کچھ لفظ کاٹ کر، ان کی جگہ پھر وہی لفظ فراہم کر دیئے جائیں۔ تو قلم زدہ الفاظ کی جگہ یہ دو حضرات نئے الفاظ پڑھ کر نئے مصرعے خالص غالب کے "بیدلی رنگ" میں فراہم کر سکتے ہیں۔ یہ بات جتنی قابلِ تعریف ہے۔ شاید غالب کے حق میں اتنی ہی مضر بھی ہے۔

اسی صفحے پر غزل ع۵۶ ہے، جس میں چھ شعر ہیں۔ یہی غزل، نسخۂ بھوپال کے حاشیے کے ایک شعر کے اضافے کے ساتھ گ م میں ص۳۴ پر درج ہے، یہ شعر اس غزل کے خاص توجہ چاہتے ہیں:

۱۔ مطلع:

نازِ لطفِ عشق با وصفِ توانائی عبث
رنگ ہے سنگِ محک دعوائے بینائی عبث

۲۔ تیسرا شعر:

محملِ پیمانۂ فرصت ہے بہ دوشِ حباب
دعویِ دریا کشی و نشّہ پیمائی عبث

۳۔ مقطع:

اے (اسد) بیجا ہے نازِ سجدۂ عرضِ نیاز
عالمِ تسلیم میں دعوائے رزائی عبث

اگر مخطوطہ میرزا کے ہاتھ کا ہوتا تو "دعویٰ" بہ کسرۂ اضافت دوسرے شعر میں اور "دعوائے" بہ یائے اضافت مطلع اور مقطع میں نہ ہوتا۔ مطلع اور مقطع میں "دعویٰ" بہ کسرۂ اضافت آسکتا تھا دوسرے شعر میں "دعوائے" نہیں آسکتا تھا اگر مخطوطہ میرزا کے ہاتھ کا ہوتا تو ہر شعر میں "دعویٰ" بہ کسرۂ اضافت ہوتا۔ نسخۂ بھوپال میں بھی مطلع اور تیسرے شعر میں دعوائے اور دعویٰ ہے، لیکن وہاں کاتب سے غلطی ہونے کا امکان یقین کی حد تک ہے۔

مخطوطے اور رسم میں مطلع کی قرأت ایک سی ہے:

دوسرے شعر کے سلسلے میں ایک بڑی پر لطف بات ہے۔ دوسرا شعر یہ ہے:

نا کس دخلِ عزیزاں یک تلم ہے نقب زن

پاسبانِ طلسمِ گنجِ تنہائی عبث

نسخۂ عرشی (رگ م ص۳۴) میں پاسبانی کی ی پر کسرۂ اضافت نہیں ہے غلط نامے میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ نسخۂ حمیدیہ میں سہو کاتب سے دوسرے مصرع میں گنج کو کنج لکھا گیا ہے۔ نثار احمد فاروقی نے بھی نستعلیق قرأت میں کنج ہی درج کیا ہے۔ وہ "مخطوطے" سے زیادہ واقف ہیں اور اس کو منظرِ عام پر لانے میں انھوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ہو سکتا ہے "مخطوطے" میں نسخۂ حمیدیہ سے کنج ہی نقل کیا گیا ہو۔ لیکن چونکہ سارے مخطوطے میں گ کے بھی دو کے بجائے ایک کشش ہے، اسلئے یہ غلطی چھپ گئی ہے۔ البتہ "تنہائی" کو "تنہائی" لکھا گیا ہے۔ میرزا نے کہیں بھی "تنہائی" اس طرح نہیں لکھا ہے۔ یہ بھی واضح ثبوت ہے "مخطوطے" کے خطِ غالب نہ ہونے کا۔

چوتھا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

یک نگاہِ گرم ہے، چوں شمع سرتا پا گداز

بہرِ از خود رفتگاں سعیِ خود آرائی عبث

نسخۂ بھوپال میں، مصرع ثانی میں، "سعی" کے بجائے "ناز" تھا پھر اصلاح میں اسکو "رنج" کیا گیا۔ "سعی" اصلاح غیر ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے: [illegible] ماں تا صد نفسِ تاثیر ہے

دل کو [illegible] تا کشاں تعلیمِ عارف ہے عبث

گ۔م میں شعر یوں ہے:

جانِ عاشق حاصلِ صد غلبۂ تاثیر ہے
دل کو اے بیداد خو تعلیمِ خارائی عبث

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی منسوخ قرأت ہے۔

مقطع ہے:

اے (اسد) بیجا ہے نازِ سجدۂ عرضِ نیاز
عالمِ تسلیم میں دعوائے مرزائی عبث

"دعوائے مرزائی" کا یہ کوئی مقام نہیں ہے، کیونکہ یہاں تو سجدۂ عرضِ نیاز تک پہ ناز کو بیجا کہا گیا ہے۔ اسلئے دوسرے مصرع میں "دعوائے مرزائی" اصلاحِ غیر ہے۔ میرزا کا مصرع یہ ہے، جو نسخۂ بھوپال میں ہے:

عالمِ تسلیم میں دعوئ آرائی عبث

الف کے ورق ۱۵ب اور عین کے صفحہ ۳۰ پر وہ غزل ہے جسکا مطلع ہے:

گلشن میں بندوبست بضبطِ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

مطلع اور پانچویں شعر میں متداول دیوان (ن م) اور گ۔م کی قرأت سے معمولی سا اختلاف ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے، کہ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی ابتدائی قرأت درج ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۵۸ شروع ہوتی ہے، مطلع ہے:

ہے لبِ گل کو ز وا جنبیدنِ برگ اختلاج
حبِ شبنم سے صبا ہر صبح کرتی ہے علاج

مصرعِ اول میں "وا" حشو و زوائد میں سے ہے۔ اور میرزا "زجنبیدن" کی جگہ، وزن پورا

کرنے کے لئے" زواجنبیدن" نہ لکھتے۔ اسلئے اس مصرع کو الحاقی سمجھنا چاہیئے۔ میرزا کا مصرع یہ ہے، جو گم ہے، جسمیں یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل ہوئی ہے:

جنبشِ گلبرگ سے ہے گل کے لب کو اختلاج

دوسرا شعر مخطوطے میں یوں ہے:

شاخِ گل جنبش میں ہے گہوارہ آسا ہر نفس

طفلِ شوخِ غنچۂ گل اسکہ ہے وحشت مزاج

گم میں، مصرعِ ثانی میں" وحشی مزاج" درج ہے۔ اختلافِ نسخ کے باب میں صـ۲۴۶ پر عرشی صاحب نے اس بات کی نشاندہی کی ہے، کہ نسخۂ حمیدیہ میں" وحشت مزاج" ہے۔ اگرچہ عرشی صاحب نے یہ نہیں لکھا ہے، کہ یہ سہو ہے۔ لیکن اسکے بارے میں بھی انھوں نے کوئی اشارہ نہیں کیا ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں" وحشی مزاج" ہے یا" وحشت مزاج"۔ وحشت مزاج بھی غلط نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ نسخۂ بھوپال کی قرأت نہیں ہے، تو نسخۂ حمیدیہ میں اسے سہو کاتب اور" مخطوطے" میں نسخۂ حمیدیہ سے غلطی کی نقل مطابق اصل سمجھنا چاہیئے۔

" مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

سیرِ ملکِ حسن کر بینا نہ ہا نذرِ خمار

چشمِ مست یار سے ہے گردنِ مینا پہ باج

نسخۂ عرشی میں مصرعِ اول یوں ہے:-

سیرِ ملکِ حسن کو میخانہ ہا زیرِ خمار

حقیر کمال اس اختلافِ نسخ سے سخت الجھن میں ہے۔ " مخطوطے" کی قرأت بہتر ہی نہیں، درست بھی معلوم ہوتا ہے۔ نسخۂ عرشی کے غلط نامے میں بھی یہ درج نہیں ہے، کہ کو طباعت کی غلطی ہے۔

" مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:-

یک بیاباں ہے بہ رسوادِ چشمِ قربانی مقیم

حسرتِ فرصت نے بخشا بسکہ حیرت کو رواج

گ ـم میں مصرع اوّل یوں ہے:

ہے سوادِ چشمِ قربانی میں یک عالم مقیم

بات ایک ہی ہے، لیکن جب تک کسی معتبر ماخذ سے تصدیق نہ ہو "مخطوطے" کے مصرع کو میرزا کا مصرع نہیں سمجھنا چاہیئے۔

چھٹا شعر "نو دریافت" ہے

رنگریزِ جسم و جاں نے، از خمستانِ عدم
خرقۂ ہستی نکالا ہے برنگِ احتیاج

"خمستان" میں کپڑے رنگنے کا کاروبار نہیں ہوتا، اسلئے کپڑوں کے سارے تلازمے، خمستان کی وجہ سے بے کار ہیں۔ ظاہر ہے "رنگریزِ جسم و جاں" سے مراد خالقِ کائنات ہے، اُسنے "خمستانِ عدم" سے ہستی کے پھٹے پرانے لباس کو احتیاج کی صورت میں نکالا ہے، پہلے مصرع میں "خمستان" اور دوسرے مصرع میں "خرقہ" وزن پورا کرنے کیلئے ہیں۔ یہ ایسی غلطیاں ہیں، کہ میرزا سے انکا سرزد ہونا ممکن نہیں، اسلئے غزل میں یہ شعر الحاقی ہے، اور الحاقی شعر کی موجودگی اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے، کہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں۔ مقطع میں نسخۂ بھوپال کی منسوخ قرأت ہے۔

اس کے ورق ۹۰ الف اور عین کے صہ ۱۳۱ پر غزل ۵۹ ہے، اس میں سات شعر ہیں، اور یہ غزل گ ـم میں ۳۶ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہے۔ صرف دوسرے شعر میں ایک لفظ کا اختلاف ہے۔ "مخطوطے" میں شعر یوں ہے:

یک مشتِ خوں ہے، پرتوِ خور سے گدازِ دشت
دردِ طلب بہ آبلۂ نارسیدہ کھینچ

گ ـم میں، مصرعِ اوّل میں "تمام دشت" ہے۔ "مخطوطے" کے جعلی کردار کے پیشِ نظر "گدازِ دشت" کو الحاقی اصلاح سمجھنا چاہیئے۔ تاوقتیکہ اس کی تصدیق کسی معتبر ماخذ سے نہ ہو۔

اسی صفحے پر غزل ۶۰ شروع ہوتی ہے۔ مطلع اور اس کے بعد کے شعر کا مصرعِ اول، اس صفحے پر، باقی حصہ اگلے صفحے پر ہے۔ غزل میں، بشمولِ مطلع و مقطع سات شعر ہیں، اسی ترتیبِ اشعار سے یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ ـم میں ۳۶ پر درج ہے۔

مقطع نسخۂ عرشی میں یوں چھپا ہے: آہنگِ اسد میں نہیں جز نغمۂ بیدل
"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

الف کی نستعلیق خواندگی میں بھی اسکی یہی قرأت ہے، لیکن حقیقت میں، مصرعِ ثانی "مخطوطے" میں یوں لکھا ہے:

عالم ہمہ افسانۂ ما باشد و ما ہیچ

باشد کا لفظ پڑھتے ہوئے زبان لڑکھڑائی اور ذہن کو جیسے ٹھوکر لگی۔

عرشی صاحب نے مصرعِ ثانی واوین میں دیا ہے۔ اسکے یہ معنی ہیں، کہ مصرع غالب کا نہیں ہے۔ یہ مصرع بیدل کے دیوان میں نہیں ہے۔ "ہیچ" ردیف میں بیدل کی کوئی غزل نہیں ہے۔ اسلئے مصرعِ ثانی کی حیثیت سے اسکے وجود کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ مصرعِ اول کی حیثیت سے بھی یہ مصرع، متن یا حاشیے کے کلام میں نہیں ہے۔ اس مصرع کی تلاش میں جو خاص بات دیوانِ بیدل میں نظر آئی، وہ یہ ہے، کہ دو تین شعروں کو چھوڑ کر، بیدل کا جو مصرع بھی عالم سے شروع ہوا ہے، اسمیں عالم کے فوراً بعد ہمہ ضرور ہے۔ ایسے نو مصرعے ہیں اور یہ سب اُسی بحر میں ہیں، جس میں مندرجہ بالا مصرع ہے۔
اگر یہ مصرع کسی اور شاعر کا ہے، تو دوسری بات ہے، حقیر کمال کا قیاس ہے، کہ یہ مصرع خود غالب کا بھی ہو سکتا ہے۔
بیدل کا ایک شعر (منقطع) ہے:

من و بیدل و غمِ غفلتی کہ زچشمِ بندِ فسونِ دل

ہمہ تا ز جلوۂ من پرست و بہ ہیچ جانہ رسیدہ من

ایک "حکایت" میں یہ دو شعر بھی بیدل کے ہیں:

حقیقت دریں پردہ دارد خطاب

کہ گر چشم داری منم بے نقاب

بسر رشتۂ وہم دیگر مپیچ

کہ غیر از سخن در جہاں نیست ہیچ

اگرچہ سیاق مختلف ہے، لیکن کوئی تعجب نہیں کہ ان اشعار کا اثر میرزا کے اس مصرع پر ہو۔ اگر یہ مصرع

خود غالب کا ہے۔

یہ بات تحقیق طلب ہے، "عالم ہمہ افسانۂ ما دارد وما ہیچ" کس کا مصرع ہے؟

یہ مصرع میرزا کا ہے، یا کسی اور کا، لیکن "مخطوطے" "میں" دارد "کی جگہ" باشد" اصلاح غیر ہے۔ اگر یہ مصرع بیدل کا ہے۔ تو میرزا غالب غلط نقل نہیں کر سکتے تھے۔ اگر یہ مصرع بیدل کا ہے، تو دارد کی جگہ باشد اصلاح معکوس ہے، اور یہ "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

پس نوشت:

یہ حقیر اپنی تلاش سے مطمئن نہیں تھا۔ جناب امتیاز علی خاں عرشی نے جب یہ مصرع دواوین میں دکھایا ہے، تو یقیناً یہ مصرع میرزا کا نہیں ہو سکتا، اور قیاس غالب یہی ہے، کہ بیدل کا مصرع ہوگا۔ جناب مالک رام نے بھی اپنے نسخے میں نسخۂ حمیدیہ کے انتخاب میں رکھا ہے۔ اور وہاں بھی یہ مصرع دواوین میں ہے (ص ۳۲۴) چنانچہ حقیر کمال نے سرینگر سے دلی ٹیلی فون پر جناب مالک رام سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ مصرع بیدل کا ہے۔ جب اُن سے عرض کیا گیا، یہ مصرع اس دیوان بیدل میں نہیں ہے۔ جو ۱۲۹۲ ہجری میں مطبع حسنی بمبئی میں طبع ہوا تھا۔ اور جس پر (غالب کے ایک شاگرد) محمد میاں داد خاں سیّاح کی تقریظ ہے۔ تو موصوف نے یہ فرمایا، کہ اُن کے پاس دیوان مطبوعہ افغانستان کا جو نسخہ ہے، اُس میں وہ شعر ہے جس کا یہ مصرع ہے۔ موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ ابوالکلام آزاد مرحوم نے بھی اس شعر کو غبار خاطر میں نقل کیا ہے۔ اور اس بارے میں کوئی شک نہیں، کہ مصرع بیدل ہی کا ہے۔ حقیر کمال نے استفسار کیا، کہ اس میں دارد ہے، یا باشد۔ جناب مالک رام نے تصدیق کی، کہ دارد ہے۔ دوبارہ پھر یہ سوال دہرایا گیا۔ اور موصوف دوبارہ دارد ہونے کی تصدیق کی۔ حقیر کمال نے اُن سے دریافت کیا کہ یہ بات اُنکے حوالے سے لکھی جائے تو اُنھیں اعتراض نہ ہوگا۔ موصوف نے اسکی اجازت دیدی۔ حقیر نے ان سے یہ بھی عرض کر دیا، کہ "بیاض غالب بخط غالب" میں ستم ظریفوں نے بیدل کے مصرع کو غالب کا مصرع سمجھ کر۔ اُسکی بھی ابتدائی قرأت دکھانے کے لئے اصلاح معکوس کر دی۔

"مخطوطے" کا بلیو پرنٹ تیار کرنے والے جب بیدل کے مصرع کو غالب کا مصرع سمجھ کر اسکی ابتدائی قرأت دکھانے کے لئے دارد کو باشد کر سکتے تھے — تو میرزا کے مصرعوں پر وہ یہ عمل کا ستم ڈھا سکتے تھے، اور یہ بات بھی غیر متوقع نہیں، کہ میرزا کے نام پر غزلیں گڑھی گئیں۔ اور کچھ نہ ہوتا، تو اس مصرع میں تحریف "مخطوطے" کو کھوٹا ثابت کرنے کے لئے کافی تھی، کیونکہ

غالب تو بیدل کے کلام میں تحریف کرنے کی بے ادبی کے مرتکب نہ ہوتے۔
میرزا کو اس بات سے بڑی الجھن ہوتی تھی، کہ ان کا کلام صحت سے نہ لکھا جائے یا غیر کا کلام اُن سے منسوب ہو۔ اگر یہ "مخطوطہ" ان کی نظر سے گذرا ہوتا، تو ان پر کیا گذرتی۔ اِسکا اندازہ ان کے بعض خطوں سے ہو سکتا ہے۔ اردوئے معلی مطبوعہ ۱۸۹۹ء (مطبع مجتبائی دہلی) جسکا دیباچہ میرزا کے شاگرد میر مہدی مجروح نے لکھا تھا اور میرزا ہی کے شاگرد خواجہ الطاف حسین حالی کی نگرانی میں جس کی طباعت ہوئی تھی، اس وقت سامنے ہے۔ صفحہ ۲۲۰ اور صفحہ ۲۲۱ پر مرزا شہاب الدین احمد کے نام ایک خط ہے:
"بھائی شہاب الدین خاں واسطے خدا کے تم نے اور حکیم غلام نجف خاں نے میرے دیوان کا کیا حال کر دیا ہے۔ یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں۔ خدا جانے کس ولد الزنا نے داخل کر دیئے ہیں۔ دیوان تو چھاپے کا ہے۔ متن میں اگر یہ شعر ہوں، تو میرے ہیں۔ اور اگر حاشیہ پر ہوں تو میرے نہیں ہیں۔ بالفرض اگر یہ شعر متن میں پائے بھی جاویں، تو یوں سمجھنا، کہ کسی ملعون زن جلب نے اصل کلام کو چھیل کر یہ خرافات لکھ دیئے ہیں، خلاصہ یہ کہ جس مفسد کے یہ شعر ہیں، اُس کے باپ پر اور دادا پر لعنت اور وہ ہفتاد پشت تک ولد الحرام، اس کے سوا اور کیا لکھوں۔ ایک تو لڑکے یہاں غلام نجف اور دوسرے تم۔ میری کم بختی بڑھاپے میں آئی، کہ میرا کلام تمہارے ہاتھ پڑا ...... اپنے کاتب کو کہہ دینا کہ یہ خرافات متن میں نہ لکھے، اگر لکھ دیئے ہوں، تو وہ ورق نکلوا ڈالنا۔ اور ورق اوسکے بدلے لکھوا کر لگا دینا۔ مناسب تو یوں ہے، کہ تم کسی آدمی کے ہاتھ وہ دیوان جو تمہارے کاتب نے نقل کیا ہے۔ میرے پاس بھیجدو، تاکہ میں اس کو ایک نظر دیکھ کر پھر تم کو بھیج دوں۔"
میرزا بیدل کا مصرع غلط نہیں لکھ سکتے تھے۔ بہ فرض محال سہواً یا زلت قلم سے ایسا ہو بھی جاتا تو اس مجہول نسخے میں اصلاحیں بھی دکھائی گئی ہیں۔ میرزا کی نظر سے یہ "مخطوطہ" گذرا ہوتا، تو وہ [illegible] کو تیز چاقو سے چھیل کر "دارد" نہ لکھتے؟
میرزا کے مزاج میں اور ان کی افتادِ طبع میں کوئی ایسی بڑی تبدیلی وقت کے ساتھ ساتھ [illegible] ہوئی تھی، کہ یہ کہا جا سکے، کہ اُن کی فطرت پہلے کچھ تھی، بعد میں کچھ ہو گئی۔ انھوں نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو متعدد خطوط میں اپنی تصانیف میں اغلاط کو درست کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔
مطبع احمدی میں اِنکا دیوان چھپا، تو اس میں بہت غلطیاں تھیں۔ اپنے ردِ عمل کا اظہار میرزا نے میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "غالب" [illegible] پر اور جناب مالک رام نے دیوانِ غالب کے مقدمے میں اس خط کی عبارت نقل کی ہے۔ جناب مالک رام نے اردوئے معلی ص ۱۱۳ - ۱۱۴ کا حوالہ درج فرمایا ہے، جو درست نہیں ہے۔ یہ عبارت اردوئے معلی (مطبع مجتبائی) میں صفحات ۱۱۴ - ۱۱۵ پر درج ہے۔

"دیوان اردو چھپ چکا ہے، لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا، اس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسنِ خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلی پر اُس کے پانی پر اور اس کے چھاپے پر لعنت ..... ہر کاپی دیکھ رہا ہوں، سیاہی نگار اور تنفا بتوسط جو کاپی میرے پاس لایا تھا۔ وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکے، حق التصنیف ایک مجکو ملا۔ غور کرتا ہوں تو وہ الفاظ جوں کے توں ہیں ..... "

اگر چہ یہ بہت بعد کی تحریر ہے، لیکن اس سے میرزا کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔

میاں داد خاں سیاح کو میرزا نے سیف الحق کا خطاب دیا تھا۔ "قاطع برہان" کی معرکہ آرائی میں ایک کتاب "لطائف غیبی" تھی، جس کے مصنف یہی سیف الحق میاں داد خاں سیاح قرار پائے تھے۔ ۱۲ر فروری ۱۸۶۶ء کے خط میں میرزا نے سیاح کو لکھا:

"..... یہ جو میں نے سیف الحق کا خطاب دیا ہے، اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے، تم میرے ہاتھ ہو، تم میرے بازو ہو۔ میرے تفرق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔ لطائفِ غیبی نے اعدا کی دھجیاں اڑا دیں..."
(اردوئے معلیٰ ص ۱۳)

۱۵ر جنوری ۱۸۶۸ء کے خط میں میرزا انھیں میاں داد خاں کو لکھتے ہیں:

"..... یہ ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے، اس میں وہی لطائفِ غیبی ہے، جسکو میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر صحیح کیا ہے۔ اس کے بھیجنے سے یہ مدعا کہ تم اُن تینیس رسالوں کو اس کے مطابق صحیح کر لو..."
(اردوئے معلیٰ ص ۱۶)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ میرزا کو اس بات کی کتنی فکر رہتی تھی، کہ اُن کی لکھی ہوئی عبارت غلط نہ چھپے اور اگر غلط چھپے تو اس کی تصحیح ہو جائے اور غلط نہ پڑھی جائے۔

"دستنبو" کو آگرہ میں چھپوانے کی خدمت میرزا نے منشی ہرگوپال تفتہ کے سپرد کی تھی۔ منشی نبی بخش حقیر اور میرزا حاتم علی مہر کے بھی اس سلسلے میں ذمہ داریاں سونپی تھیں۔

اپنی اس تصنیف میں میرزا نے صرف فارسی الفاظ رکھے تھے، لیکن ایک عربی لفظ "نہیب" اس میں در آیا تھا، اس کی طرف جب انکا دھیان گیا، تو وہ بڑے پریشان ہوئے۔ تفتہ کو ستمبر ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"..... اور میں منشی شیو نرائن صاحب کو آج صبح لکھ چکا ہوں۔ تیسرے صفحے کے آخر یا چوتھے صفحے کے اول میں جملہ ہے: اگر دو دم دیگر بہ نہیب سیاش بہم زند۔ نہیب کی جگہ نوائے بنا دینا۔ بہ نوائے سیاش بہم زند۔ نہیب لفظ عربی ہے۔ اگر رہ جائے گا، تو لوگ مجھ پر اعتراض کریں گے۔ تیز چاقو کی نوک سے نہیب کا لفظ چھیلا جائے اور اس کی جگہ نوائے لکھا جائے (اردوئے معلیٰ ص ۴۷) یہی ہدایت میرزا نے منشی شیو نرائن کے خط میں بھی تحریر کی ہے (اردوئے معلیٰ ص ۲۴۵) اس خط میں اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ کاپی کی تصحیح ہو اور غلط نامے کی حاجت نہ رہے۔ تفتہ کے ایک خط سے انھوں نے یہ سمجھا کہ وہ صفحات چھپ چکے ہیں۔ تفتہ کے نام ۱۶ر ستمبر ۱۸۵۸ء کا خط یوں شروع ہوتا ہے۔

"اچھا بھائی یہ بیب والے دو ورقے چار سو ہوں۔ ہاں سو ہوں، سب بدلوا ڈالنا۔ کاغذ کا جو نقصان ہو مجھ سے منگوا لینا۔ اس لفظ کے رہ جانے میں ساری کتاب نکمی ہو جائے گی اور میرے کمال کو دھبا لگ جائے گا . . . . . ." (اردوے معلیٰ صفحہ ۵۴) اس کے بعد ستمبر ۱۸۵۶ء کے خط میں بھی اس کی تاکید کی ہے (اردوے معلیٰ صفحات ۷۷ اور ۷۸)

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ شیخ محمد اکرام نے بھی غالب نامے میں "عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ" لکھا ہے۔ (صفحہ ۱۷۹)

الف کے ورق ۱۶ اب اور عین کے صفحہ ۳۲ پر غزل ا/۶ کا مطلع ہے۔

دعوے ستق جنوں سے بگلستاں گل و صبح
ہیں رقیبانہ بہم دست و گریباں گل و صبح

نسخۂ عرشی میں یہ مطلع (گنجینۂ معنی صفحہ ۳۷) صرف نسخۂ بھوپال کے حوالے سے یوں ہے:۔

دعوئ عشقِ بتاں سے بگلستاں گل و صبح
ہیں رقیبانہ بہم دست و گریباں گل و صبح

"مخطوطے" میں مصرع اولیٰ جس طرح دیا گیا ہے، وہ غالب نہیں لکھ سکتے تھے۔ اگر مصرع یوں ہوتا:

دعوئ عشق و جنوں سے بگلستاں گل و صبح
یا دعوئ عشق و جنوں میں بگلستاں گل و صبح

تو کوئی معنی ہوتے۔

ایک اور بات مخطوطے کے اسی صفحے پر ہے، اسی غزل کا چوتھا شعر یوں لکھا ہے:

آئینہ خانہ ہے صحنِ چمنستاں یکسو ست
بسکہ ہیں بیخود و وارفتہ و حیراں گل و صبح

نسخۂ عرشی میں (گنجینۂ معنی صفحہ ۳۷ پر) پہلے مصرع کا آخری لفظ "یکسر" ہے، لیکن الف میں اس کی خواندگی "یکدست" کی گئی ہے۔ اور تصریحات کے تحت بتایا گیا ہے کہ پہلے "یکسر" لکھا تھا۔ بعد میں "یکدست" کر دیا گیا۔ عین میں حواشی کے تحت بتایا گیا ہے:

پہلے "یکدست" لکھا تھا۔ پھر "یکدست" ہی کو یکسر بنا دیا۔

اس سلسلے میں نہ الف کی بات قابلِ قبول ہے اور نہ عین کی۔ الف کی بات مانی جائے، تو بعد کے نسخوں میں "یکدست" ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ اصلاح کے بعد کی صورت ہے۔ یہ بات مسترد کیئے جانے کے لائق ہے، کیونکہ نسخۂ بھوپال

میں "یکسر" ہے۔
عینؔ کی بات میں بھی کوئی وزن نہیں، اگر مان لیا جائے کہ میرزا نے "یک دست" کو "یکسر" بنایا تو پھر "سست" کیوں نہیں قلمزد کیا؟ پھر "یکدست" میں کشش کب ہوتی ہے؟

اختلاف نسخ کے باب میں (ن ع میں) عرشی صاحب نے ص۲۰۶ پر اس بات کی نشاندہی کی ہے، کہ نسخۂ بھوپال کی پہلی قرأت اس مصرع کی یہ تھی:

آئینہ خانہ ہے صحنِ چمنستاں تجھ سے

نسخۂ بھوپال میں "تجھ سے" کو اصلاح سے "یکسر" کیا گیا ہے۔ اسلئے نسخۂ بھوپال سے پہلے کی بیاض میں "یکسر" کو "یکدست" یا "یکدست" کو "یکسر" بنایا جانا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے؟ یہ کیسے ممکن تھا کہ میرزا نے نسخۂ بھوپال سے پہلے یہاں "یکسر" رکھا ہوتا، پھر اسکو بدل کر "تجھ سے" کیا ہوتا۔ "تجھ سے" نسخۂ بھوپال میں تھا ہوتا۔ اور اصلاح سے پھر اسے "یکسر" کیا جاتا۔ "مخطوطہ" اگر بخطِ غالب ہوتا، اور نسخۂ بھوپال پر اسے تقدّمِ زمانی حاصل ہوتا، تو اس میں "یکسر" ابتدائی یا منسوخ قرأت نہ ہوتی۔ اُس میں "تجھ سے" ہوتا۔

عرشی صاحب نے اختلافِ نسخ کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں۔ ان میں یہ بات یہاں بڑی پُر معنی ہے، کہ نسخۂ حمیدیہ میں یہ بات ظاہر نہیں کی گئی ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں پہلے "تجھ سے" تھا۔ "مخطوطے" کا بلیو پرنٹ تیار کرنے میں اس شعر پر اصلاحِ معکوس کرتے وقت نسخۂ حمیدیہ ہی سامنے رہا ہوگا۔ چنانچہ "یکسر" کو نسخۂ بھوپال کی ابتدائی قرأت تصور کرکے "مخطوطے" والوں نے ٹھوکر کھائی۔ اور اصلاح میں "یکسر" دکھا دیا۔

اہلِ نظر کے لئے یہ ناطق ثبوت ہے، اس بات کا کہ "مخطوطہ" کھرا نہیں ہے اور یقیناً ۱۲۳۱ ہجری میں نہیں لکھا گیا۔

الفؔ کے ورق ۱۷ الف اور عینؔ کے ص۳۳ پر غزل ع۶۲ ہے، (صرف ایک مصرعہ پچھلے صفحے پر ہے) اس میں پانچ شعر ہیں۔ یہی غزل (بہ اختلافِ نسخ) الف م میں ص۳۸ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہے اور اس میں سات شعر ہیں۔ نسخۂ بھوپال میں مقطع غالب کا ہے، اسلئے قدرتی طور پر اس کو چھوڑ دیا گیا ہے اور مقطع سے پہلے کے شعر؛ بسکہ ہیں در پردہ مصروفِ سیہ کاری تمام
آستر ہے خرقۂ زہاد کا صوفِ مداد

میں مصرعِ اوّل کا آخری لفظ تمام، بدل کر اسدؔ کر دیا گیا ہے۔ اگر میرزا نے اسدؔ ہی مقطع میں ڈالا ہوتا تو وہ اس کو مقطع سے شعر کیوں بناتے، اور اگر اسدؔ کے مقطعوں کو غالبؔ کے مقطعے بنانے کا جنون ہی ہوتا تو پھر اسدؔ کا ایک مقطع بھی انکے دیوان میں نہیں ملتا۔ "مخطوطے" کے جعلی کردار کے پیشِ نظر اور کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔

مخطوطے میں مطلع کے بعد کا شعر یوں لکھا گیا تھا:

شمع ہیں سوزِ دہاں در جنگ جو یہائے یار

ہے سر ِ مصرع صافِ تیغ، خنجر مستزاد

مصرعِ اوّل میں اصلاح دکھائی گئی ہے، اصلاح کے بعد مصرع نسخۂ بھوپال کی قرأت کے مطابق ہو گیا ہے:

طرفہ سوزِ دہاں ہے صرفِ جنگجو یہائے یار

اصلاح سے پہلے جو مصرع لکھا گیا تھا، وہ بیدلی رنگ میں ابتدائی قرأت دکھانے کی زبردستی کی کوشش ہے، جو شہادتیں پیش کی گئی ہیں اور آئندہ پیش کی جائیں گی: ان کے پیش نظر اس وقت تک ایسا کوئی مصرع میرزا کا نہیں سمجھا جاسکتا، جب تک کسی اور ماخذ سے اُسکی تصدیق نہ ہو۔

چوتھا شعر "مخطوطے" میں یوں لکھا ہے:

غنچہ کا دل خوں ہوا، لیکن زباں پیدا نہ کی

گل ہوا ہے ایک زخم سینہ پر خواہانِ داد

پہلے مصرع میں غنچہ کا دل خوں ہونا اسلئے محلِ نظر ہے، کہ دوسرے مصرع میں گُل کے خواہانِ داد ہونے کی بات ہے۔ غنچہ اور گل الگ الگ نہیں ہیں۔ گُل ہی کا ابتدائی مرحلہ غنچہ ہے۔ اسلئے یہ شعر موجودہ قرأت کے ساتھ مہمل ہو جاتا ہے۔ پہلا مصرع میرزا سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ میرزا کا مصرع تو وہ ہے، جو نسخۂ بھوپال میں لکھا گیا:

ہم نے سوزِ زخمِ جگر پر بھی زباں پیدا نہ کی

الف کے ورق ۱۷ الف اور عین کے صـ ۳۴ پر ہی غزل ۶۳ ہے۔ اس کے ساتوں شعر نسخۂ بھوپال کے

حوالے سے گ م ص۳۸ اور ص۳۹ پر درج ہیں۔ مخلوطے میں تیسرا شعر ہے:

رکھتا ہے انتظارِ تماشائے حسنِ دوست
مژگانِ واگشادہ سے دستِ دعا بلند

ن ا ع میں شعر یوں ہے:-

رکھتا ہے انتظارِ تماشائے حسنِ دوست
مژگانِ بازماندہ سے دستِ دعا بلند

انتظار، یہ کسرۂ اضافت اس وقت بامعنی ہوتا، جب مصرعِ اوّل میں اگر کا لفظ بھی ہوتا۔ عرشی صاحب نے بھی اسکو استفہامیہ نہیں سمجھا، ورنہ مصرع کے آخر میں ؟ کا نشان دیتے۔
یہ تو خیر موضوع سے الگ بات تھی۔ "مژگانِ واگشادہ" اور "مژگانِ بازماندہ" سے شعر میں یہ فرق پڑتا ہے کہ "مژگانِ واگشادہ" سے عاشق کا تازہ دم ہونا اور "مژگانِ بازماندہ" سے عاشق کا تھکا ہوا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ تازہ دم ہو، تو عاشق دعا نہیں مانگتا۔ امید رکھتا ہے۔ جب تھک جاتا ہے تو روتا دھوتا ہے اور دعا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسیلئے "واگشادہ" یہاں میرزا نے نہیں لکھا ہوگا۔ یہ اصلاحِ غیر ہے۔
"مخلوطے" میں مقطع یوں ہے:

بالیدنی نیازِ قدِ جانفزا (اسد)
در ہر نفس بقدرِ نفس ہے قبا بلند

نسخۂ بھوپال میں، مصرعِ اوّل کا پہلا لفظ "بالیدگی" ہے۔ بالیدنی میرزا بھی لکھ سکتے تھے، لیکن یہ صرف قیاسی اصلاح ہے۔ جب تک کسی اور ماخذ سے تصدیق نہ ہو۔ بالیدنی میرزا کا لفظ اس مقطع میں نہیں سمجھا جاسکتا۔
اسی صفحے پر غزل ۶۴ شروع ہوتی ہے۔ مطلع اور شعر کا ایک مصرع اس صفحے پر باقی غزل الف کے ورق ۷ ب اور عین کے ص۳۴ پر ہے۔ نسخۂ بھوپال کے حوالے سے یہ غزل گ م ص۳۹ پر درج ہے۔ مقطع سے قبل کا شعر "مخلوطے" میں یوں ہے:

سادگی ہے عدمِ قدرت وایجادِ غنا
ناکسی آئینہ نازِ توکل تا چند

گ۔م میں نسخۂ بھوپال کے مصرعِ اول کی قرأت یہ دکھائی گئی ہے:

سادگی ہے عدمِ قدرتِ ایجادِ غنا

یہ بھی قیاسی اصلاح "مخطوطے" میں ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "مخطوطے" کے لیے جو مصدر نسخہ سامنے رکھا گیا ہو، اس میں کتابت کی غلطی سے مصرع اس طرح لکھا ہوا ہو۔

الف کے ورق ۷، ب اور عین کے ص ۳۴ پر غزل ۶۵ ہے۔ صرف مقطع اگلے صفحے پر ہے۔
نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ غزل گ۔م میں ص ۳۷ پر درج ہے۔ مطلع اور اسکے بعد کا شعر نسخۂ شیرانی میں، اوراق کے نقصان کی وجہ سے نہیں ہیں۔

مطلع ہے:

بکامِ دل کریں کس رنگ گمرہاں، فریاد
ہوئی ہے لغزشِ پا لکنتِ زباں فریاد

نسخۂ بھوپال میں، مصرعِ اول میں "کس طرح" ہے "مخطوطے" میں "کس رنگ" یا تو اصلاحِ غیر ہے، یا جس ماخذ سے وہ نقل ہوا ہے، اس میں یہ غلطی تھی۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

فدائے بیجزی نغمۂ وجود و عدم
جہان و اہلِ جہاں سے، جہاں جہاں فریاد

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی قرأت مصرعِ اول کی یہ ہے:

ہلاکِ بیجزی نغمۂ وجود و عدم

"فدائے بیجزی" اور "ہلاکِ بیجزی" میں بنیادی فرق ہے۔ "فدائے بیجزی" اُسے کہیں گے، جو بیجزی کا والہ و شیدا ہو، اور بیجزی کے عشق میں فدا ہوا ہو۔ "ہلاکِ بیجزی" اُسے کہیں گے، جو بیجزی سے ہلاک ہوا ہو۔ اور ہلاک ہونے میں اُسکی مرضی کو دخل نہ ہو۔ اس فرق کو ذہن میں رکھئے تو معلوم ہوگا، کہ "فدائے بیجزی" سے شعر بہت پست ہو جاتا ہے اور اس کا مفہوم میرزا کا مدعا نہیں ہو سکتا، اسلئے

" فدائے بیخبری" اصلاحِ معکوس ہے۔
"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

نیازِ سنگدلی ہائے دشمناں ہمت
زدستِ شیشگیٔ طبعِ دوستاں فریاد

گ۔م میں شعر کی قرأت یہ ہے:

جوابِ سنگدلی ہائے دشمناں ہمت
زدستِ شیشۂ دلہائے دوستاں فریاد

گ۔م میں دوسرے مصرع کی قرأت نسخۂ شیرانی کی ہے۔ نسخۂ بھوپال میں پہلے دوسرا مصرع اسی طرح تھا، جیسا کہ "مخطوطے" میں ہے۔ البتہ مصرع اوّل میں نیاز کا لفظ "مخطوطے" میں میرزا کے مضمون سے مطابقت نہیں رکھتا۔ "نیاز" میں بڑی مفعولیت ہے، ہمت، دشمنوں کی سنگ دلیوں کی نذر نہیں ہوسکتی۔ ہمت، دشمنوں کی سنگ دلیوں کا جواب ہی ہوسکتی ہے اسلئے "نیاز" کا لفظ "جواب" کی جگہ اصلاحِ غیر ہے۔
مقطع "مخطوطے" میں یوں ہے:

ہزار آفت و یک جانِ مستمند (اسد)
خدا کے واسطے اے شاہِ بیکساں فریاد

گ۔م میں "جانِ بے نوائے اسد" ہے۔ جناب امتیاز علی خاں عرشی نے "اختلافِ نسخ" کے تحت اس شعر کے سلسلے میں کوئی اظہار نہیں کیا ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ نسخۂ بھوپال کی ابتدائی قرأت بھی یہی ہے۔ "جانِ مستمند" کو "مخطوطے" کے کھوٹے کردار کی روشنی میں اصلاحِ غیر سمجھنا چاہیئے۔
الف۔گ کے ورق ۱۱۸ الف اور عین کے ص۳۵ پر غزل ۲۶ ہے۔ اس میں سات شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال کے حوالے سے گ۔م میں ص۱۴۱ اور ص۲۴۲ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

دانہ ہائے سرشک لاتی ہے
مژہ ہے ریشۂ رزِ انگور

نسخۂ بھوپال میں پہلا مصرع یوں ہے:

بار لائی ہے دانہ ہائے سرشک

"مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:

کیجیے چوں اشک اور قطرہ زنی

اے اسد سب ہے ہنوز دہلی دور

نسخۂ بھوپال میں" محاورے کے مطابق "دلّی" ہے۔ محاورہ میں دلّی ہے۔ دہلی نہیں اسلئے مقطع میں اس لفظ کی کتابت یقیناً میرزا کی تحریر کے مطابق نہیں ہوئی ہے۔ اس سے جہاں اس غزل کا بخطِ غالب نہ ہونا ثابت ہے۔ وہاں مندرجہ بالا دونوں مصرعوں میں قرأت اور املا کا اختلاف الحاقی الفاظ کی وجہ سے ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۶۷ شروع ہوتی ہے۔ اس میں سات شعر ہیں۔ پانچ شعر اس صفحے پر، ایک شعر اور مقطع اگلے صفحے پر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۳۹ اور ص ۴۰ پر درج ہے۔ اس میں بھی سات شعر ہیں، لیکن حاشیۂ نسخۂ بھوپال کا ایک شعر "مخطوطے" میں نہیں ہے اسکے بجائے ایک نو دریافت شعر "مخطوطے" میں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے، کہ "آئینے" کے بجائے "آئینہ" ردیف میں لکھا ہے، جو میرزا کے طریقے کے خلاف ہے۔ پچھلے صفحات کی غزلوں میں لاتے، شیشے، اور آئینے کے الفاظ موجود ہیں۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں لکھا ہے:

بدگماں کرتے ہیں عاشق کو خود آرائی تیرے

بیدلوں کو ہے ہلاکِ اضطرابِ آئینہ پہ

پہلا مصرع عجوبہ ہے، اور کسی طرح میرزا سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ گ م میں مصرع یوں ہے:

بدگماں کرتی ہے، عاشق کو خود آرائی تری

"مخطوطہ" اگر میرزا کے قلم کا ہوتا تو یہ غلطی نہ ہوتی۔ اگر سبقتِ قلم سے یہ غلطی سرزد ہوجاتی، تو نظرِ ثانی کے

وقت اس کی اصلاح ضرور کی جاتی، اور میرزا اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہو کر زاید نقطے کو ضرور کھرچ دیتے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر یوں لکھا ہے:

نازِ خود بینی کے باعث مجرمِ صد بے گناہ
جوہرِ شمشیر کو ہے پیچ تاب آئینہ پر

یہ شعر "مخطوطے" میں جس قرأت کے ساتھ ہے، وہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے، کہ "مخطوطہ" جعلی ہے، نسخۂ بھوپال میں شعر یوں ہے:

نازِ خود بینی کے باعث خونِ صد بے گناہ
جوہرِ شمشیر کو ہے پیچ و تاب آئینہ پر

"مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کی قرأت درج ہے۔ "مخطوطے" کی کتابت کا اختتام ۱۲۳۱ھ میں ثابت کیا گیا ہے۔ اس میں نسخۂ بھوپال (۱۲۳۷ھ) کی قرأت کے بجائے شعر کی اصلاح یافتہ شکل ہے۔ جو نسخۂ شیرانی (۱۲۴۲-۴۳ھ) میں ہے۔ "مخطوطے" کو جعلی ثابت کرنے کے لئے صرف یہی ایک مثال کافی تھی۔
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

دل کو توڑا جوشِ بیتابی سے غافل کیا کیا
رکھدیا پہلو بہ وقتِ اضطراب آئینہ پر

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں یہ مقطع ہے اور مصرعِ اوّل میں غافل کی جگہ غالب ہے اور بھی اصلاحاتِ معکوس "مخطوطے" میں ہیں۔ جن میں غالب اور غافل کی ادلا بدلی کی گئی ہے۔
"نو دریافت" شعر یہ ہے:

ناتوانی نے نہ چھوڑا بسکہ پیش از عکسِ جام
سُفتِ واگستردنی ہے فرشِ خواب آئینہ پر

یہ شعر میرزا کا یوں نہیں ہو سکتا کہ مصرعِ ثانی میں "وا" کا لفظ صرف وزن پورا کرنے کے لئے

صرف ہوا ہے۔ کیونکہ "وائے" معنوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ "فرشِ خواب" آئینہ پر نہیں، آئینہ میں بچھانا کہا جا سکتا تھا۔ ردیف "آئینہ پر" قافیہ "خواب" سے دست وگریبان نہیں ہے، اس کے علاوہ پہلے مصرع کا دوسرے مصرع سے کوئی ربط نہیں ہے۔ دوسرے مصرع میں "سقف" بھی حشو وزوائد میں سے ہے، یہ کوئی دلیل نہیں ہو سکتی، کہ انھیں وجوہ کی بنا پر میرزا نے یہ شعر نسخۂ بھوپال میں نقل نہیں کرایا۔ سوال یہ ہے، کہ میرزا یہ شعر کہہ سکتے تھے؛ نہیں، قطعی نہیں۔ دوسرے اشعار سے یہ بالکل مختلف ہے۔ اس الحاقی شعر کی موجودگی سے "مخطوطہ" جعلی قرار پاتا ہے۔

مقطع، "مخطوطے" میں یہ ہے:

ہو نگاہِ گلرخاں کو سدِّ اسکندر اسد

گر کرے یوں اہرنہی بوتراب آئینہ پر

گ م میں، یہ مقطع سے قبل کا شعر ہے، اور پہلا مصرع یہ ہے:

سدِّ اسکندر ہے بہرِ نگاہِ گلرخاں

"مخطوطے" کے جعلی کردار کو دیکھتے ہوئے بہت محتاط ہو کر بھی، یہی کہا جا سکتا ہے، کہ مخطوطے میں مقطع تحریف سے بنایا گیا ہے اور یہ تحریف میرزا کے عہد میں نہیں ہوئی ہے۔

الف کے ورق ۱۸ اب اور عین کے ص۳۶ پر ایک "نو دریافت" غزل سہل ممتنع میں ہے، شعر سقم سے پاک نہیں، لیکن یہ غزل ناقابلِ فہم نہیں۔

مطلع ہے:

دنداں کا خیال، چشمِ تر کر

ہر دانۂ اشک کو گہر کر

دانت چونکہ موتی ایسے ہوتے ہیں۔ اسلیئے دنداں کا خیال کرنے کے یہ معنی ہونا چاہیئے، کہ ان کا جواب نہ پیدا کیا جائے، یعنی آنسو موتی نہ بننے پائیں۔ مصرع ثانی اگر میرزا کا ہوتا، تو وہ "دانۂ اشک" کے بجائے "قطرۂ اشک" کہتے۔ ان دو غلطیوں سے قطع نظر اس مطلع میں ایک بڑا عیب یہ ہے، کہ

صرف معشوق کے دانتوں کو موتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہاں تو عاشق نے اپنے دانتوں کو بالواسطہ طور سے موتی کہدیا ہے۔ یہ مطلع کسی متشاعر ہی کے زورِ طبع کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ شاعر یہ شعر نہیں کہہ سکتا۔ میرزا تو مذاق میں بھی ایسا شعر نہیں کہتے۔

دوسرا شعر ہے:

آتی نہیں نیند ائے شبِ تار
افسانۂ زلفِ یار سَر کر

"زلف کے سر ہونے تک" سے یہ خیال چرایا گیا ہے، لیکن بات بنی نہیں، کیونکہ افسانہ کہا جاتا ہے سر نہیں کیا جاتا۔ یہ بھی میرزا نہیں کوئی مبتدی متشاعر ہی کہہ سکتا تھا۔

تیسرا شعر ہے:

اے دل بخیالِ عارضِ یار
یہ شامِ غم آپ پر سحر کر

شاید کہنا یہ تھا کہ "اے دل عارضِ یار کے تصور میں شامِ غم کاٹ دے" لیکن یہ مضمون ادا نہیں ہوا۔ ایک معمولی خیال تک نظم نہیں ہو سکا۔ یہ بھی کسی مبتدی متشاعر کا کارنامہ ہے۔ میرزا پر اس شعر کے کہنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

چوتھا شعر ہے:

ہر چند امید دور تر ہو
اے حوصلہ سعی بیشتر کر

دور کی جگہ دور تر میرزا تو صرف وزن پورا کرنے کے لئے نہیں لکھتے۔ پھر امید دور ہونا کون سا مضمون ہے؟ یہ شعر بھی میرزا کا نہیں ہو سکتا۔

پانچواں شعر ہے:

میں آپ سے جا چکا ہوں اب بھی
اے بیخبری اُسے خبر کر

قطع نظر اس کے کہ بیخبری کو مخاطب کرنا محلِ نظر ہے: میرزا اگر یہ مضمون کہتے تو یوں کہتے:

میں خود سے گذر چکا ہوں پھر بھی

شعر گڑھنے والا میرزا کے مزاج سے واقف نہیں تھا۔
مقطع ہے؛

افسانہ، اسدؔ بہ ایں درازی

اے غمزدہ قصہ مختصر کر

افسانہ، طویل مختصر افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ درازی کا صرف غلط ہے۔ افسانہ کون سا؟ چھوٹی بحر میں شعر کہنا بہت مشکل ہے، پھر میرزا کے رنگ میں تو اور بھی مشکل ہے، یہ غزل سراسر الحاقی ہے۔
اسی صفحہ پر غزل ۶۹ ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۱۴۰ اور ص۱۴۱ پر درج ہے:
"مخطوطے" میں مطلع یوں ہے؛

بینش بسعیٔ ضبطِ جنوں نوبہار تر

دل در گدازِ نالہ نگاہ آبیار تر

نسخۂ بھوپال میں دوسرا مصرع یہ ہے؛

دل در گداز نالہ نگاہ آبیار تر

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع نسخۂ شیرانی کی قرأت کے مطابق ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کی قرأت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ میرزا نے ابتدائی قرأت پر جو اصلاح کی، وہ نسخۂ بھوپال میں لکھی گئی، اس پر بھی اصلاح کی اور ابتدائی قرأت پر واپس آ گئے اور یہ نسخۂ شیرانی میں لکھی گئی۔ ایک آدھ مثال ہوتی تو شاید یہ بات باور کی جا سکتی تھی لیکن اتنی بڑی تعداد میں ایسی مثالیں ہیں کہ ان کو حقیقت نہیں سمجھا جا سکتا۔ "مخطوطے" کے ناقل نے غلط اور غیر معتبر مصدر سے، عقل کا کم سے کم استعمال کرتے ہوئے "مخطوطے" کی کتابت کی۔ یہاں بھی "مخطوطہ" کھوٹا ثابت ہوتا ہے۔
مخطوطے میں دوسرا شعر ہے:

قاتل بعزمِ ناز و دل از زخم در گداز

شمشیر بار در نگاہ آبدار تر

گ م میں مصرع اول یوں ہے؛

قاتل بعزمِ ناز و دل از زخم در گداز

"مخطوطے" میں زخم کی جگہ رخم بے معنی اصلاح معکوس ہے، چونکہ "مخطوطے" میں مختلف صفحات پر مختلف قلموں سے اصلاح دکھائی گئی ہے، اس لئے یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکے گی کہ دو نقطے رہ گئے ورنہ زخم لکھنا ہی مقصود تھا۔

مقطع پہلے یوں لکھا گیا تھا:

آئینۂ رنجِ حیرت و حیرت شکنجِ یاس

سیماب بیقرار و اسدؔ بیقرارتر

مصرع اول میں رنج قلمزد کر کے داغ لکھا گیا ہے۔ اور اس طرح قرأت نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے مطابق ہو گئی ہے۔ رنج ہلکا لفظ ہے اور قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ میرزا نے یہ لفظ مصرع موزوں کرتے وقت استعمال کیا ہوگا۔

الف کے ورق ۱۹ الف اور عین کے ص۳۱ پر غزل ر ۲ ہے جس میں چھ شعر ہیں۔ تین شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۱۱۶ پر ہیں۔ مقطع اور دو شعر متداول دیوان (ن س) میں ص۱۶۱ پر ہیں۔

مطلع "مخطوطے" میں پہلے یوں تھا:

فسونِ یک دلی ہے لذتِ بیدادِ دشمن پر

کہ برق از وجد جوں پروانہ بال افشاں ہے خرمن پر

اصلاح کے بعد مصرع ثانی گ م کی قرأت کے مطابق ہو گیا ہے۔

کہ وجدِ برق جوں پروانہ بال افشاں ہے خرمن پر

لیکن یہ نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ نسخۂ بھوپال میں مصرع ثانی میں جوں نہیں چوں ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مخطوطہ بخطِ غالب نہیں ہے اور اصلاح سے پہلے جو مصرع دکھایا گیا ہے وہ اصلاح معکوس کی کارفرمائی کی وجہ سے ہے۔ اصلاح کے بعد جو قرأت ہوئی ہے وہ چونکہ نسخۂ شیرانی کے مطابق ہے اس لئے وہ بھی ابتدائی قرأت نہیں۔

"مخطوطے" میں چوتھے شعر میں اصلاح ہے۔ اصلاح سے پہلے شعر یوں تھا:

میں اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ باندھے ہے

شعاعِ مہر سے جرمِ نظارہ چشمِ روزن پر

مصرع ثانی میں "جرمِ نظارہ" قلمزد کر کے اس کے نیچے "تہمت نگہ کی" لکھا گیا ہے اور اس طرح

مصرعِ ثانی کی قرات نسخۂ بھوپال کے مطابق ہوتی ہے، لیکن حنیف کماؔل کو اصرار ہے کہ "جرمِ نظارہ" اصلاح معکوس کے بعد لکھا گیا تھا۔ اس کا ثبوت "جرمِ نظارہ" مانند کیا جا سکتا، باندھا نہیں جا سکتا۔

مصرعِ اول میں "باندھے ہے" بھی الحاقی اصلاح ہے۔ میرزا زبان کے شاعر نہیں تھے لیکن زبان سے نابلد بھی نہیں تھے۔ "جرمِ نظارہ باندھے ہے" میرزا تو کیا، کوئی متشاعر بھی نہیں لکھتا۔ مصرعِ ثانی جیسا کہ اصلاح سے پہلے لکھا گیا تھا۔ الحاقی قرار پاتا ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

یہ کیا وحشت ہے اے دیوانہ پیش از مرگ واویلا

رکھی بے جا بنائے خانۂ زنجیر شیون پر

نسخۂ بھوپال میں شعر کی یہی قرات ہے۔ گ م میں، مصرعِ اول میں "دیوانے" ہے، خیال ہے کہ یہی املا نسخۂ بھوپال میں بھی ہوگا۔ خود اس "مخطوطے" میں جس کے بخطِ غالب ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے، الف ... ورق ۵ الف اور عین کے ۹ پر "لاکے کے داغ" کا الف کے ورق ۹ الف اور عین کے ۱۷ پر "یاں شیشے کا" الف کے ورق ۱۲ الف اور عین کے ۲۳ پر "بسکہ آئینے نے پایا" لکھا ہے اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اس مصرع میں بھی "دیوانے" ہوتا۔ یہ بھی ایک عنصر ہے، جو اس مخطوطے کے بخطِ غالب نہ ہونے کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ اور جگہ پر تو وہ الفاظ "بول چال" یعنی صوتی صورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے لکھتے اور یہاں اپنے اس اصول کو نظرانداز کر دیتے۔

اسی صفحے پر غزل ۱۱ ہے جس میں بشمولِ مطلع و مقطع چھ شعر ہیں۔ مقطع اور چار شعر گ م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص ۵۴ پر درج ہیں۔ مطلع متداول دیوان میں ہے۔ مقطع اور دو شعروں میں اختلافِ نسخ ہے، ورنہ کچھ نہ ہوتا تو مقطع اور ایک شعر میں جو اختلافِ نسخ ہے، وہ اس "مخطوطے" کو جعلی ثابت کرنے کے لیے بہت کافی تھا۔ "مخطوطے" میں چوتھا شعر یوں لکھا ہے

تڑپ کر مر گیا وہ صید بال افشاں کہ مضطر تھا

ہوا ناسور چشمِ تعزیت زخمِ خدنگ آخر

مصرعِ اول کو دیکھیے، اس میں "تڑپ" کے بجائے "تڑپھ" لکھا ہے۔ عین کے حواشی میں بہت درست نشاندہی کی گئی ہے کہ "تڑپھ" قدیم املا اور تلفظ ہے، لیکن میرزا بھی تڑپھ

سکتے تھے، اس کی شہادت کہیں نہیں ملتی۔ پھر دوسرے مصرع میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ "مخطوطہ" ۱۲۴۲ھ - ۱۲۴۲ھ کے بعد لکھا ہے، کیونکہ یہ نسخۂ بھوپال کی نہیں، نسخۂ شیرانی کی قرأت کے مطابق ہے، نسخۂ بھوپال میں مصرع یہ ہے:

ہوا نا سورِ چشم تعزیت چشمِ خدنگ آخر

اختلافِ نسخ کے باب میں ص۹۴ پر جناب امتیاز علی خاں نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ زخمِ خدنگ نسخۂ شیرانی میں ہے (حقیر کمال کا خیال ہے کہ "غنچۂ خدنگ" ہوگا۔ "چشمِ خدنگ" نہیں)

یہی کہانی مقطع میں بھی ہے۔ "مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:

(اسدؔ) پیری میں بھی آہنگ شوقِ یار قائم ہے

نہیں ہے نغمے سے خالی خمیدن ہائے چنگ آخر

اختلافِ نسخ کے باب میں، جو معلومات عرشی صاحب نے فراہم کی ہیں، ان کے مطابق مصرع اول میں "پیری" (۴) نسخۂ شیرانی میں ہے۔ نسخۂ بھوپال میں مصرع یوں ہے:

اسدؔ پردے میں بھی آہنگ شوقِ یار قائم ہے

قطع نظر اس کے کہ مصرع ثانی میں "نغمے" کے بجائے "نغمہ" لکھا ہے۔ جو میرزا کا املا نہیں ہے اس کے مصرع اول کی جو قرأت ۱۲۴۳ھ کے "مخطوطے" میں دکھائی گئی ہے اور اس کے غلط ہونے کی ایک شہادت تو یہ ہے کہ نسخۂ بھوپال کے بجائے یہ نسخۂ شیرانی کے مطابق ہے۔ دوسری شہادت یہ ہے کہ بارہ پندرہ یا سترہ برس کی عمر میں میرزا مقطع میں خود کو خمیدہ بڑھا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ "پردے" کے ساتھ مقطع نوجوانی کا ہے اور یقیناً ۱۲۳۱ھ سے پہلے مقطع میں یہی لفظ ہوگا جو ۱۲۳۱ھ میں نسخۂ بھوپال میں لکھا گیا، نسخۂ شیرانی کی کتابت کے وقت ہی اس میں پیری کا لفظ اصلاح سے رکھا گیا ہوگا یہی قیاس غالب ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن نسخوں کو سامنے رکھ کر اس "مخطوطے" کا بلیو پرنٹ تیار کیا گیا تھا ان میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے اختلاف کے بارے میں ضروری معلومات درج نہیں تھیں ان شہادتوں کی بنا پر پانچویں شعر کے پہلے مصرع کو الحاقی سمجھنا چاہئے۔

"زہد مستی ہے نو شاں ہوا ویرانہ میخانہ" (۱) طرح مصرع کو قلمزد کرکے حاشیے پر جو مصرع لکھا گیا وہ جلد بندی میں کٹ گیا، عرشیؔ کے حواشی میں اسکو نسخۂ بھوپال کا مصرع بتایا گیا ہے۔ شعر یوں ہوا:

نگی یار دا نگا بر تی ـ [illegible] پہلی ہوتی قسترہ فرمائی ہے ایران [illegible]

مندرجہ بالا دو شعروں میں "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے اور ۱۲۳۱ھ میں نہ لکھے جانے کی ناقابلِ تردید شہادت موجود ہے۔ مصرعوں کی وہ صورت جو ۱۲۳۱ھ کے بعد نکھری اس میں کیسے موجود ہے، یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ۱۲۳۱ سے پہلے مصرعوں کی جو شکل تھی ان کو اصلاح سے بدل گیا۔ نسخۂ بھوپال میں لکھوایا گیا، پھر اصلاحوں کو کالعدم کرکے ۱۲۳۱ھ سے پہلے کے مصرعے نسخۂ شیرانی میں پھر لکھوائے گئے۔

مخطوطہ "جعلی" ہے۔

الف کے ورق ۱۹ ب اور عین کے ۳۸ پر غزل ۲ ہے۔ اس میں بشمولِ مطلع و مقطع پانچ شعر ہیں۔ مطلع، مقطع اور دو شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ۱۱۳ پر درج ہیں۔ مطلع کے بعد کا شعر متداول دیوان میں ہے "مخطوطے" میں شعر یوں ہے:

ستم کش مصلحت سے ہوں، کہ خوباں تجھ پہ مائل ہیں

"تکلف برطرف مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

متداول دیوان میں جناب مالک رام اور جناب امتیاز علی خان عرشی نے شعر کی یہ قرأت دی ہے

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں

تکلف برطرف مل جائیگا تجھ سا رقیب آخر

اختلافِ نسخ کے تحت عرشی صاحب نے اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ "گب" میں، مصرعِ اول میں "عاشق ہیں" کی جگہ "مائل ہیں" ہے اور مصرعِ ثانی میں "تجھ سا" کے بجائے "تجھ سے" ہے۔ مزید یہ کہ نسخۂ شیرانی میں املا کا بھی ایک فرق ہے۔ مصرعِ ثانی میں "تجھسا" ہے۔

عرشی صاحب نے یہ واضح نہیں کیا ہے کہ گب کس نسخے کی علامت ہے۔ لیکن قیاس غالب ہے کہ یہ شیفتہ کا تذکرہ "گلشنِ بے خار" ہے۔ جو ۱۸۳۵ء (۱۲۵۰ھ) میں مکمل ہوا تھا۔ شیفتہ نے چونکہ اپنے تذکرے میں غالب کے سلسلے میں یہ ذکر بھی کیا ہے کہ "فراواں ابیات ازآں، دیوان عنوت

ساقط کردہ قدرے قلیل انتخاب زدہ" اور نسخۂ بھوپال (۱۲۳۱ھ) نسخۂ شیرانی (۱۲۴۲-۱۲۴۳ھ) گلِ رعنا (۱۲۴۵ھ) اور نسخۂ رام پور (۱۲۴۸ھ) میں لکھے جا چکے تھے، اور کوئی تعجب نہیں کہ پہلے مطبوعہ ایڈیشن کے لئے جو ۱۲۵۷ھ میں شائع ہوا۔ میرزا انتخاب بھی کر رہے ہوں، جس سے شیفتہ یقیناً واقف تھے۔ گلشنِ بے خار میں فراواں ابیات حذف اور ساقط کرنے کا اشارہ یوں تو مندرجہ بالا تمام نسخوں کی طرف ہو سکتا ہے، لیکن زیادہ قوی قیاس مطبوعہ ایڈیشن کے لئے ہونے والے انتخاب کی طرف ہونے کا ہے۔ بہر حال یہ بات مسلّم ہے کہ شیفتہ نے جو قرآت اس شعر کی دی ہے اور جس میں "عاشق ہیں" کی جگہ "مائل ہیں" ہے، وہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے بعد کی ہے، اس قرآت کا "مخطوطے" میں ہونا اس کو جعلی ثابت کر دیتا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مصرعِ ثانی میں نسخۂ بھوپال میں "سمجھا" ہے اور نسخۂ شیرانی میں "سمجھا"

چوتھا شعر مخطوطے میں یوں ہے:

غرورِ ضبط وقتِ نزع ٹوٹا بیقرارانہ
نیازِ بال افشانی ہوا صبر و شکیب آخر

نسخۂ بھوپال میں شعر کی قرآت یہی ہے، نسخۂ شیرانی میں جو قرآت ہے، وہ گلِ رعنا میں درج ہے:

غرورِ ضبط وقتِ نزع ٹوٹا بیقراری سے
نیازِ پرفشانی ہو گیا صبر و شکیب آخر

اگلی غزل کا جائزہ لینے سے پہلے اس "مخطوطے" کی ایک خصوصیت کے بارے میں عرض کر دیا جائے میرزا دال اور واو ملا کر بھی لکھتے تھے۔ (ذر) اور دونوں حرف الگ الگ بھی لکھتے تھے (دو) لیکن اس "مخطوطے" میں ہر جگہ ذر لکھا ہے۔ جس لفظ میں ذال ہے وہاں ذر ہے۔ جن کے صفحات پہ یہ الفاظ ہیں: ۲۔ ذرق۔ ۳۔ ذرد، ذرق۔ ۴۔ جاذر، ذرد، ذریدا، ذرق۔ ۵۔ ذرست، ۶۔ ذرں، ۷۔ ذرق، ذرجہاں ذرش، ۹۔ ذرد۔ ۱۰۔ ذرد، ذرد، ذرد ۱۱۔ ذرست، ذرری۔ ۱۲۔ ذرق۔ ۱۳۔ جاذر۔ ذرر ۱۵۔ گرذرں ذرلے ذرو، ۱۶۔ رنجور ذرں۔ ۱۷۔ ذرستی، ۱۸۔ ذرر، گرذرں، ذرق۔ ۱۹۔ ذرق۔ ۲۱ ذرق، ۲۲۔ ذرست ذرد۔ ذرر ۲۳، ذرچار۔ ۲۵، ذرد، ذرق، ذرکان۔ (جو میرزا کا املا نہیں ہے) ذرں ۲۶: ذر ۲۷ ذرست ۲۸: "ذرست" ردیف کی غزل (چھ شعر بشمولِ مطلع و مقطع) ۲۹: ذرد، ذرشش، ۳۰: ذرد، ذرر ۳۱: ذرید ۳۲: ذرست، ۳۴: ذرد، ذرستاں، ذرما۔ ۳۵: ذرر ۳۶: ذرتر، ۳۹: ذرر، ذرر، ۴۰: ذرختن، ذرر

۴۳: درست، در، درو، درچار ۴۴: درد، ۴۵: در۔ دران، ۴۷: درتا، ۴۸: درا، ۴۹: درر ۵۱: درجہاں، درق۔ ۵۲۔ آزادرنکو۔ ۵۵: درد۔ ۵۶: درد، ۵۷۔ صاحب درتاں، درر، درالی (دوالی) ۶۱: درستوں۔ درق (اور حاشیے پر "بخطِ غیر" درر) ۶۳: دران، درر ۶۴: درں، ۶۵: گردرں: درر، درد، بردرتہا
۶۶: در۔ ۷۱: درمیان، ۷۳: در عالم ۷۴: دردو غم، در درغم نہیں لکھا تعجب ہے! ۷۶: درد ۷۷:
درر، درمیئے۔ ۷۹: درر، ۸۱: درق، درق، درر، ۸۲: درق، درا یندان، درر، گرم درں۔ ۸۳:
درق، در ۸۴: درر، درد (قلم زد) درد، درختہ، ۸۶: حاشیے پر "بخطِ غیر" درے۔ ۸۹ درد
۹۰: درر درزی ۹۱: در، ۹۳: گردر نہیں، فردرس، ۹۴: درق۔ حاشیے پر "بخطِ غیر" دو۔ ۹۶: درد
درق ۹۹: درد، در، ۱۰۰: درر، درستاں، ۱۰۳: درر، درد، درق، دردم ۱۰۴: درر، درستی ۱۰۵: جراحت
درزی ۱۰۶ درق، ۱۰۷: درا، ہرزہ درری ۱۰۸ درق، درق ۱۰۹: درد، ۱۱۰: درر، درد ۱۱۲: در لست
۱۱۳: دردہ۔ ۱۱۴: در، ۱۱۷ یا در، ۱۱۷: درر، درشرا، ۱۱۸: درپانی، ۱۲۰: فرد ہر نگو، ۱۲۲: در، ۱۲۲: درستی
۱۲۴: در۔ ۱۲۵: ترقیے میں درپیہر۔

ایک جگہ بھی دَ اور رَ الگ نہیں ہیں، سوائے ان جگہوں کے جہاں ملا کر لکھنا ممکن نہیں تھا۔ جیسے اندودہ یا بذوق۔ جو لوگ میرزا کے مزاج سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ میرزا ایک ہی خط میں در بھی لکھتے تھے اور دوسرے دن بھی۔ محمد حسین خان کے نام میرزا کے خط کا عکس، جو پروفیسر عبد القادر سروری سے حاصل ہوا، اس وقت پیشِ نظر ہے۔ "مرقعِ غالب" میں بہت سی جگہوں پر در اور دَر موجود ہیں۔ یائے مجہول اور یائے معروف بھی وہ کسی طرح سے لکھتے تھے اور دونوں میں فرق نہیں کرتے تھے۔ کشادہ، زیادہ اور ایسے ہی الفاظ میں الف اور ہ مختلف جگہوں پر مختلف طریقے سے لکھتے تھے۔ کمال اور خیال وغیرہ میں الف اور لام ملا کر بھی لکھتے تھے اور الگ الگ بھی۔ ہے بھی لکھتے تھے اور ھے بھی۔ تھے بھی لکھتے تھے اور تھے بھی۔ کہ بھی لکھتے تھے اور کہ بھی۔ لیکن اس مخطوطے میں دَر کہیں نہیں ہے۔ اس طرح کہ بھی نہیں ہے اور یہ نسخے کے جعلی ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ ملاحظہ ہوں اس کتاب میں میرزا کے "اصلی" تحریروں کے عکس)

الف کے اوراق ۱۹ ب، ۲۰ الف اور ٹمین کے صفحات ۳۸ اور ۳۹ پر دو ہم طرح غزلیں ہیں۔ ردیف "ہنوز" اور قافیہ تغافل اور گل وغیرہ۔ پہلی غزل کے دو مصرعوں میں ذرا سی ہیرا پھیری ہے۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں جہاں رنج ہے وہاں "مخطوطے" میں درد ہے، مقطع میں جہاں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں "سازِ طرب" ہے وہاں مخطوطے میں "رنج طرب" کر دیا ہے۔ گویا پچاس فیصدی انصاف یوں کر دیا گیا کہ ایک جگہ سے "رنج" ہٹایا تو دوسری جگہ لگا دیا۔ یہ زندہ دلی ہے مقطع میں "صدائے شکست" سے پہلے "صدائے طرب" لکھا جا رہا تھا لیکن "ب" لکھنے سے پہلے ارادہ بدل

دبا گیا۔ طرزِ شکست کے سش کی کشش میں موجود ہے۔ "مخطوطے" میں مقطع یہ ہے:

دل کی صدائے شکست رنجِ طرب ہے (اسد)
شیشۂ بے بادہ سے جا ہے ہے قلقل ہنوز

"رنج" کو چاہے یونہی پڑھیئے، یا کسرۂ اضافت کے ساتھ پڑھیئے، یہاں کوئی معنی نہیں دیتا۔ یہ اصلاح غیر ہے۔

اسی زمین میں جو دوسری غزل ہے، اس کا مطلع "مخطوطے" میں یوں لکھا ہے:

چاکِ گریباں کو ہے ربطِ تامل ہنوز
غنچہ میں دِل تنگ ہے حوصلۂ گل ہنوز

میرزا کی یہ تحریر ہوتی تو دوسرے مصرع میں "غنچے" لکھا ہوتا۔ شہادتیں پچھلے صفحات میں گذر چکی ہیں۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

لذتِ تقریرِ عشق، بہرِ دگی گوشِ دل
جوہرِ افسانہ ہے عرضِ تجمّل ہنوز

یہ دونوں غزلیں گ م میں صفحات ۴۳ و ۴۴ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہیں، نسخۂ بھوپال میں شعر کا قافیہ "تحمل" ہے۔ نسخۂ شیرانی میں قافیہ "تجمل" ہے۔ اگر یہ "مخطوطہ" کھرا ہوتا، تو نسخۂ شیرانی کی بجائے نسخۂ بھوپال کا قافیہ اس میں ہوتا۔ کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ میرزا نے جو اصلاح نسخۂ بھوپال کی کتابت کے وقت کی تھی، وہ نسخۂ شیرانی کی کتابت کے وقت واپس لے لی؟

"مخطوطے" کا جعلی ہونا ثابت ہے۔

الف کے ورق ۳۰ الف اور عین کے ص۳۹ پر غزل ۵ ہے۔ ایک شعر متداول دیوان میں ہے، باقی غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۴۲ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں ہے:

جوں جادہ سربکو ہے تمنا ہے بے دلی
زنجیرِ پا ہے رشتۂ حب الوطن ہنوز

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں "بکوے تمنا سے بیدلی" ہے۔ خطوط نگار کی رسائی چونکہ میرزا کی کسی ایسی بیاض تک نہیں تھی۔ جو نسخۂ بھوپال سے پہلے کی ہوتی اسلئے "ہے" کو اصلاحِ غیر سمجھنا درست ہے۔
الف کے ورق ۲۰ ب اور عین کے ص ۱۴۸ پر غزل ۶۷ ہے۔ یہی غزل معمولی سے اختلافِ نسخ اور اشعار کی مختلف ترتیب کے ساتھ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۲۴۴ پر درج ہے۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

مجنوں فسونِ شعلہ خرامی فسانہ ہے

ہے جادہ شمع داغِ نیفسردختن ہنوز

گ م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

ہے شمع جادہ، داغِ نیفسردختن ہنوز

مخطوطے کے کردار کے پیشِ نظر یا تو یہ کہا جا سکتا ہے، کہ یہ اصلاحِ غیر ہے۔ یا پھر ناقل کی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔
چوتھا شعر مخطوطے میں یوں لکھا ہے:

فانوسِ شمع ہے کفنِ ضبطِ مردگاں

درپردہ ہے معاملۂ سوختن ہنوز

گ م میں مصرعِ اوّل یوں ہے:

فانوسِ شمع ہے کفنِ کشتگانِ شوق

یہ بہت واضح بات ہے، کہ میرزا "کفنِ ضبطِ مردگاں" نظم نہیں کرتے۔ مردگاں مرے ہوئے لوگوں کو کہتے ہیں۔ چاہے وہ کسی وبا میں مرے ہوں۔ عمرِ طبعی پر پہنچ کر مرے ہوں۔ یا کسی حادثے کا شکار ہوئے ہوں۔ مردگاں سے شعر پست ہی نہیں ہوتا بلکہ بے معنی بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا "کفنِ ضبطِ مردگاں" اصلاحِ غیر ہے۔
اسی صفحے پر غزل ۶۸ ہے، جس میں بشمول مطلع و مقطع سات شعر ہیں۔ مطلع، مقطع اور تین شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۲۴۳ پر درج ہیں۔ دو شعر متداول دیوان میں ہیں۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں ہے: وسعتِ سعیِ کرم دیکھ کہ سرتاسرِ خاک

گذرے ہے آبلہ پا ابرِ گہر بار ہنوز

یہ شعر متداول دیوان میں ہے، نسخۂ سالک رام میں ملتا ہے اسکی یہی قرأت ہے۔ نسخۂ عرشی (نوائے سروش) میں ص۱۲۷ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے اس شعر کی یہی قرأت دکھائی گئی ہے، جو درست نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اختلافِ نسخ کے باب میں ص۲۴۷ پر یہ بتایا گیا ہے، کہ مصرعِ ثانی میں "گذرے" نسخۂ شیرانی، نسخۂ رامپور، دیوانِ غالب کے چوتھے اور پانچویں ایڈیشنوں میں ہے۔ اس سے دو نکتے ابھرتے ہیں۔ نسخۂ عرشی میں ص۱۲۷ پر نسخۂ شیرانی کا حوالہ زیادہ مناسب تھا، کیونکہ اس میں جو قرأت ہے، وہی درج ہے۔ دوسرا نکتہ جو "مخطوطے" کے سلسلے میں اہم ہے، یہ ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں جو قرأت ہے، وہ "مخطوطے" میں نہیں ہے۔ بلکہ "گذرے"، نسخۂ شیرانی کے مطابق ہے۔ عرشی صاحب نے یہ نہیں لکھا ہے۔ کہ نسخۂ بھوپال میں "گذرے" کی جگہ کیا لفظ ہے۔ وہی مخطوطے میں بھی ہونا چاہیئے تھا۔ یہ نہیں ہوسکتا، کہ میرزا نے جو لفظ ۱۲۳۱ھ تک بیاض میں رکھا ہو۔ وہ چھ برس بعد کے نسخے میں بدل کر لکھوایا۔ پھر اس کے چھ برس کے بعد کے نسخے میں اصلاح کو کالعدم کرکے پھر ۱۲۳۱ کے لفظ پر واپس آگئے۔ ایسی اتنی مثالیں اس "مخطوطے" میں ہیں، کہ سب درست نہیں ہوسکتیں۔ اس نتیجے سے گریز ممکن نہیں، کہ "مخطوطے" کے ناقل کے سامنے جو ماخذ تھے۔ ان میں اس اختلافِ نسخ کی نشاندہی نہیں کی گئی تھی

مخطوطے میں چوتھا شعر ہے:

یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت

نقشِ پا میں ہے تبِ وحشتِ رفتار ہنوز

نقش اور پا میں اضافت کارشتہ ہے، اسلیئے قیاس غالب ہے، کہ الفاظ کو ملاکر لکھنے کی عادت کے باوجود "نقشپا" ملاکر میرزا نہیں لکھتے۔

اختلافِ نسخ کے باب میں عرشی صاحب نے اس بات کی نشاندہی کی ہے۔ کہ بعد کے نسخوں میں، مصرعِ اول میں "اک قلم" اور مصرعِ ثانی میں "تپ" ہے۔ مصرعِ ثانی میں "گرمی" کی جگہ "وحشت" ہونا نسخۂ بھوپال میں نہیں دکھایا گیا ہے، اسلئے اسے اصلاح غیر سمجھنا چاہیئے۔

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

ہوں خموشی چمنِ حسرتِ یک دید اسدؔ
مژہ ہے شانہ کشِ طرۂ گفتار ہنوز

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں مصرعِ اول یہ ہے:

ہوں خموشی چمنِ حسرت دیدار اسدؔ

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی جو قرأت گ۔م میں دکھائی گئی ہے۔ اس سے بھی پہلا مصرع واضح نہیں ہے۔ چمن کا لفظ مصرع میں کوئی کردار نہیں ادا کرتا۔ حقیر کیاں کبھی قیاسی اصلاح کی جرأت نہیں کرتا، لیکن شعر کے یوں بھی ہونے کا امکان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا:

ہے خموشی سخنِ حسرتِ دیدار اسدؔ
مژہ ہے شانہ کشِ طرۂ گفتار ہنوز

بہرحال مصرعِ اوّل کی جو بھی ہیئت ہو۔ "حسرتِ یک دید" میرزا نہیں لکھ سکتے تھے۔ صرف ایک بار محبوب کے جلوے پر قناعت کرنے والی اسامی میرزا نہیں تھے۔ اور یہ انکی افتادِ طبع کے خلاف ہے۔
الف کے ورق ۲۱ الف اور عین کے ص۱۲ پر غزل ۸۰ ہے جو دو مطلعوں، چار شعروں اور مقطع پر مشتمل ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔م میں ص۴۵ پر درج ہے۔
تیسرا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

صد تجلی کدہ یک ناصیۂ غربت ہیں
بیرِ من میں ہے غبارِ شررِ طور ہنوز

(ناصیہ کی ہ پر ہمزہ نہیں ہے، اور نہ مصرعِ ثانی میں اضافتیں ہیں)
گ۔م میں مصرعِ اوّل یوں ہے:

صد تجلی کدہ ہے صرفِ جبینِ غربت

مصرع اول، جیساکہ "مخطوطے" میں ہے، میرزا کا اسلئے نہیں ہو سکتا، کہ اس میں "یک" نہ صرف بےکار ہے، بلکہ شعر کو بھونڈا کر دیتا ہے۔ میرزا اگر لکھتے بھی تو "یک" کی جگہ "ہے" لکھتے

کہ مصرعِ سقم سے پاک رہتا۔ میرزا کے مصرع کی حیثیت سے یہ مسترد قرار پاتا ہے
"مخطوطے" میں چھٹا شعر یوں لکھا ہے:

گل کھلے، غنچہ چٹکنے لگے اور صبح ہوئی
سرخوشِ خواب ہے، وہ نرگسِ مخمور ہنوز

(اضافتیں "مخطوطے" میں نہیں ہیں)

مصرعِ اوّل میں "غنچے" صیغۂ جمع میں ہے، اسلیئے میرزا اپنے قلم سے "غنچہ" نہیں لکھ سکتے تھے۔ یہ بڑی دلچسپ مماثلت ہے، کہ سہوِ کاتب نسخۂ شیرانی میں بھی یہیں پر ہوا ہے، اور وہاں بھی غنچہ لکھا گیا ہے۔ اس سہوِ کاتب کی نشاندہی عرشی صاحب نے اختلافِ نسخ کے باب میں ص۲۸۰ پر کی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ "مخطوطے" کے ناقل کے مصدر نسخے میں بھی یہی غلطی ہو گی۔
اس غزل میں جو دو باتیں عرض کی گئی ہیں۔ اُن سے "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا ثابت ہے۔
اسی صفحے پر غزل ۷۹ ہے، جسمیں بشمولِ مطلع و مقطع سات شعر ہیں۔ مقطع، اور اس سے قبل کے شعر کا مصرعِ ثانی اگلے صفحے پر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔م میں ص۲۸۴ پر ہے۔
مخطوطے میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

ہو پذیرائے تکلّف تحفۂ اہلِ نیاز
اے دل و اے جانِ ناز اے دین و اے ایمانِ عجز

گ۔م میں مصرعِ اول یوں ہے:

ہو قبولِ کم نگاہی تحفۂ اہلِ نیاز

"مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر، اُس میں مصرعِ اول میں اختلاف اصلاحِ غیر کی وجہ سے تصوّر کیا جائے گا۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر پہلے یوں لکھا گیا تھا

بوسۂ پا انتخابِ بدگمانی ہائے حُسن
یہاں ہجومِ سجدہ سے تا سجدہ ہے جولانِ عجز

مصرعِ اول میں بوسہ کی ہ پر ہمزۂ اضافت نہیں ہے، لیکن حُسن کی ح پر پیش موجود ہے۔

مصرع ثانی میں پہلے سجدہ ہی کو عجز بنا دیا گیا ہے اور اس طرح قرأت گ م کے مطابق ہو گئی۔
"سجدہ تا سجدہ" اصلاح معکوس کی گئی تھی۔ لیکن بعد میں خیال آیا کہ بوسہ پا ہے (نقشہائے پا) نقش پا نہیں ہے اسلئے سجدہ کو عجز کر دیا گیا۔ یقیناً سجدہ تا سجدہ، میرزا کی ابتدائی غیر ردیف وار بیاض کے الفاظ نہیں ہوں گے۔

مخطوطے میں پانچواں شعر ہے:

اضطرابِ نارسائی موجدِ شرمندگی
ہے عرق ریزی خجلت جوششِ طوفانِ عجز

گ م میں مصرع اول کا آخری ٹکڑا "مایۂ شرمندگی" ہے، لیکن نسخۂ بھوپال میں پہلے "موجد" ہی لکھا گیا تھا۔

گ م میں "عرق ریزی خجلت" میں ریزی کی ی کے نیچے کسرۂ اضافت نہیں ہے اسی کے اتباع میں الف میں بھی مقابل کے صفحے پر، نستعلیق خواندگی میں یا اضافت غائب ہے۔ لفظ خجلت بروزن عجلت و خلوت وغیرہ ہے۔ جیسے کہ بیدل کے اس شعر میں ہے:

عذرِ بیدردیِ ما، خجلتِ ما خواہد خواست
اشک اگر نیست عرق ہم نم مژگانی ہست

الف کے ورق ۲۱ ب اور عین کے ص۴۲ پر غزل ع۸۰ ہے، غزل میں بشمولِ مطلع و مقطع چھ شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۴۵ پر درج ہے۔
"مخطوطے" میں مطلع کی یہ قرأت ہے:

حاصلِ دلبستگی ہے کوتہی عمر و بس
پائمالِ عقدہائے مشکل تارِ نفس

دل بستگی کا حاصل عمر تو ہو سکتی ہے۔ عمر کی کوتہی دل بستگی کا حاصل نہیں ہو سکتی اسلئے مصرع اول میرزا کا نہیں ہو سکتا۔ اپنے دونوں مصرعوں کے ساتھ مطلع الحاقی قرار پاتا ہے۔
گ م کے مطابق نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں مطلع یوں ہے:

حاصلِ دلبستگی ہے عمر کوتاہ اور بس
وقتِ عرضِ عقدہ ہائے مشکل تارِ نفس

"مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

کیوں نہ طوطیِ طبیعت نغمہ پیرائی کرے

باندھتا ہے رنگِ گُل آئینہ بر چاکِ قفس

گ م میں، مصرعِ ثانی میں "تا چاکِ قفس" ہے، جو نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے، نسخۂ بھوپال میں "بر چاکِ قفس" ہی ہے

چوتھا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

تیز تر ہوتا ہے خشمِ تند خویاں عجز سے

ہے رگِ سنگِ فسانِ تیغ شعلہ خار و خس

نسخۂ عرشی میں، مصرعِ اوّل میں "تند خوباں" ہے۔ نسخۂ ا۔ حمیدیہ کے انتخاب میں جناب مالک رام نے اپنے نسخے میں (ص ۳۳۷ پر) "تند خویاں" لکھا ہے۔ محمد اکرام نے "ارمغانِ غالب" میں ص ۳۵ پر "تند رویاں" لکھا ہے لیکن ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ نسخۂ عرشی کے غلط نامے میں یہ نہیں دکھایا گیا ہے کہ "خوباں"، طباعت کی غلطی ہے۔ دوسری طرف تند اور خوباں میں اضافت کا رشتہ بھی نہیں دکھایا گیا ہے۔ نسخۂ عرشی چونکہ اغلاط سے پاک نہیں ہے۔ اسلئے "خوباں" کا طباعت کی غلطی ہونا بھی ممکن ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ تند میں کسرۂ اضافت رہ گئی ہو۔ "خشمِ تند خویاں" بہتر ہے۔ "خشمِ تندِ خوباں" سے۔ اگر نسخۂ بھوپال میں نسخۂ عرشی میں درج الفاظ ہیں، تو مخطوطے میں "تند خویاں" کسی بعد کے نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

سختیِ راہِ محبت، منعِ دخلِ غیر ہے

پیچتابِ جادہ حکمِ جوہرِ تیغِ عسس

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

پیچ و تابِ جادہ ہے یاں جوہرِ تیغِ عسس

(نسخۂ عرشی میں "پیچ و تاب" چھپا ہے، اور غلط نامے میں یہ غلطی نہیں دکھائی گئی ہے)

نسخۂ شیرانی میں "پیچ وتاب" کی جگہ "پیچتاب" ہے، اور "مخطوطے" میں بھی لفظ اسی طرح لکھا گیا ہے
یہ تو نہیں ہو سکتا، کہ میرزا نے نسخۂ بھوپال کے مصدر نسخے، یا اسکی مصدر بیاض میں "پیچتاب"، لکھا ہو.
نسخۂ بھوپال میں "پیچ وتاب" لکھوایا ہو۔ اور نسخۂ شیرانی میں پھر پہلے املا پر واپس آنے کے لئے
کہا ہو، "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کے خلاف، نسخۂ شیرانی کے مطابق لفظ کا لکھا جانا "مخطوطے"
کے بخطِ غالب نہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اس کے بعد "ہے یاں" کی جگہ "حکم" واضح طور سے اصلاح غیر ہے۔
اسی صفحے پر غزل ۱۸ ہے۔ اس میں پانچ شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور
نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۴۶ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں مطلع کی یہ قرأت ہے:

دشتِ الفتیں ہے خاکِ کشتگاں محبوس وبس
پیچتابِ جادہا خطِ کفِ افسوس وبس

مصرعِ ثانی میں جادہ سے لکھا گیا تھا، لیکن ے کو کھرچ کر ہا کر دیا گیا اور اس کے آثار الف
اور عین میں بھی موجود ہیں۔ جس طرح یہ مصرع، پہلے لکھا گیا تھا. وہ نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے، یعنی

پیچتابِ جادہ ہے خطِ کفِ افسوس وبس

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی قرأتوں میں صرف یہ فرق ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں "پیچ وتاب"
ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کا مصرع لکھا جانا، پھر ۱۲۳۱ھ کی مفروضہ قرأت دکھانے کیلئے
"ہے" کو کھرچنا اور اس کو "ہا" بنانا، "مخطوطے" کو جعلی ثابت کرنے کیلئے ایک اور معتبر شہادت
ہے۔
دوسرے شعر میں، مصرعِ اول کا بدلنا دکھایا گیا ہے، اصلاح کے بعد شعر کی قرأت وہی ہو گئی جو گ م
میں ہے۔ درست سے پہلے شعر یوں تھا:

ہے بزمِ گلرخاں از نیم تیغہا سرمشق
پیچکِ صرف چاکِ پردۂ فانوس وبس

ایک تو مصرعِ اول میں "نیم رنگی ہائے" میں ن کا نقطہ غلط جگہ پر ہے، چلئے سہو ہو گیا۔ "بہ بزم
گلرخاں" کی جگہ "بہ بزم گلرخاں" ہے۔ "بہ بزم" ملا کر لکھا گیا ہے۔ "یہ" کے ہونے کا احتمال بھی نہیں۔

"بہ بزمِ گلرخاں" کو اسی وقت جائز قرار دیا جا سکتا ہے جب "پیچکِ مہ" کے لئے مصرعِ اول میں "ہے" کہا جا سکتا ہو — یہ ممکن نہیں، کیونکہ "از نیم رنگی ہائے شمع" کے کیا معنی ہوں گے بجز پیچکِ مہ نیم رنگی ہائے شمع سے بزمِ گلرخاں میں ہے؟ پھر سب سے بڑی بات ہے کہ اگر "ہے" پیچکِ مہ کے لئے ہے۔ تو "در بزم" کی جگہ "بہ بزم" میرزا لکھتے؟ ان وجوہ کی بنا پر مندرجہ بالا شعر میں مصرعِ اول میرزا کا نہیں، الحاقی ہے۔ اصلاح کے بعد میرزا کا مصرع لکھا گیا ہے:

نیم رنگی ہائے شمعِ محفلِ خوباں سے ہے

("مخطوطہ" حسبِ معمول اضافتوں سے عاری ہے)

"مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں لکھا گیا تھا:

ہے تصور میں نہاں سرمایہ گل زار ہا
کاسۂ زانو ہے مجھکو بیضۂ طاؤس و بس

"مخطوطے" میں "نقسیا"، "ششجہت" وغیرہ الفاظ ہیں۔ حروف کو ملا کر لکھنے کی میرزا کی عادت دکھائی گئی ہے۔ اور دوسری طرف "گلزار" کو الگ الگ "گل زار" لکھا گیا ہے۔ "گل زار ہا" کو گلستاں کیا گیا ہے۔ لیکن اسطرح کہ "گل" کے بعد "زار ہا" پر ستاں لکھا گیا۔ گویا "گل ستاں" یہ طریقہ بھی میرزا کے لکھنے کا نہیں ہے۔ اسلئے "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے کا ایک ثبوت یہاں ملتا ہے (اصلاح کے بعد شعر گ۔م کے مطابق ہو گیا)

"مخطوطے" میں چوتھا شعر یوں لکھا گیا تھا:

کفر ہے غیر از گدازِ شوقِ رہبر خواستن
ہے جرس در راہِ صحرائے حرم ناقوس و بس

"اصلاح" سے مصرعِ ثانی یوں کیا گیا جو گ۔م کے مطابق ہے:

راہِ صحرائے حرم میں ہے جرس ناقوس و بس

گ۔م میں مصرعِ اول یہ ہے: کفر ہے غیر از وفورِ شوقِ رہبر ڈھونڈنا

گ۔م میں نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی پہلی قرأت لکھی گئی ہے۔
"مخطوطے" میں مقطع یوں لکھا گیا تھا: (اضافتیں اور گ کی دوسری کشش راقم نے دکھائی ہے)

اے (اسد) گل تختۂ مشق شگفتنہا ہو گئے
غنچۂ خاطر رہا افسردگی مانوس و بس

مصرعِ اوّل ساقط الوزن ہے۔ اصلاح میں "شگفتنہا" کو "شگفتن" بنایا گیا ہے۔ میرزا اپنا کیا، کسی کا مصرع ناموزوں نہیں لکھ سکتے تھے۔ اسلئے اصلاح سے قبل کے مصرع میں "شگفتنہا" کو اصلاح غیر سمجھنا چاہیئے۔ اِس سے یہ بات ایک بار اور ثابت ہوتی ہے، کہ یہ میرزا کی تحریر نہیں ہے۔ اصلاح کے بعد مصرع وہی ہے، جو پہلے نسخۂ بھوپال میں لکھا گیا تھا۔ گ۔م میں نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے:

یک جہاں گل، تختۂ مشق شگفتن ہے اسد

اسی صفحے پر غزل ۸۲ کا مطلع ہے۔ غزل کے باقی پانچ شعر الف کے ورق ۲۲ الف اور عین کے ص۳۴ پر ہیں۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے غزل گ۔م میں ص۴۶ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں مطلع، نسخۂ عرشی کے مطابق ہے:

کرتا ہے بیادِ بُتِ رنگیں دلِ مایوس
رنگ زنظر رفتہ حنائے کفِ افسوس

حقیر کرابا عرض کرتا ہے، کہ "رنگِ زنظر" درست نہیں ہے۔ نسخۂ عرشی میں یہ نمایاں غلطی ہے۔ اگر نسخۂ بھوپال یا نسخۂ عرشی میں بھی یہ ترکیب اِس طرح لکھی گئی ہے۔ تو وہاں بھی کتابت کی غلطی ہے۔ میرزا کبھی اپنے قلم سے "رنگِ" بہ کسرۂ اضافت نہ لکھتے، یہاں "رنگے" بہ یائے تنکیر ہونا چاہیئے تھا۔ [illegible] یوں ہے:

رنگے زنظر رفتہ حنائے کفِ افسوس

میرزا کو "رنگ" کا لفظ ہی برقرار رکھنا ہوتا تو اپنے قلم سے یوں لکھتے:

رنگ از نظر رفتہ حنائے کفِ افسوس

[illegible] شیخ محمد اکرام اور جناب مالک رام نے یہ شعر اپنے نسخوں میں درج نہیں کیا ہے، بلکہ

اس غزل کو چھوڑ دیا ہے:
اس غلطی سے یہ بات ایک بار پھر شک و شبہ کے شائبے کے بغیر ثابت ہوئی کہ "مخطوطہ" میرزا کے خط میں نہیں ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ "مخطوطے" کی یہ غلطی یا تو نسخۂ عرشی کی دین ہے، یا نسخۂ عرشی کے ماخذوں کی ـــ اور یہ سب بھی بخطِ غالب نہیں ہیں۔
"مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

تھا خواب میں کیا جلوہ نظر جوشِ زلیخا
ہے بالشِ دلِ سوختگاں میں پرِ طاؤس

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل اسی طرح ہے (ن ع ص ۲۴۸) لیکن م میں نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے:

تھا خواب میں کیا جلوہ پرستارِ زلیخا

"مخطوطے" میں تیسرا شعر نامعلوم پایا جاتا ہے:

حیرت سے رخِ دوست کی ہے از بس بیکار
خور قطرۂ شبنم سے ہے جوں شمع بفانوس

مصرعِ اوّل جس طرح لکھا ہے، میرزا اس طرح نہیں لکھ سکتے تھے۔ نسخۂ بھوپال میں مصرع یوں ہے:
حیرت سے رخِ دوست کی از بسکہ ہیں بیکار
میرزا اپنا مصرع لکھتے، اور قلم کو لغزش ہوتی تو کوئی یا آدھ چھوٹ جاتا، تین چھوٹ جاتا، بلکہ تو سب حروف ملا کر لکھا جاتا ہے۔ میرزا اسی طرح لکھتے تھے ـــ اور اسی "مخطوطے" میں بھی "بسکہ" تمام حروف ملا کر لکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر غزل ۹ کے مقطع میں:

بسکہ ہے پایاں ہے صحرائے محبت اے اسد
گرد باد اس راہ کا ہے عقدۂ پیمانِ عجز

پھر بھی، "از بس" سے پہلے ہے۔ یہ کچھ نہیں، نسخۂ بھوپال سے قبل کا مصرع دکھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ بھی ایک اٹل ثبوت ہے "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے کا۔

نسخے میں چونکہ تحریر سے اصلاحیں ہیں اور ان کے قلم کا خط، اور انداز قلم دونوں متن کی تحریر سے مختلف ہیں۔ اس سے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ نسخہ کئی برس تک غالب کے پاس رہا ہے اور انھوں نے برابر اس پر نظر ثانی کی ہے۔ اور یہ اندرونی شہادت اس بات کی بھی گڑھی گئی ہے کہ اس کا ایک حصہ غالب نے ایک اور "ردیف وار" بیاض میں اپنے قلم سے نقل کیا ہے۔
(الف کی ورق ۸۹ الف اور متن کے صفحہ ... پر "تا اینجا نوشتہ ام" کی عبارت ہے)
سوال یہ ہے کہ اگر یہ نسخہ غالب ہی کے سامنے تھا تو دوسری بیاض میں نقل کرتے وقت بھی انکو یہ غلطی نظر نہیں آئی۔ اور انھوں نے اس کی اصلاح نہیں کی۔ یہ بات کسی صورت سے قرینِ قیاس نہیں ہے اور "مخطوطے" کا بخط غالب ہونا ثابت ہے۔
الف کے ورق ۲۱ الف اور متن کے صفحہ ۴۳ پر غزل ۸۳ ہے، جس میں بشمول مطلع و مقطع نو شعر ہیں۔ دو شعر متداول دیوان میں، نسخۂ عرشی (رس ...) میں درج ہیں۔ اور نسخۂ بھوپال کا حوالہ دیا گیا ہے۔ باقی غزل اگلے صفحے میں ... اور ... پر نسخۂ بھوپال اور حوالے سے درج ہے۔ مخطوطے میں مطلع یہ ہے:

جوشِ اعتدالِ فصل و تمکینِ بہار آتش

... رونقِ دستِ نگار آتش

نسخۂ بھوپال میں پہلا مصرع اوّل ... ، وہ گم میں ہے:

... تمکینِ بہار آتش

... تیسرا شعر ہے:

فروغِ عشق سے ہوتی ہے حلِ مشکلِ عاشق

نکالے ہے زبانے شمع ... آتش

متداول دیوان ... پر شعر یوں ہے:

... سے ہوتی ہے حلِ مشکلِ عاشق

... آتش

نسخۂ مالک رام میں بھی صـ۱۴۷ پر شعر کی یہی قرأت درج ہے۔ لیکن فٹ نوٹ میں لکھا گیا ہے "حل مذکر ہے۔ شاید اصل مصرع یوں ہو:۔ فروغِ حسن سے ہوتی ہے حل ہر مشکل عاشق ۔۔۔ جوشؔ ملسیانی (دیوانِ غالب مع شرح صـ۱۷۵)"

یہ قیاس درست ہے، کیونکہ نسخۂ رامپور میں یہی مصرع اسی طرح لکھا گیا ہے۔ نسخۂ مالک رام اور نسخۂ عرشی میں یہی مصرع لکھا جانا چاہئے تھا۔ دونوں نسخوں کے بارے میں فاضل مرتبین نے دعوے کیا ہے، کہ متن تصحیح کے بعد لکھا گیا ہے۔ اسلیئے یہ فروگذاشت بہت گراں گذرتی ہے۔

"مخطوطے" میں "فروغِ حسن" کی جگہ "فروغِ عشق" اصلاحِ غیر ہے، کیونکہ یہ اصلاح ن ع (اختلافِ نسخ) میں درج نہیں ہے، دوسرا مصرع وہی ہے، جو نسخۂ بھوپال میں لکھا گیا تھا۔ اور بعد میں حاشیے پر اصلاح کی گئی

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

نہ یاد سے ہے گدازِ موم ربطِ پیکر آرائی
نکالے ہے نہالِ شمع از تخمِ شرارِ آتش

گ م میں شعر یوں ہے:۔

گدازِ موم ہے افسونِ ربطِ پیکر آرائی
نکالے کب نہالِ شمع بے تخمِ شرارِ آتش

مخطوطے میں مصرعِ اوّل وہ ہے، جو نسخۂ بھوپال میں ہے۔ مصرعِ ثانی کے سلسلے میں جو معلومات (اختلافِ نسخ (ن ع صـ۲۰۷) کے تحت فراہم کی گئی ہیں۔ وہ صاف نہیں ہیں۔ قیاس ہے کہ انھیں معلومات کی بنا پر یا پھر لطیف ایڈیشن کو سامنے رکھکر، یہ مصرع لکھا گیا ہے

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

(اسد) از دودِ آتش ابرِ دریا بار ہو پیدا
اگر ناگاہ ہو حیدر پرستوں سے دوچارِ آتش

مصرعِ ثانی میرزا کا نہیں ہو سکتا کیونکہ "ناگاہ" حشو و زاویہ میں سے ہے۔ اس کی وجہ سے مصرع

بھی مضحکہ خیز ہو جاتا ہے۔ "اگر" ناگاہ "حیدر پرستوں سے آتش دو چار ہو تو دھوئیں سے ابرِ دریا بار پیدا ہوگا۔ اگر ایسا ہو، لیکن "ناگاہ" نہ ہو، تو یہ اثرات ظہور میں نہیں آئیں گے۔ دوسرا مصرع سراسر الحاقی ہے، اور اسکی بنیاد پر مصرعِ اوّل بھی الحاقی قرار پاتا ہے۔ گ۔م میں مقطع یوں ہے:

دھوئیں سے آگ کے اک ابرِ دریا بار ہو پیدا
اسدؔ حیدر پرستوں سے اگر ہووے دوچار آتش

اسی صفحے پر غزل ع۸۴ کے مطلع کا مصرعِ اول ہے۔ پانچ اشعار کی اس غزل کا باقی حصہ الف کے ورق ۲۲ ب اور عین کے ص ۴۴ پر ہے۔ ہر شعر میں قیاسی اصلاحات معکوس ہیں، اور نسخۂ بھوپال سے پہلے کی قرأت دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع ہے:

باقلیمِ سخن ہے گرد افروزِ سوادِ آتش
کہ ہے دودِ چراغاں سے ہیولائے مدادِ آتش

گ۔م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

باقلیمِ سخن ہے جلوۂ گردِ سوادِ آتش

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

اگر مضمونِ خاکستر شدن دیباچہ آرا ہو
نہ باندھے شعلۂ جوالہ شیرازہ گردبادِ آتش

گ۔م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

اگر مضمونِ خاکستر کرے دیباچہ آرائی

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

کرے ہے لطفِ اندازِ برہنہ گوئی خوباں
روا بالیدنِ مضمونِ سطرِ شعلہ یادِ آتش

گ م میں مصرعِ ثانی یہ ہے: بتقریبِ نگارِشِ شہا سے سطرِ شعلہ یادآتش
"مخطوطے" میں مصرعِ ثانی میں "سطر" کا املا، قابلِ ملاحظہ ہے۔ یہ اصلاح غیر ہے۔ اور اصلاح دینے والے نے مصرعِ اول میں "برہنہ گوئی" کی رعایت سے مصرعِ اول میں" زِ وابالیدنِ مضمون سِتر" کو گڑھ لیا۔ لیکن املا دہی سطر کار کھا۔ "مخطوطے" میں جو اصلاحِ معکوس ہے اُس میں سطر نہیں، سِتر کا لفظ ہے، جسکے معنی "لباس" کے ہیں اور مصرعِ اول کے لفظ برہنہ کا تضاد پیش کرتا ہے۔ مصرعِ ثانی میں "وابالیدن" بھی محلِ نظر ہے۔ وا زائد لفظ ہے اور صرف وزن پورا کرنے کے لیئے ہے۔
نسخہء عرشی کے غلط نامے میں، اس شعر کے سلسلے میں طباعت کی غلطی نہیں دکھائی گئی۔ حقیرِ کمال کا خیال ہے کہ مصرعِ اوّل میں" برہنہ گوئی" کی ترکیب میں "گوئی" کی جگہ کوئی اور لفظ ہوگا۔ قیاسی اصلاح مقصود نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے، "برہنہ پائی" ہو۔ نسخہء عرشی میں اگر" برہنہ گوئی" نقل ہوا ہے، تو اس کے مصدر نسخوں میں کتابت کی غلطی ہونا بعید نہیں۔ اگر مصرعِ اول میں" برہنہ گوئی" نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو "مخطوطے" میں اِس لفظ کی موجودگی کی وجہ سمجھنا آسان ہے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:۔

دیا داغِ جگر کو آہ نے رنگِ شگفتن ہا

ہوئی بالیدہ تر از جنبشِ دامانِ بادِ آتش

گ م میں، نسخہء شیرانی کی قرأت ہے، اور شعر یوں ہے:

دیا داغِ جگر کو آہ نے ساماں شگفتن کا

نہ ہو بالیدہ، غیر از جنبشِ دامانِ بادِ آتش

نسخہء بھوپال میں مصرعِ اوّل یوں تھا:

دیا داغِ جگر کو آہ نے رنگ اور شگفتن کا

پہلی نظر ہی میں معلوم ہوتا ہے، کہ "مخطوطے" کا مصرعِ اوّل، نسخہء بھوپال کے مصرع سے بہتر ہے۔ اور زیادہ صاف ہے۔ یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی، کہ اگر میرزا نے" رنگ شگفتن ہا" لکھا ہوتا۔ تو اصلاح سے اسکو "رنگ اور شگفتن کا" کیا ہوتا۔ اسی طرح "مخطوطے" کا مصرعِ ثانی

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے مصرع سے برا نہیں ہے، اور یہ بات بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ "مخطوطے" والا مصرع میرزا نے لکھا ہوتا تو اس میں یہ ترمیم کرتے؟
"مخطوطے" کے دونوں مصرعے الحاقی قرار پاتے ہیں۔
"مخطوطے" میں مقطع ہے:

اسدؔ قدرت سے حیدر کی پڑی ہر گبر و ترسا کے
شرارِ سنگِ بُت سے در بنائے اعتقاد آتش

مصرعِ اوّل میں ایک ایسی غلطی ہے، جس سے شک و شبہ کے شائبے کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے، کہ یہ اصلاحِ معکوس کسی غیر نے کی ہے۔ "پڑی ہے" کو "پڑی ہر" لکھا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ بہت واضح ہے، کیونکہ گ م میں "گبرو ترسا" سے پہلے ہر کا لفظ ہے، اور ہے مصرعِ ثانی میں ہے۔ جبکہ "مخطوطے" میں مصرعِ ثانی میں سے ہے کو سے کر دیا گیا ہے۔

اسدؔ قدرت سے حیدر کی، ہوئی ہر گبر و ترسا کو
شرارِ سنگِ بُت سے در بنائے اعتقاد آتش

یہ بہت چھوٹی سی شہادت ہے، جو "مخطوطے" ہی میں موجود ہے۔ لیکن اس سے اصلاحِ غیر ہی ثابت نہیں ہے۔ "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا بھی ثابت ہے۔ یہ دو باتیں مقطع کے سلسلے میں ثابت ہیں۔ تو سارے "مخطوطے" میں معلومہ نسخوں سے جہاں جہاں اختلافِ نسخ ہے، اسکا اصلاحاتِ غیر کی وجہ سے ہونا ثابت ہے۔
الفؔ کے ورق ۲۲ ب اور عینؔ کے ص۱۴۴ پر۔ ع ردیف کی پہلی غزل ہے۔ مطلع متداول (ن س) میں ص۱۳۲ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہے۔ غزل کے باقی اشعار نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۱۷ اور ص۴۸ پر درج ہیں۔ "مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

شمع سے ہے بزمِ انگشتِ تحیّر در دہن
شعلۂ آوازِ رنگیں پر بہنگامِ سماع

گ م میں مصرعِ ثانی ہے :- شعلۂ آوازِ خوباں پر بہنگامِ سماع

"مخطوطے" میں "رنگین" اصلاح غیر سمجھنا چاہیئے، کیونکہ اختلافِ نسخ کے باب میں یہ لفظ نسخۂ بھوپال میں نہیں دکھایا گیا ہے۔ "مخطوطے" کے جعلی کردار کے پیشِ نظر کوئی اور گمان غلط ہوگا۔ اس بات کی تصدیق اگلے شعر سے ہوجاتی ہے، جو مخطوطے میں یوں ہے :

جوں پرِ طاؤس جوہر تختۂ مشقِ رنگ ہے

بسکہ ہے وہ قبلۂ آئینہ محوِ اختراع

گ م میں بھی اس شعر کی یہی قرأت درج ہے، لیکن اختلافِ نسخ کے باب میں ص ۸۴ پر جناب امتیاز علی خاں عرشی نے اس شعر کے مصرعِ ثانی کے سلسلے میں تحریر فرمایا ہے :-

"لط" (لطیف ایڈیشن) بسکہ ہے وہ قبلہ آئین گر اختراع۔ اور حاشیے میں لکھا ہے، کہ گر کو کاٹ کر محو بنایا گیا ہے۔ عرشی عرض کرتا ہے، کہ لط میں سہواً گرم کو گر لکھدیا ہے۔ اس طرح آئین بھی آئینہ کی تصحیف ہے۔"

لطیف ایڈیشن میں میرزا کے کلام کی ترتیب ادوار کے مطابق کرنے کی کوشش کی گئی۔ جیسا کہ عرشی صاحب نے ن ع کے دیباچے میں ص ۱۱۴ پر تحریر فرمایا ہے، کتاب دوم، حصہ اول، سنہ ۱۲۲۵ھ تا سنہ ۱۲۳۷ھ تک کا کلام ہے۔ متداول دیوان میں جو اشعار شامل ہیں، وہ متن میں اور جو اشعار انتخاب کے وقت چھانٹ دیئے گئے تھے۔ وہ فٹ نوٹ میں دیئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے، لطیف ایڈیشن میں نسخہ بھوپال کی قرأت درج ہے، کتابت کی غلطیوں سے قطع نظر "غالبیات" میں اس نسخہ کی اہمیت نسخۂ حمیدیہ سے کم نہیں ہے۔

لطیف ایڈیشن سے جو اقتباس، جناب عرشی کی فاضلانہ اور جانب تفسیر کے ساتھ اوپر نقل کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے، کہ مصرعِ ثانی کی پہلی قرأت، نسخۂ بھوپال میں یہ تھی :

بسکہ ہے وہ قبلۂ آئینہ گرمِ اختراع

"محوِ اختراع" اصلاح کے بعد کی قرأت میں ہے، سوال یہ ہے، کہ اصلاحی مصرع "مخطوطے" میں کیسے پہنچا۔ اگر یہ ۱۲۳۱ھ کے بعد کے نسخوں سے نقل نہیں کیا گیا۔ اصلاح کے بعد کا مصرع "مخطوطے" میں موجود ہونا اس بات کا ناطق ثبوت ہے، کہ "مخطوطہ" ترکیبی ہے، بخطِ غالب نہیں ہے اور

جہاں جہاں اس میں معلومہ نسخوں سے قرأت کا فرق ہے، وہ اصلاحِ غیر کی وجہ سے ہے۔
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

چار سوئے دہر میں غفلت کا ہے بازار گرم
ورنہ نقصانِ تصور ہے خیالِ انتفاع

گ۔ م میں شعر یوں ہے:

چار سوئے دہر میں بازارِ غفلت گرم ہے
عقل کے نقصاں سے اٹھتا ہے خیالِ انتفاع

"مخطوطے" میں مصرعِ ثانی نسخۂ بھوپال کی اوّلین قرأت کے مطابق ہے۔ لیکن مصرعِ اوّل میں واضح طور سے اصلاحِ غیر ہے۔ اگر "مخطوطے" کا مصرع میرزا کا ہوتا، تو اسکو نسخۂ بھوپال میں بدلنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔
میرزا غزل کے فارم کے بڑے پابند تھے، نسخۂ بھوپال میں بھی ہر غزل میں مطلع بھی ہے اور مقطع بھی۔ اس سے پہلے کی "بیاض" اگر واقعی انکی ہوتی، تو اس میں ہر غزل میں کم از کم ایک مطلع اور ایک مقطع ضرور ہوتا۔ "مخطوطے" کے پہلی ردیف وار بیاض ہونے کا دعوے کیا گیا، جو بعض "زیادہ بڑے" غالب شناسوں نے تسلیم کر لیا۔ جو اندرونی شہادتیں اب تک پیش کی گئی ہیں۔ انکے علاوہ ایک بڑی شہادت یہ ہے، کہ اس غزل کا مقطع متن میں نہیں لکھا گیا۔ گویا یہ غیر مردّف بیاض میں نہیں تھا۔ حاشیے پر زیادہ شکستہ خط میں مقطع کا اضافہ کیا گیا ہے (اور یہ خط وہی ہے، جو دوسرے صفحوں کے حاشیوں پر خلافِ ... بنایا گیا ہے) مقطع یہ ہے:۔

اے اسد ہیں آشنا بیگانۂ سوز و گداز
ورنہ کسکو میرے افسانے کی تابِ استماع

گ۔ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:
آشنا غالبؔ نہیں ہیں دردِ دل کے آشنا

اگر میرزا نے اسدؔ تخلص کا مقطع اس غزل میں ڈالا تھا تو غالبؔ تخلص کا مقطع اصلاح سے کیوں کرتے؟ آخر پچیس تیس غزلوں میں انھوں نے اسدؔ تخلص کے مقطعے برقرار رکھے؟ انکو اسدؔ سے چڑ تو نہیں تھی۔

مصرعِ اوّل سراسر اصلاح معکوس ہے۔

حقیر کمال کو اتنا اور عرض کرنا ہے، کہ حاشیے پر مقطع بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ نہ صرف زیادہ شکستہ خط میں ہے۔ بلکہ اس خط میں ہے، جس میں، دوسری غزلوں میں اسد کے مقطعے "بخطِ غالب" غالب کے مقطعے بنائے گئے ہیں۔ یہ مقطع غالب کا بنتا کیوں نہیں دکھایا گیا؟

نتیجہ: مخطوطہ جعلی ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۸۶ کے تیسرے شعر میں ایک اصلاح ہے۔ اصلاح سے پہلے شعر یوں لکھا تھا:

کرے ہے صرف بہ ایمائے شعلہ قصّہ تمام
(روشنائی کا دھبّہ) سمجھے ہے طرزِ فسانہ خوانیِ شمع

دوسرا مصرع قلم زد کر کے، بائیں حاشیے پر متبادل مصرع یوں فراہم کیا گیا ہے:

ملا نہ ہمکو شعورِ فسانہ خوانیِ شمع

لیکن ملا کا لفظ بھی کٹا ہوا ہے۔

پہلے مصرع میں "بہ ایمائے" لکھا ہے، حالانکہ غالب کا املا "بایمائے" ہے۔

الف اور عین میں اس شعر کے سلسلے میں ایک اہم اختلاف ہے۔

الف میں روشنائی کا دھبّہ بہت ہلکا ہے اور سائز میں کم ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس پہ پانی کے قطرے ٹپکا کر، انگوٹھے یا سوختے سے جذب کر کے، روشنائی ہلکی کی گئی ہے تاکہ قلم زد لفظ پڑھا جا سکے۔ اور اس کے بعد اندازے سے "پتنگ" کا لفظ پڑھا گیا۔

عین میں یہ دھبہ بہت گہرا ہے، اور اس کی شکل ایک خون جیسی ہے۔ جو کا پہلا ایک سنٹی میٹر ہے، اس دھبّے کے نیچے لکھا ہوا لفظ قطعاً نہیں پڑھا جا سکتا، پھر بھی حواشی کے تحت اس لفظ کو "پتنگ" پڑھ لیا گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب الف کے لئے مائکروفلم لیا گیا تھا اس وقت یہ دھبّہ ہلکا، کم رقبے کا اور مختلف شکل کا تھا۔ عین میں یہ گہرا اور زیادہ رقبے کا، اور مختلف شکل کا کیسے ہو گیا؟ یہ تحریف کب ہوئی، کس نے کی اور کیوں کی؟ ظاہر ہے الف اور عین میں جو اختلاف ہے، وہ تحریف کی وجہ سے ہے۔ اگر "مخطوطہ" کھرا ہوتا تو اس میں یہ گول مال کرنے کی جرأت کس کو ہوتی؟ یہ تحریفیں اس بات

کی طرف واضح اشارہ ہیں، کہ الف، د، تمکین کے مولف بھی اس "مخطوطے" کے جعلی ہونے کے بارے میں مطمئن تھے، لیکن مدعیوں سے زیادہ وہ گواہ چست تھے، جنھوں نے ایسے مجہول "مخطوطے" کے بخطِ غالب ہونے کی شہادت دی۔

الف کے ورق ۴۲ الف اور تمکین کے ص ۴۵ پر غزل ۸۷ ہے۔ اس میں بشمول مطلع و مقطع، پانچ شعر ہیں۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ غزل گ م میں ص ۱۳۸ پر درج ہے، اور اس میں چھ شعر ہیں۔

مطلع میں کوئی اختلافِ نسخ نہیں ہے۔
مطلع کے بعد کا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

جوں چشمِ واکشادہ ہے ہر ایک نقشِ پا
رکھتا ہے اور داغ کا یاں انتظار داغ

گ م میں یہ شعر یوں ہے:

جوں چشمِ باز ماندہ ہے ہر یک سوئے دل
رکھتا ہے داغِ تازہ کا یاں انتظار داغ

"مخطوطے" میں شعر کی جو صورت ہے، وہ نسخۂ بھوپال کے بعد کی تو ہو سکتی ہے، نسخۂ بھوپال سے پہلے کی نہیں ہو سکتی۔ "ہر ایک" میرزا نے بعد میں استعمال کیا ہے۔ (ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے) لیکن شروع میں وہ "ہر یک" ہی استعمال کرتے تھے۔ یہ بیدلی رنگ کے زیادہ قریب ہے۔ عمر کے آخری دور میں بھی وہ "ہر یک" کو "ہر ایک" کے مقابلے میں زیادہ فصیح سمجھتے تھے۔ نسخۂ بھوپال تک میں "ہر یک" ہے۔ تو اس سے پہلے اس غزل میں "ہر ایک" وہ نہیں لکھ سکتے تھے۔ اسی طرح مصرعِ ثانی بھی نسخۂ بھوپال کے مصرع کے مقابلے میں بعد کی زبان کے مطابق ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر "مخطوطے" میں اس شعر میں اختلافِ نسخ اصلاحِ غیر کی وجہ سے ہے۔ اصلاحِ غیر ثابت ہے، اسلئے "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا بھی ثابت ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں لکھا ہے: جوں اعتمادنامہ و خط کا بہر خط ہے
یوں عاشقوں میں ہے، سببِ اعتبار داغ

پہلا مصرع ساقط الوزن ہے
گنجینۂ معنی (ن ع) میں پہلا مصرع یوں ہے:

جوں اعتماد نامہ وخط کا ہو مُہر سے

یہی غالب کا مصرع ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے، کہ اس مصرع پہ اصلاح منکوس یوں کی گئی: "جوں اعتماد نامہ وخط کا ہو مُہر خط" خیال ہے، کہ ن ع ہی میں پنسل سے "مہر" کے بعد "خط" کا لفظ بڑھا دیا گیا، اور "سے" کاٹ دیا گیا۔ لیکن کاتب غلطی سے "خط" کے بعد "سے" بھی لکھ گیا۔ اسکے علاوہ اس غلطی کی اور کوئی توجیہہ نہیں ہو سکتی۔ غالب تو اپنے قلم سے ناموزون مصرع لکھ نہیں سکتے تھے۔ اگر یہ میرزا کی بیاض ہوتی، تو نظر ثانی کے وقت یہ مصرع ضرور ٹھیک کیا جاتا۔
"مخطوطے" میں غزل کا چوتھا شعر ہے:

بے لالہ عارضاں چمن و باغ میں مجھے
دیتی ہے گرمئ گل و بلبل ہزار داغ

چمن اور باغ۔ اردو میں ہم معنی الفاظ ہیں، اور میرزا یہ لفظ اس طرح مصرع میں نہیں لکھ سکتے تھے۔ یہ کلام غالب میں سراسر تحریف کی گئی ہے۔ گ م میں پہلا مصرع جس طرح ہے، میرزا نے ابتدا میں بھی یوں ہی موزوں کیا ہوگا۔

.... اں مجھے گلگشت باغ میں

غزل کا مقطع "مخطوطے" میں یوں لکھا ہوا ہے:

در حالت تصور روئے بتاں اسد
دکھلائے ہے مجھے چمن لالہ زار داغ

(اضافتیں آپ کی سہولت کے لئے لگائی ہیں)۔

گ م میں مقطع یوں ہے: وقت خیال جلوۂ حسن بتاں اسد
دکھلائے ہے مجھے وہ جہاں لالہ زار داغ

اس مقطع میں جیسا کہ مخطوطے میں ہے، دو باتیں محلِ نظر ہیں، ایک تو "چمنِ لالہ زار" کی ترکیب۔ دوسری بات یہ ہے، کہ "دکھلائے" غالب کا املا نہیں ہے۔ وہ آخر عمر تک خطوں میں بھی دکھلاوے، جاوے، آوے، کہلاوے، لگاوے لکھتے رہے۔ بات ایک ذرا سے واو کی ہے، لیکن اس سے ایک بہت بڑی بات پیدا ہو گئی۔ جس زمانے کی یہ غزل ہے، اس زمانے میں وہ "دکھلاوے" لکھتے تھے۔ اس کا ثبوت خود اسی مخطوطے میں موجود ہے جس میں ایک غزل کی ردیف "آوے" ہے "آئے" نہیں، "آوے" لکھی گئی ہے۔ یہ غزل الف کے ورق ۴۸ ب اور عین کے ص ۹۶ اور ص ۹۷ پر ہے، اس غزل کا مطلع ہے:

قتلِ عشاق نہ غفلت کشِ تدبیر آوے

یارب آئینہ بطاقِ خمِ شمشیر آوے

اسی طرح الف کے ورق ۵۲ ب اور عین کے ص ۱۰۴ پر ایک غزل ہے (جو اگلے صفحوں پر بھی ہے) اس میں ردیف "جاوے" لکھی گئی ہے۔ "جائے" نہیں۔ اس غزل کا مطلع ہے:

خطر ہے رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جاوے

غرورِ دوستی آفت ہے، تو دشمن نہ ہو جاوے

اگر اور مثال چاہیے، تو وہ بھی الف کے ورق ۵۳ الف اور عین کے ص ۱۰۵ پر موجود ہے۔ ایک اور غزل کی ردیف "جاوے" ہے، "جائے" نہیں، مطلع ہے:

نوائے خفتۂ الفت اگر بیتاب ہو جاوے

پرِ پروانہ تارِ شمعِ پر مضراب ہو جاوے

مثالوں کی کمی نہیں، الف کے ورق ۵۳ ب اور عین کے ص ۱۰۶ پر ایک اور غزل کی ردیف ملاحظہ فرمائیے:

تا چند نفسِ غفلتِ ہستی سے بر آوے

قاصد تپشِ نالہ ہے یارب خبر آوے

بعد میں بھی میرزا ایسے الفاظ میں و لکھتے رہے، بعد کی ایک غزل ہے، جو اس مخطوطے میں

نہیں ہے، جسمیں مالک رام صاحب نے بھی "آوے" کو "آئے" نہیں کیا، حالانکہ انہوں نے اپنے نسخے میں املا "موجودہ اسلوب" کے مطابق لکھا ہے، انکے نسخے میں ص۱۹۲-۱۹۳ پر اور متداول دیوان نوائے سروش کے حصے میں ص۲۲۳ اور ص۲۲۴ پر یہ غزل ہے، جسکا مطلع ہے:

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے

جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

میرزا ایسے الفاظ بغیرِ واو بھی لکھتے تھے۔ لیکن یہ املا بعد کے دور میں ملتا ہے۔

ان شہادتوں کی بنا پر غزل میں جہاں جہاں معلومہ نسخوں سے اختلاف ہے، وہ میرزا کے اشعار میں الحاقی اصلاحوں کی وجہ سے ہے اور ان کی وجہ سے "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا ثابت ہے۔

اسی صفحے پہ غزل ۴۸ ہے، جسکا مقطع، اور اس سے قبل کے شعر کا مصرعِ ثانی اگلے صفحے پر، یعنی الف کے ورق ۲۳ ب اور عین کے ص۴۶ پر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ-م میں ص۸۴ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

کون گل سے ضعف و خاموشیِ بلبل کہہ سکے

نہ زبانِ غنچہ گویا، نہ زبانِ خارِ باغ

گ-م میں، مصرعِ ثانی میں دونوں جگہ "نہ" کی تے ہے۔ "مخطوطے" میں اس ہیر پھیری کی ذمہ داری ناقل پر ہے، اور ناقل میرزا نہیں ہیں۔

الف کے ورق ۲۳ ب اور عین کے ص۴۶ پر ف کی ردیف میں پہلی غزل کا تیسرا شعر یوں لکھا ہے:

کتنی میرے ہی جلانے کو اے آہِ شعلہ ریز

گھر پر پڑا غیر کے نہ کوئی شرار حیف

دوسرا مصرع الفاظ کی ترتیب غلط ہونے کی وجہ سے ساقط الوزن ہوگیا ہے۔

گ-م میں یہ غزل ص۹۴ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہے۔ وہاں درست مصرع لکھا ہے: گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار حیف

سوال یہ ہے کہ غالب اپنے ہی مصرع میں "نہ غیر کے" کی جگہ "غیر کے منہ" لکھتے۔ یہ سہو غالب سے نہیں کاتب اور صرف کاتب سے ہو سکتا تھا، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ اصلاح معکوس اختلاف نسخ کے لئے کی گئی ہو۔ یہ واضح اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ یہ نسخہ غالب کے قلم کی تحریر نہیں ہے۔ اگر "مخطوطہ" غالب کی نظر ہی سے گزرا ہوتا تو وہ مصرع ٹھیک کر دیتے۔ لیکن شاید انہیں وہ اس کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں کیونکہ ان کے اشعار پر کسی مجہول نے اصلاحیں دی ہیں۔ یہ تو ایک فرضی صورت حال تھی، جس کے واقع ہونے کا احتمال یوں نہیں تھا کہ مخطوطہ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں لکھا گیا۔

اسی غزل میں اسی قسم کی ایک اور معرکۃ الآرا غلطی کتابت کی ہے۔ جو اس مخطوطے کے نوشتۂ غالب نہ ہونے کے ثبوت کے طور پر موجود ہے، پانچواں شعر دیکھئے:

پہ میری مشت خاک سے اس کو کدورتیں

پائی جگہ کے بھی دل میں تو ہو کر غبار حیف

کاتب نے نقل کرتے وقت دوسرے مصرع میں جگہ کے بعد "کے" کا اضافہ کر دیا۔

کیا غالب سے یہ سہو ہو سکتا ہے؟ اگر ہوتا بھی تو نسخے پر نظر ثانی کرتے وقت اس غزل کے دونوں شعر وہ ٹھیک نہ کرتے؟ اس مخطوطے کو بخط غالب ماننے والے یہ عذر نہیں پیش کر سکتے کہ اس غزل پر غالب نے نظر ثانی نہیں کی۔ "مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:

دینا (اسد) نہ سرمۂ چشم رکاب یار

آیا نہ میری خاک پہ وہ شہسوار حیف

[illegible] کا پہلا مصرع یوں ہے:

دیتا اسد ہیں سرمۂ چشم رکاب یار

سرمہ تو پیسی جاتی ہے، منہ میں لگام دی جاتی ہے، آنکھوں میں سرمہ نہیں دیا جاتا۔ سرمہ دینا کوئی زبان نہیں۔ میرزا "دینا" نہیں لکھ سکتے تھے۔

غزل ۹۰ کی قرأت دیکھ لیجئے جو گ م میں ص۴۹ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں صفحہ [illegible] پر درج ہے۔

الف کے ورق ۲۴ الف اور عین کے ص۴۰ پر غزل ۹۱ ہے، جو گ م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے

حوالے سے ص۵ پر درج ہے۔
"مخطوطے" میں دوسرا شعر یوں لکھا ہے:

ظاہر کرے ہے جُنبشِ مژگاں سے مدّعا
طفلانہ ہاتھ کا ہے اشارا زبانِ اشک

"اشارا" میرزا کا اس زمانے کا املا نہیں ہے، جس زمانے کا کلام اس مخطوطے میں ہے۔
مخطوطے میں تیسرا شعر ہے:

ہیں وادیٔ طلب میں ہوا جملہ تن عرق
ہر چند محوِ قطرہ زنی تھا بسانِ اشک

گ م میں مصرعِ ثانی یوں ہے:
از بسکہ صرفِ قطرہ زنی تھا بسانِ اشک
اس اختلافِ نسخ کی کوئی شہادت مہیّا نہیں ہے، اسلئے "مخطوطے" میں مصرعِ ثانی کو میرزا کے مصرع کی مسخ شدہ صورت سمجھنا چاہیئے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

دل خستگاں سے گُل کرے ہے صد چمن بہار
باغ بخوں طپیدن و آبِ روانِ اشک

گ م میں شعر یوں ہے:

دل خستگاں کو ہے طربِ صد چمن بہار
باغِ بخوں تپیدن و آبِ روانِ اشک

"مخطوطے" میں مصرعِ اول مسخ کیا گیا ہے، اسکا ثبوت دوسرا مصرع ہے۔ "باغِ بخوں طپیدن" کے بجائے "باغ بخوں طپیدن" لکھا گیا ہے۔ نسخۂ عرشی میں بھی، مصرعِ ثانی میں "باغ" بہ یائے تنکیر ہونا چاہیئے تھا، لیکن بہ کسرۂ اضافت لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے، مصدر نسخوں میں بھی کتابت کی یہ غلطی ہو، جو تصحیح کے بغیر نسخۂ عرشی میں نقل کر دی گئی۔ یہ مصدر نسخے میرزا کے خط میں نہیں، اسلئے ان میں یہ

غلطی میں [illegible] یہ بات نہیں۔ لیکن یہ "مخلوطہ" جو بخطِ غالب بتایا جاتا ہے، اس میں یہ غلطی کیوں ہے؟ مخطوطے کا [illegible] غالب کا نہ ہونا ثابت ہے۔

الف کے ورق ۲۴ الف اور متن کے ص ۲۴ پر یہی غزل ۹۲ شروع ہوتی ہے۔ اس میں ۹ شعر ہیں۔ چار اس صفحے پر اور پانچ اگلے صفحے پر۔ مطلع اور ایک شعر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے متداول انتخاب [illegible] پر درج ہے۔ اس زمین میں سات شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص ۵ اور ص ۱۵ پر گ م میں درج ہوئے ہیں۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

تیرا دور گردشِ [illegible] فریبِ نیاز ہوں

دشمن سمجھ کے نگہِ آشنا نہ مانگ

گ م میں [illegible] پہلا مصرع [illegible] "دمِ نیاز ہوں" ہے۔ مخطوطے میں "فریبِ نیاز" اصلاحِ غیر ہے کیونکہ اختلافِ نسخ کے تحت عرشی صاحب نے نسخۂ بھوپال میں اس ترکیب کا وجود نہیں دکھایا ہے۔

"مخطوطے" میں مقطع کی وہی قرأت ہے، جو گ م میں ہے:

یک بختِ اوج، نذرِ سبک باری اسد

سر پر وبالِ سایۂ بالِ ہما نہ مانگ

عرشی [illegible] نے بھی اپنے نسخے میں "سبک باری" کی "ی" پر اضافت نہیں دکھائی ہے۔ نسخۂ عرشی [illegible] لکھا ہے [illegible] سے خارج ہے۔ نسخۂ مالک میں اس غزل کا انتخاب ہے، لیکن مقطع چھوڑ دیا گیا ہے۔ "ارمغانِ غالب" میں یہ غزل نظر انداز کر دی گئی ہے۔ "سبک باری اسد" اضافت کے ساتھ [illegible] تو آ جاتا ہے، لیکن یہ اضافت یہاں درست نہیں معلوم ہوتی۔ ہو سکتا ہے "سبک باری اے اسد" ہو۔ بہرکیف جو کچھ بھی ہو، مصرع اپنی موجودہ ہیئت میں موزوں نہیں ہے اور ناموزوں مصرع میرزا سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ مخطوطے میں اس مصرع کا، اسی [illegible] کے ساتھ ہونا، جو نسخۂ عرشی میں ہے، اس بات کا ثبوت ہے کہ [illegible] یا تو نسخۂ عرشی سے نقل ہوا ہے، یا نسخۂ عرشی کے مصدر نسخوں سے۔ دونوں صورتوں میں

یہ بخطِ غالب نہیں ہے، اور اسکا بیسویں صدی میں لکھا جانا ثابت ہے۔
"مخطوطے" میں مقطع کے بعد ایک شعر لکھا گیا ہے:

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے حسابِ بےگنہی، اے خدا نہ مانگ

متداول دیوان میں مصرعِ ثانی یوں ہے:
مجھ سے مرے گنہ کا حساب، اے خدا نہ مانگ
"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی قرأت درج ہے۔
اختلافِ نسخ کے باب میں ص ۴۳۹ پر عرشی صاحب نے اپنے نسخے میں جو معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ خاصی الجھی ہوئی ہیں۔ "نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں حسابِ بےگنہی، نسخۂ شیرانی، نسخۂ رامپور، پہلے اور دوسرے مطبوعہ ایڈیشنوں میں مجھسے اور نسخۂ رامپور اور پہلے مطبوعہ ایڈیشن میں میرے گنہہ کا مجھسے حساب" ہوسکتا ہے، ہر اس نسخے میں، جس میں دو قرأتیں دکھائی گئی ہیں۔ اصلا میں ہوں ــــ یہ بھی ہوسکتا ہے، یہ باب مرتب کرنے والوں سے سہو ہوا ہو۔
الف کے ورق ۲۴ ب اور عین کے ص۸۴ پر غزل ۹۳ ہے۔ اسکے ساتوں شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ عرشی کے حوالے سے گ م میں ص۱۵۱ پر درج ہیں۔
دوسرا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

ہے بیادِ زلفِ مشکینِ بتاں
روزِ روشن شام آنسو سے خیال

گ م میں مصرعِ اوّل ہے:
ہے بیادِ زلفِ مشکیں سال و ماہ
کسی مرحلے پر "مخطوطے" میں درج مصرع نسخۂ بھوپال میں نہیں دکھایا گیا ہے۔ اسلئے اسے میرزا کے مصرع کی مسخ شدہ صورت سمجھنا چاہیے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے: صافیِ رخسار سے، ہنگامِ شب
عکسِ داغِ مہ ہوا عارض پہ خال

مخطوطے میں مصرع اوّل یہ ہے:

صافیِ رُخ سے ترے ہنگامِ شب

"مخطوطے" میں مصرعِ اوّل کی قرأت وہی ہے۔ جو نسخۂ بھوپال میں ہے۔ لیکن نسخۂ بھوپال میں مصرع ثانی یہ ہے:

عکسِ داغِ شب ہوا عارض پہ خال

(ن ع، اختلافِ نسخ ص ۸۴)

"مخطوطے" میں مصرعِ ثانی، نسخۂ شیرانی کا ہونا، اِس کے جعلی ہونے کی پکّی شہادت ہے۔ یہ بات باور نہیں کی جاسکتی کہ ۱۲۳۱ھ تک، میرزا "داغ مہ" رکھتے، ۱۲۳۷ھ کے نسخے میں "داغ شب" لکھواتے اور ۴۳-۱۲۴۲ کے نسخے میں پھر داغِ مہ لکھواتے۔" یہ "مخطوطہ" ۱۲۳۱ھ کا نہیں ہوسکتا، کیونکہ نسخۂ بھوپال کے بجائے، نسخۂ شیرانی کا مصرع اِس میں ہے ــــ اور ایسی کئی اور مثالیں پیش کی جاچکی ہیں۔ اسی غزل کے اگلے شعر میں ایسی ہی ایک اور مثال ہے۔ جب یہ "مخطوطہ" نسخۂ شیرانی کے بعد کا ہے، تو پھر اِس میں غالب تخلّص کے مقطعے متن میں کیوں نہیں ہیں؟ اِس سے "مخطوطے" کا ترکیبی اور جعلی ہونا ثابت ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

نورِ خوباں سے یدِ بیضا ہے آج
ورنہ تھا خورشید یک دستِ سوال

نسخۂ بھوپال میں پہلے شعر یوں تھا:

نورِ حیدر سے ہے اُسکی روشنی
ورنہ ہے خورشید یک دستِ سوال

نسخۂ بھوپال میں "نورِ حیدر سے" قلمزد کر کے میرزا نے اِس کے نیچے "نور سے تیرے" لکھدیا شعر یوں ہوگیا:

نور سے تیرے ہے اُس کی روشنی
ورنہ ہے خورشید یک دستِ سوال (خورشید بغیر واو کے ہے)

نسخۂ شیرانی میں، مصرع ثانی میں تبدیلی آئی :

ورنہ تھا خورشید یک دست سوال

اور نسخۂ شیرانی کا یہ مصرع "مخطوطے" میں موجود ہے۔ اسکی وجہ سے "مخطوطے"، کے جعلی ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

ایک بات یہ بھی قابلِ غور ہے، کہ اس شعر میں میرزا کا رجحان عشقیہ نہیں، مذہبی ہے، اسلئے "مخطوطے" میں "نورِ خوباں" سراسر اصلاحِ غیر ہے، اور شعر کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔

الف کے ورق ۲۵ الف اور عین کے صہ ۴۹ پر غزل صہ ۹۴ ہے، اس میں سات شعر ہیں، یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں صہ ۵۲ پر درج ہے۔

"مخطوطے"، میں مطلع یوں لکھا ہے :

ہوں بہ وحشت انتظار آوارۂ دشتِ خیال
ایک سفیدی مارتی ہے، دور سے چشمِ غزال

یہ مطلع جس طرح لکھا گیا ہے، اس میں کئی باتیں کھٹکتی ہیں۔ "بہ وحشت" ملاکر "بوحشت" نہیں لکھا گیا۔ "اک" یا "یک" نہیں "ایک" لکھا گیا ہے، لیکن یہ اس زمانے کا املا ہو سکتا ہے، کیونکہ نسخۂ مالک رام میں بھی یہ غلطی کئی جگہ ہے، حالانکہ نسخۂ مالک رام کے لئے دعوے کیا گیا ہے۔ کہ موجودہ اسلوبِ املا کے مطابق لکھا گیا ہے، مثالیں اس کتاب کی ابتدا میں پیش کی جا چکی ہیں۔ "سفیدی" لکھا گیا ہے۔ حالانکہ ۱۲۳۱ھ میں، جبکہ میرزا "بیدلی رنگ" میں رنگے ہوئے تھے اور فارسی کی گرفت انکے ذہن پر بہت مضبوط تھی۔ "سپیدی" ہونا زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

"مخطوطے"، میں چوتھا شعر ہے :

بیکسی افسردہ ہوں، اے ناتوانی کیا علاج
جلوۂ خورشید سے ہے گرم پہلو سے ہلال

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے :

بیکسی افسردہ ہوں اے ناتوانی کیا کروں

"مخطوطے" کے مصرع کو اس وقت تک میرزا کا مصرع تسلیم نہیں کیا جا سکتا، جب تک اسکے نسخۂ بھوپال سے قبل یہ قرأت رکھنے کی تصدیق کسی اور ماخذ سے نہ ہو۔

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں، کہ مجھے ہے (اسد)
خونِ صوفی کو مباح اور مالِ سنی کو حلال

گ۔م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:۔

مالِ سنی کو مباح اور خونِ صوفی کو حلال

"مخطوطے" میں اس اصلاحِ معکوس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

اسی صفحے پر غزل ۹۵ ہے۔ پانچ شعروں کی یہ غزل معمولی سے اختلافِ نسخ کے ساتھ گ۔م میں نسخۂ بھوپال کے حوالے سے ص۵۱ پر درج ہے:

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

ہے سرنوشت میں رقمِ واشکستگی
ہوں جوں خطِ شکستہ ہمہ جا شکستہ دل

گ۔م میں شعر یوں ہے:

ہے سرنوشت میں رقمِ واشکستگی
ہوں جوں خطِ شکستہ بہر جا شکستہ دل

مصرع ثانی میں "مخطوطے" میں "ہمہ جا" میرزا نہیں لکھ سکتے تھے، کیونکہ "ہمہ جا" "کل عالم مکاں" پر حاوی ہے۔

مصرعِ اوّل میں رقمِ واشکستگی" کی اضافت بہت گراں گذرتی ہے اور اسے میرزا سے منسوب کرنے میں حقیر کماؔل کو تکلف ہی نہیں تردد بھی ہے۔ قیاسی اصلاح مقصود نہیں ہے۔ لیکن قیاس غالب ہے کہ نسخۂ بھوپال کی کتابت میں ایک نقطہ رہ گیا ہے۔ اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے "رقم" بہ کسرۂ اضافت لکھا گیا ہے۔ مصرع یوں ہوگا:

ہے سرنوشت میں جو رقم واشگستگی

حقیقِ کماں کو اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع کاتب کی فروگذاشت کے ساتھ موجود ہونا، "مخطوطے" کے کھرے نہ ہونے کے لئے ایک اور شہادت ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

نا سازیٔ نصیب و درشتیٔ غم سے ہے
امید، نا امید و تمنا شکستہ دل

گ۔م میں نصیب اور درشتی کے درمیان عطف کا واو نہیں ہے۔ "مخطوطے" میں یہ حرفِ عطف الحاقی ہے۔ "مخطوطے" میں مقطع ہے:

ہے سنگِ ظلمِ چرخ سے میخانہ میں (اسد)
صہبا فتادہ خاطر و مینا شکستہ دل

مصرع اوّل میں "میخانے" کی جگہ "میخانہ" لکھا ہے، پچھلے صفحات میں شہادتیں پیش کی جا چکی ہیں کہ ایسے الفاظ میرزا نے ہ سے نہیں یے سے لکھے ہیں

"مخطوطے" کا بلیو پرنٹ تیار کرنے والے یہ بات بھول گئے، کہ وہ میرزا کی ابتدائی بیاض نہیں پیش کر رہے ہیں، جس میں وقت کے ساتھ ساتھ املا میں تبدیلیاں ہو سکتی تھیں۔ یہ تو غیر مردف "اولین" ردیف وار بیاض بنائی جا رہی تھی، اگر املا کے سلسلے میں ایک اصلاح میرزا اپنا چکے تھے، تو بعد کے صفحات میں املا اسی کے مطابق ہوتا۔ اس چھوٹی سی "بھول" سے بھی "مخطوطہ" جعلی ثابت ہوتا ہے۔

اسی صفحے پر غزل نمبر ۹۶ کا مطلع ہے۔ دوسرا مطلع، چھ شعر اور مقطع اگلے صفحہ پر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔م میں ۲۰۵ پر درج ہے۔

"مخطوطے" میں پہلا مطلع ہے:

بہرِ عرضِ حالِ شبنم سے رقم ایجادِ گل
ظاہرا ہے اس چمن میں لالِ مادر زادِ گل

نسخۂ بھوپال میں مصرع اوّل میں "شبنم ہے" لکھا گیا ہے، نسخۂ شیرانی میں "شبنم سے" ہے۔

نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت "مخطوطے" میں ہے۔ اس سے "مخطوطہ" جعلی ثابت ہوتا ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا مطلع ہے:

گر کرے پژمردہ انجامی کو داغِ یاد، گل
غنچہ سے منقارِ بلبل وار ہو فریاد گل

گم شدہ میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

گر کرے انجام کو آغاز ہی میں یاد گل

اختلاف نسخ کے باب میں عرشی صاحب نے کوئی اصلاح نہیں دکھائی ہے، اسلئے "مخطوطے" کے مصرعِ اوّل کو الحاقی سمجھا جائے گا۔ مصرعِ ثانی میں "غنچے" کے بجائے "غنچہ" لکھا ہے، جو پہلے پیش کی گئی شہادتوں کی بنا پر میرزا کا املا نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں مطلعوں کے بعد کا شعر ہے:

گر بزم باغ کھینچا چاہے نقش روئے یار
شمع ساں ہو جائے زنگِ خامۂ بہزاد گل

شعر اصلاحِ معکوس کی وجہ سے مہمل ہو گیا ہے۔ زنگِ خامۂ بہزاد کا شمع ساں ہو جانا، بے مطلب ہے، کیونکہ بہزاد زنگ سے مرقع نہیں بناتا تھا۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے، کہ میرزا کے زمانے میں بھی لوہے کے قلم کا رواج عام نہیں ہوا تھا۔ مانی و بہزاد کے زمانوں میں تو دھات کے قلموں کا استعمال ہونا غیر ممکن سی بات ہے۔ اور میرزا یہ بات جانتے تھے اسلئے "زنگ" کا مضمون یہاں نہیں باندھ سکتے تھے۔ خامہ اور قلم، جب مصوّر اور مصوّری کے سلسلے میں استعمال ہوتے ہیں۔ تو ان کے معنی برش کے ہو سکتے ہیں۔ مصوّری کے سلسلے میں جب قلم ہو تو اس کو موقلم کا مخفف سمجھنا چاہیئے۔ مانی تو خطاط تھا، وہ بیشک یا نرکل کے قلم بھی استعمال کرتا تھا، لیکن بہزاد بالوں کے برش استعمال کرتا تھا۔ برش میں زنگ نہیں لگتا، اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، زنگ سے تصویر نہیں بنائی جاتی، اسلئے مندرجہ بالا قرأت کے ساتھ

یہ شعر "مخطوطے" میں الحاقی ہے، میرزا کا شعر وہ ہے جو گ۔م میں ہے:

گر بزمِ باغ کھینچے نقشِ روئے یار کو
شمع ساں ہو جائے قطِ خامۂ بہزاد گل

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

سعیِ عاشق ہے فروغ افزائے آبِ رو یکار
یاں شرارِ تیشہ ہے بر تربتِ فرہاد گل

گ۔م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

ہے شرارِ تیشہ بہرِ تربتِ فرہاد گُل

"مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر، اس شعر کے مصرعِ ثانی میں اصلاحِ معکوس تصور کرنا، احتیاط کا تقاضہ ہے۔
"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

ہے تصور صافی قطعِ نظر از جان و جسم
لختِ دل ہے بر سرِ شمعِ خیال آباد، گل

گ۔م میں شعر یوں ہے:

ہے تصور صافی قطعِ نظر از غیرِ یار
لختِ دل سے لاوے ہے شمعِ خیال، آباد گل

دونوں شعروں میں مصرعِ اول ساقط الوزن ہے۔ "صافی اور قطع" میں اضافت کا نشان نسخۂ عرشی میں نہیں دکھایا گیا ہے۔ اضافت سے مصرع بحر میں تو پڑھا جا سکتا ہے، لیکن بے معنی ہو جاتا ہے، خیال ہے، نسخۂ عرشی کے مصدر نسخوں میں بھی مصرع ایسا ہی لکھا ہوگا۔ سمجھ میں نہیں آتا، کہ صافی کی جگہ کون سا لفظ میرزا نے لکھا ہوگا۔
اس میں شک نہیں، کہ اسی شعر پر اصلاحِ معکوس کر کے "مخطوطے" میں مندرجہ بالا شعر لکھا گیا ہے۔ اور جو سقم نسخۂ عرشی کے مصرع میں ہے، وہ "مخطوطے" میں بھی ہے۔ اگر "مخطوط" بخطِ غالب

ہوتا۔ تو اس میں صافی کی جگہ کوئی اور لفظ ہوتا۔ کیونکہ یہ غلطی اس میں نسخۂ عرشی یا اُس کے ماخذ وں سے آئی ہے۔
"مخطوطے" میں ساتواں شعر ہے:

ہو گیا در گلشنِ آبادِ جراحت ہائے دل
غنچۂ پیکانِ شاخِ ناوکِ صیاد، گل

گ۔م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

گلشن آبادِ دلِ مجروح میں ہو جاے ہے

"مخطوطے" میں آٹھواں شعر ہے:

• برق زارِ جلوہ ہے از خود رُبودن ہائے حُسن
کیجیے شمعِ بزمِ خلوت، ہرچہ بادا باد گل

مصرعِ ثانی میں "بزمِ خلوت" محلِ نظر ہے۔ یہ ٹھیک ہے، کہ میرزا نے لکھا تھا:
"ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو" لیکن "بزمِ خلوت" وہ بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔
گ۔م میں یہ شعر یوں ہے:

برق سامانِ نظر ہے، جلوۂ بیباکِ حُسن
شمعِ خلوت خانہ کیجیے، ہرچہ بادا باد، گل

ان دونوں شعروں میں اختلافِ نسخ "مخطوطے" میں الحاقی الفاظ کی وجہ سے ہے، جو میرزا کے الفاظ کی جگہ کسی غیر نے رکھے ہیں۔
مقطع ہے: خاک ہے عرضِ بہارِ صد نگارستاں (اسد)
آرزوئیں کرتے ہیں از خاطرِ آزاد، گل

گ۔م میں مصرعِ ثانی ہے:
حسرتیں کرتی ہے میری خاطرِ آزاد، گل

نسخۂ عرشی میں، اختلافِ نسخ کے باب میں ص۴۳ پر جو عبارت ہے، وہ صاف نہیں ہے، اسکے حساب سے نسخۂ بھوپال میں، پہلے مصرعِ ثانی میں "آرزوئیں کرتی ہیں"۔ تھا۔ ہوسکتا ہے، مصرع کی قرأت وہی ہو جو "مخطوطے" میں درج ہے۔

الف کے ورق ۲۵ ب اور عین کے صفحہ ۵۰ پر غزل ۹۷ ہے، جس میں پانچ شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ عرشی اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۵۳ پر درج ہے، مطلع کے علاوہ ہر شعر میں الفاظ کا اختلاف ہے، "مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

بیدلاں سے ہے تپش جوں خواہشِ آب از سراب ۔۔۔ تختۂ شررِ طوفانِ باطل، گر نہ رکھنا سنگ دل

نسخۂ بھوپال میں شعر کی پہلی قرأت یہ تھی:

بیدلوں سے ہے تپش جوں خواہشِ آب از سراب ۔۔۔ ہے شررِ معلوم اگر رکھتا نہ ہووے سنگ دل

"معلوم" قلمزد کرکے، حاشیے پر اصلاح کی گئی۔ "معلوم" کی جگہ "موہوم" لکھا گیا (ن ع اختلافِ نسخ ص۴۴)

"مخطوطے" میں مصرعِ ثانی، نسخۂ بھوپال کی اولین قرأت سے بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ "مخطوطے" میں اصلاحِ غیر کی کارفرمائی ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

رشتۂ فہمید ممسک ہے یہ بندِ کوتہی
ہے گرہ بر کیسۂ درہم خیالِ تنگ دل

ردیف اور قافیہ، الگ الگ لکھے ہیں۔ اگر "مخطوطہ" نسخۂ غالب ہوتا، تو "تنگدل" لکھا ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے، کہ، کیسہ میں گرہ نہیں لگائی جاسکتی، کیسہ اس جیب کو کہتے ہیں، جسے انگریزی میں پاکٹ کہتے ہیں۔ اس جیب کو نہیں کہتے، جس کے معنی گریبان یا پیراہن ہیں۔ درہم، درم کے معنوں میں ہے، ٹھیک ہے، لیکن سوال یہ ہے، کہ کیسہ میں گرہ کیسے لگائی جاسکتی ہے، دراصل یہ سوچے سمجھے بغیر، نسخۂ بھوپال کے مصرعہ کا ترجمہ کیا گیا ہے، نسخۂ بھوپال میں مصرع یوں دکھایا گیا ہے:

عقدہ ساں ہے کیسۂ زر بر خیالِ تنگدل

اگر ترجمے کے وقت، یعنی اصلاحِ معکوس کے وقت مصرع یوں رکھا جاتا:

ہے گرہ ساں کیسۂ زر بر خیالِ تنگدل

تو یہ عیب نہ رہتا، لیکن "مخطوطے" والوں کو درہم کا لفظ استعمال کرکے ایہام گوئی کا ثبوت دینا تھا۔

حالانکہ میرزا سے بہت پہلے میر اور سودا ایہام گوئی ترک کر چکے تھے۔
"مخطوطے" میں مصرعِ ثانی الحاقی قرار پاتا ہے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہوں زِ پا افتادۂ اندازِ یادِ حُسنِ سبز
ہے بخوابِ سبزہ از جوشِ خمارِ بنگ، دل

دوسرے مصرع میں "بخوابِ سبزہ" بے معنی ترکیب ہے۔ اسی طرح "جوشِ خمارِ بنگ" بھی غلط ترکیب ہے، کیونکہ جوش نشے میں ہوتا ہے، خمار میں نہیں، خمار، تو نشے کا اُتار ہے۔ یہ دونوں تراکیب میرزا کے سر نہیں منڈھی جا سکتیں۔ اسلئے یہ مصرع الحاقی ہے، میرزا کا مصرع یہ ہے:

کس قدر ہے نشہ فرسا ہے خمارِ بنگ دل

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

اے (اسد) خامش ہے طوطیِ شکر گفتارِ طبع
ظاہرا رکھتا ہے یہاں آئینہ زیرِ زنگ دل

گ م میں مصرع ثانی یہ ہے:

ظاہرا رکھتا ہے، آئینہ اسیرِ زنگ دل

"مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر، مصرعِ ثانی میں اختلاف، مخطوطے میں الحاقی الفاظ اور ترتیبِ الفاظ کی وجہ سے ہے۔
غزل ۹۵ کا مطلع الف کے ورق ۲۵ ب اور عین کے ص ۵۰ پر ہے۔ باقی چھ شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ ایک شعر متداول دیوان میں (ن س ص ۱۰) میں ہے اور نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہے۔ باقی غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۴۳ اور ص ۵۴ پر درج ہے۔
"مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

بقدرِ حوصلۂ عشق جلوہ سازی ہے
[illegible]

مصرعِ اوّل میں "جلوہ سازی" میرزا نہیں لکھ سکتے تھے۔ کیونکہ جلوے کو منعکس کرنا آئینے کا کام ہے۔ جلوہ کی ساخت میں آئینے کو کوئی دخل نہیں ہوتا، میرزا کا مصرع یہ ہے:

بقدرِ حوصلۂ عشق جلوہ ریزی ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

بہار در گرۂ غنچہ، شہر جولاں ہے
طلسمِ ناز، بجز تنگیٔ قبا معلوم

گ۔م میں، اور نسخۂ مالک رام میں (ص ۳۳۸) مصرعِ اوّل یہ ہے:

بہار در گروِ غنچہ شہر جولاں ہے

"مخطوطے" میں گرو کو یا تو اصلاحِ معکوس سے گرہ کیا گیا ہے، یا یہ کتابت کی غلطی ہے، اگر میرزا نے گرہ کا لفظ یہاں صرف کیا ہوتا۔ تو گرو (بہ معنی قید) کے لفظ سے کیوں بدلتے، جب معنی میں لفظ کی تبدیلی سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔

الف کے ورق ۲۶ الف اور عین کے ص۵۱ پر غزل ۹۹ ہے۔ اس میں سات شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔م میں ص۵۰ پر درج ہے۔ شیخ محمد اکرام نے یہ غزل "ارمغانِ غالب" میں بھی رکھی ہے۔ (ص۴۷) چار شعر نسخۂ مالک رام میں بھی ہیں (ص۳۳۸)

مطلع کے بعد کا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

رسیدنِ گلِ باغ واماندگی ہے
عبث محمل آرائے رفتار ہیں ہم

نسخۂ عرشی اور ارمغانِ غالب[1] میں دوسرے مصرع میں محفل ہے۔ نسخۂ عرشی میں نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے۔ نسخۂ شیرانی میں محفل کی جگہ محمل ہے۔ "مخطوطے" کے بارے میں دعوےٰ کیا گیا ہے۔ کہ یہ نسخۂ بھوپال کا پیش رو ہے۔ پھر اس میں نسخۂ بھوپال کی بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت کیوں ہے۔ جناب

---

[1] غالب نامہ (محمد اکرام) ص۱۸۳: محفل ہے۔

امتیاز علی خاں عرشی نے اختلاف نسخ کے باب میں (ص۱۴۹) محمل کو سہوِ کاتب قرار نہیں دیا ہے، لیکن حقیر کمال سمجھتا ہے، کہ یہ سہوِ کاتب ہے۔ محمل، اردو شاعری میں لیلیٰ اور معشوق کے لئے ۔ تقف ہے۔ اسلئے میرزا نے محمل کسی مرحلے پر نہ لکھا ہوگا۔ بفرضِ محال، اصلاح کے بعد محمل نسخۂ شیرانی میں لکھوایا گیا، تو اسکے نسخۂ بھوپال سے پہلے کے بیتہ نسخے میں موجودگی کا کوئی جواز نہیں۔ "مخطوطہ" کا جعلی ثابت ہوتا ہے۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

نہ ذوقِ گریباں نہ پروائے داماں

نگاہ آشنا سے گل و خار ہیں ہم

نسخۂ عرشی میں مصرعِ ثانی میں "نگہ آشنا" ہے۔ اختلافِ نسخ کے باب میں یہ نہیں دکھایا ہے کہ کسی نسخے میں "نگاہ آشنا" بھی لکھا ہو سکتا ہے۔ نسخۂ عرشی میں تصحیح کے دوران میں "نگاہ آشنا" کو "نگہ آشنا" کیا گیا ہو، کیونکہ شیخ محمد اکرام نے ارمغانِ غالب میں[1] "نگاہ آشنا" مصرع میں رکھا ہے۔ نسخۂ بھوپال مفقود ہے، اسلئے حقیر اس مرحلے پر سوائے اس کے کچھ نہیں عرض کر سکتا، کہ اگر نسخۂ عرشی میں درج قرأت نسخۂ بھوپال کی ہے، تو یہ "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

(اسد) شکوہ کفر و دعا ناسپاسی

ہجومِ تمنّا سے لاچار ہیں ہم

نسخۂ عرشی میں، مصرعِ ثانی میں "ناچار" ہے، لیکن اختلاف نسخ کے تحت عرشی صاحب نے وضاحت کی ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں "لاچار" ہی ہے۔ لیکن بعد میں چونکہ میرزا "ناچار" ہی کو درست سمجھتے تھے۔ اسلئے "ناچار" لکھا گیا ہے۔ شیخ محمد اکرام نے اپنے انتخاب میں "لاچار" ہی درج کیا ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۲۱ کے مطلع کا مصرعِ اوّل ہے:

یہاں اشک جدا گرم ہے اور آہ جدا گرم

---

[1] غالب نامہ ص۱۴۴ : نگاہ

باقی غزل الف کے ورق ۲۶ ب اور عین کے ص ۵۲ پر ہے۔

الف اور عین مرتب کرنے والوں نے بڑی محنت سے گوشوارے، فہرستیں اور فٹ نوٹ ترتیب دیئے، جو "تصریحات" اور "حواشی" کے باب ہیں۔ "نودریافت" کلام کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ غزل ایک اسرار ہے۔ الف کے مرتب اسے نودریافت تسلیم نہیں کرتے۔ عین میں اسے نودریافت تسلیم کیا گیا ہے۔ غالب کے مطبوعہ کلام میں یہ غزل ہے نہیں۔ نسخۂ مالک رام اور شیخ محمد اکرام کے نسخوں میں بھی یہ غزل نہیں ہے، نسخۂ عرشی میں بھی نہیں ہے۔ دیوانِ غالب (مطبوعہ برلن)، مرقع چغتائی، دیوانِ غالب، طاہر ایڈیشن، دیوانِ غالب (مطبوعہ نولکشور پریس) نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا — کہیں بھی یہ غزل نہیں ہے۔ اور ہو بھی نہیں سکتی تھی، کیونکہ یہ غزل غالب کی ہے ہی نہیں، ہو بھی نہیں سکتی، آیئے، ایک ایک شعر دیکھیں۔

یہاں اشک جدا گرم ہے اور آہ جدا گرم
حسرت کدۂ عشق کی ہے آب و ہوا گرم

پہلے مصرع میں دو جگہ "جدا" کا لفظ آیا ہے۔ اور دونوں جگہ بھرتی کا لفظ ہے۔ اور محاورے کے خلاف بھی ہے۔ یہاں دو جگہ جدا کا محل نہیں۔ پھر اشک کے ساتھ ہیں کا لفظ ہے۔ اسلیئے اشک صیغۂ واحد میں ہے۔ مصرع یوں بھی ہو سکتا تھا۔

یہاں اشک جدا گرم ہیں نالے ہیں جدا گرم

کسی تلاش کے بغیر سامنے کا مصرع پکڑا جا سکتا تھا۔
دوسری بات یہ ہے کہ پہلے مصرع میں اشک اور آہ، اور دوسرے مصرع میں آب و ہوا — یہ غالب کا مزاج نہیں ہے۔
حسنِ مطلع یہ ہے: اُس شعلہ نے گلگوں کو جو گلشن میں کیا گرم
پھولوں کو ہوئی بادِ بہاری، وہ ہوا گرم

قطع نظر اس کے کہ شعلے کو شعلہ لکھا ہے۔ جو غالب کا املا نہیں ہے، وہ بات جو زیادہ اہم ہے، یہ ہے کہ یہ شعر بے معنی ہے۔ کس شعلے نے گلشن میں گلگوں کو گرم کیا؟ شعلہ رو، شعلہ خو، شعلہ مزاج ۔۔ کچھ ہوتا۔ تو معشوق کا استعارہ ہوتا۔ خالی شعلہ کسی چیز کا استعارہ نہیں۔ چرسی کی چلم سے نکلا ہوا شعلہ بھی ہو سکتا ہے، اور اس سال سارے کشمیر میں گھروں کو جلانے والی پُر اسرار آگ کا شعلہ بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے، کہ گلگوں سے کیا مراد ہے؟ گلگوں سرخ رنگ کو، گلاب کے ایسے رنگ کو کہتے ہیں اُس شعلے نے گلشن میں جو سرخ رنگ کو گرم کیا! یہاں گرم کے کوئی معنی نہیں، کھینچ تان کے معنی نکال بھی لیں، تو دوسرے مصرع سے اس کا کوئی ربط نہیں۔ اب آئیے گلگوں کے دوسرے معنی دیکھیں، شیریں کے گھوڑے کا نام بھی گلگوں تھا۔ اس سے بڑے عجیب سے معنی نکلتے ہیں یہاں بھی وہی سوال ہے، کہ کس شعلے نے گلشن میں شیریں کے گھوڑے (گلگوں) کو گرم کیا۔ یہاں ردیف با معنی ہے، لیکن گھوڑے کے گرم ہونے کے بارے میں میرزا شعر کیوں کہتے ہیں دوسرے مصرع سے شیریں کا گھوڑا بھی کوئی رشتہ قائم کرنے سے قاصر ہے۔ وہ ہوا گرم، ہوا پڑھئے یا ہُوا۔ وہ زائد لفظ ہے، اور سمجھ میں نہیں آتا، کہ وہ سے کیا مراد ہے؟ یہ شعر کسی صورت سے بھی میرزا کا نہیں ہو سکتا

تیسرا شعر یہ ہے:

وا کر سکے یہاں کون بجز کاوشِ شوخی

جوں برق ہے پیچیدگیٔ بندِ قبا گرم

ایک تو بندِ قبا میں پیچیدگی نہیں ہوتی۔ پیچیدگی یہاں بھرتی کا لفظ ہے۔ پھر "جوں برق" کے بھی یہاں کوئی معنی نہیں۔ گویا برق کی طرح بندِ قبا کی پیچیدگی گرم نہیں ہوتی۔ کاوشِ شوخی کے علاوہ بھی وا کرنے والے موجود ہیں؟ یاں سے مراد کون سا مقام ہے؟ اور یاں اس بری طرح دبا ہوا ہے، کہ یہ لفظ بڑی تکلیف میں ہے۔ کیونکہ تکے کی ی ناگوار طریقے سے ساقط ہے۔ "کاوشِ شوخی" کے بجائے "جرأتِ شوخی" اور جرأتِ رندانہ مہمل ہے (بندِ قبا اور اس کی پیچیدگی) برق کی طرح گرم کیوں ہے؟ ۔۔۔ اپنی سادگی کے باوجود یہ شعر مہمل ہے، کیونکہ اس میں مضمون نظم نہیں ہوا ہے۔ ابلاغ کا جو مسئلہ آج کے کچھ شاعروں کے سامنے ہے۔ وہ اس شعر میں ہے، یقیناً یہ مسئلہ میرزا کے دور میں نہیں تھا، کیونکہ اس زمانے میں "در بطنِ شاعر" گالی تھی۔

چوتھا شعر ہے :- گر ہے سرِ دریوزگیٔ جلوۂ دیدار

جوں پنجۂ خورشید ہوائے دستِ دعا گرم

یہ شعر بھی مہمل ہے، کیونکہ دستِ دعا کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اگر جلوۂ دیدار کی بھیک کی فکر ہے، تو پنجۂ خورشید کی طرح گرم ہو جا۔ یہ کیا بات ہوئی، جلوۂ دیدار کی بھیک دستِ دُعا لے گا؟ پھر پنجۂ خورشید کی طرح سے دستِ دعا گرم ہونا، جلوۂ دیدار کی بھیک ملنے کی ضمانت کیسے ہے؟

پانچواں شعر ہے:

یہ آتشِ ہمسایہ کہیں گھر نہ جلا دے

کی ہے دلِ سوزاں نے مرے پہلو میں جا گرم

"پہلو میں جا گرم" کے معنی یہ ہیں کہ میں جہاں بیٹھا ہوں اسکے برابر کی جگہ گرم ہو رہی ہے۔ گویا جناب دل سینے کے اندر نہیں، سینے کے باہر ہیں، سینہ نہیں، پہلو کہا گیا ہے۔ اور اگر یہ پہلو بھی سینے ہی کو کہتے ہیں اس حصّے کو جسکے بل کروٹ لی جاتی ہے، لیکن یہاں پہلو سینہ نہیں ہو سکتا۔ کہ پہلے مصرع میں اس خدشے کا اظہار کیا گیا ہے، کہ یہ آتش ہمسایہ کہیں گھر نہ جلا دے۔ ظاہر ہے گھر جسم ہے۔ ہمسایہ ظاہر ہے، گھر سے ملا ہوا لیکن گھر کے باہر ہوگا۔

یہ شعر بھی مہمل ہے۔

غیروں سے اسد گرمِ سخن دیکھ کے اسکو

غیروں سے اسے گرمِ سخن دیکھ کے غالب

میں رشک سے جوں آتشِ خاموش رہا گرم

جلتا رہا کو رہا گرم کہا گیا ہے، جو غلط ہے۔ دوسری بات یہ ہے، پہلے مصرع میں "گرم سخن" اور دوسرے میں پھر "گرم" ـــ یہ بھی غالب کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔

اسد کے مقطع کو غالب کا مقطع بنانے کے یہ معنی ہیں، کہ میرزا اس غزل کو آئندہ انتخاب میں رکھتے، اگر یہ ان کی بیاض ہوتی۔ لیکن یہ غزل نہ قلمزد ہوئی اور نہ نسخۂ بھوپال میں رکھی گئی۔ مضامین اور

زبان و بیان کی غلطیاں اس غزل کے ہر شعر میں موجود ہیں۔ ان کے پیش نظر یہ غزل میرزا نہیں ہو سکتی۔ یہ سراسر الحاقی کلام ہے۔ اور یہ شعر گڑھنے والا بہت پست ذہنی سطح کا متشاعر تھا۔ جو نہ صرف غالب کے مزاج شاعری سے نابلد تھا، بلکہ معمولی شعر بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

اب آئیے، اس "مخطوطے" میں ایک تحریف ملاحظہ فرمائیے۔

الف میں، مقطع کا پہلا مصرع (غیروں سے اسد گرم سخن دیکھ کے اوسکو) قلمزد ہے اور تصریحات کے تحت یہ نوٹ ہے — "پہلے مصرع یہ لکھا تا، جسے قلمزد کر دیا . . . . ."

عین میں یہ مصرع قلمزد نہیں ہے، پھر بھی حواشی کے تحت لکھا ہے:

اس مصرع کو قلمزد کر کے اصلاحی مصرع دائیں جانب حاشیے پر اضافہ کیا ہے۔

یہ معاملہ تو بہت ہی پُراسرار ہے۔ مصرع قلمزد نہیں ہے اور اس کو قلم زد بتایا گیا ہے۔ "مقدمے" میں بھی اکبر علی خان نے ص۴۲ پر فٹ نوٹ میں لکھا ہے۔ "پہلے یہ مصرع یوں لکھا تھا: غیروں سے اسد گرم سخن دیکھ کے اسکو۔ پھر اسکو قلمزد کر کے متن کا مصرع حاشیے پر لکھ دیا۔" مصرع قلمزد نہیں ہے۔

اس سے بھی زیادہ پُراسرار بات یہ ہے، کہ ایک ہی نسخے کے دو عکس جدید فوٹو گرافی کی مدد سے پیش کئے گئے ہیں۔ ایک میں مصرع قلمزد ہے۔ اور ایک میں نہیں۔ دوسری پُراسرار بات یہ ہے، کہ عین میں اصلاحی مصرع حاشیے پر ترچھا، اسی زاویے سے لکھا ہے۔ جس سے متن کے مصرعے لکھے ہوئے ہیں، لیکن الف میں حاشیے پر نیچے سے اوپر عمودی طور پر لکھا ہے۔ عین میں "سخن" (سخن) کے ن کا آخری حصہ "غیرو نسے" کی غ سے افقی طور پر چار عشاریہ چار انچ دور ہے، جبکہ الف میں وہ غ سے اسّی (۸۰) ڈگری کے زاویے پر ہے۔ اور فاصلہ عشاریہ سات انچ ہے۔

سوال یہ ہے، کہ تحریف کس میں ہوئی ہے اور کس نے کی ہے؟ یہ سوال پھر ابھرتا ہے، کہ اگر واقعی یہ نسخہ بخط غالب ہوتا۔ تو اس میں قلم لگانے کی کوئی جرأت کرتا؟ اور یہ زاویہ کیسے بدل گیا؟ اور کس سرعت سے بدلا گیا۔

نتیجہ: یہ غزل غالب کی نہیں، یہ مخطوطہ بخطِ غالب نہیں، اور اس مخطوطے میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ جن "غالب شناسوں" نے اس غزل کے ساتھ اس "مخطوطے" کا بخط غالب ہونا تسلیم کیا ہے۔ ان کے لئے عبرت کا مقام ہے۔

الف کے ورق ۲۶ ب اور عین کے ص۵۲ پر غزل نمبر ۱۰ ہے، جسکا یہ مشہور شعر مروّجہ دیوان میں ہے۔

غم نہیں ہوتا ہے، آزادوں کو بیش از یک نفس

برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

ج دیوان کا صرف یہی ایک شعر "مخطوطے" میں ہے، باقی اشعار گ م میں صـ۱۴۲ پر نسخۂ بھوپال
سخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہیں۔ "مخطوطے" میں مطلع ہے:

بسکہ ہیں بدمست بشکن بشکنِ میخانہ ہم

موئے شیشہ سے اُگاتے ہیں خطِ پیمانہ ہم

گ م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

موئے شیشہ کو سمجھتے ہیں خطِ پیمانہ ہم

ں کہ مالی کا کام شاعر کے کلام سے کچھ کم معزز ہے، لیکن میرزا کا جو مزاج تھا، جس ماحول میں ان کی
داخت ہوئی تھی، اس میں وہ "اگانے" کے کام کو اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتے تھے۔ دوسری
ت یہ ہے کہ شیشے کے بال سے خطِ پیمانہ "اُگایا" نہیں جا سکتا۔ "مخطوطے" میں مصرعِ ثانی سراسر
نی ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

بکہ ہر یک موئے زلفِ افشاں سے ہے تارِ شعاع

پنجۂ خورد دیکھتے ہیں، زیردستِ شانہ ہم

یردستِ شانہ" کے مطلب چاہیے "زبردست" کے متضاد لیجیے یا لغوی معنی لیجیے، دونوں
ورتوں میں "زیردست" بے معنی ہے۔ میرزا کا مصرع وہ ہے جو گ م میں ہے:

پنجۂ خورشید کو سمجھے ہیں دستِ شانہ ہم

یردستِ شانہ" میرزا نہیں لکھ سکتے تھے، اس لیے "مخطوطے" کے مصرع کو الحاقی سمجھنا چاہیے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

نقشبندِ چاک ہے موج از فروغِ ماہتاب

سیل سے فرش کتاں کرتے ہیں در ویرانہ ہم

گ۔م میں شعر یوں ہے :

ہے فروغِ ماہ سے ہر موج یک تصویرِ چاک

سیل سے فرشِ کتاں کرتے ہیں تا ویرانہ ہم

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اول یوں ہے :

نقشبندِ خاک ہے موج از فروغِ ماہتاب

جب نسخۂ بھوپال کی اولین قرأت میں، اصلاح سے پہلے کے مصرع میں "خاک" ہے، تو "مخطوطے" میں "چاک" کیوں ہے؟ ۔۔۔ "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے اور نسخۂ بھوپال کے بعد لکھے جانے کی یہ بھی ایک اہم شہادت ہے۔
مصرعِ ثانی یوں لکھا ہے: "فرش سیل" سے فرشِ کتاں کرتے ہیں در ویرانہ ہم" گویا "میرزا" کو یہ لکھتے دکھایا گیا ہے، کہ پہلے "فرش" لکھا تھا، پھر شش کی کشش کو سیل کا س بنادیا۔ "فر" نہ چھپایا گیا اور نہ کاٹا گیا۔ یہ میرزا کی عادت کے خلاف امر ہے، اور "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے کا مزید ثبوت ہے۔

"مخطوطے" میں ساتواں شعر ہے:

جانتے ہیں جوششِ سودائے زلفِ یار میں

سنبلِ آشفتہ کو موئے سرِ دیوانہ ہم

جس طرح "خاک" اوپر کے شعر میں "چاک" کی جگہ الحاقی لفظ ہے۔ اِس طرح اِس شعر کے مصرعِ ثانی میں "آشفتہ" بھی الحاقی لفظ ہے۔ گ۔م میں "سنبلِ بالیدہ" ہے
"مخطوطے" میں آٹھواں شعر ہے: بسکہ در چشم و چراغِ محفلِ اغیار ہے

چپکے چپکے جلتے ہیں جوں شمعِ ماتم خانہ ہم

قافیہ خاص توجہ کا مستحق ہے۔ پہلے "ماتمخانہ" لکھنے کے لئے "ماتم" تک لکھا گیا، پھر "ما" پر "خلو" لکھدیا گیا۔ الف میں مقابل کے صفحے پر، نستعلیق خواندگی میں قافیہ "خلوت خانہ" لکھا گیا ہے۔ کیونکہ "مخطوطے" میں یہی قافیہ لکھا گیا ہے۔ عین میں "حواشی" کے تحت گمراہ کن نوٹ ہے۔ جس میں کہا گیا ہے، کہ پہلے "خلوتخانہ" تھا، اسی کو "ماتمخانہ" کیا گیا ہے۔ یہ بات سراسر خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ تم سے پہلے دوسرے میم کا وجود نہیں ہے۔ عین میں یہ نوٹ علت سے خالی نہیں ہے۔ عرشی زادہ صاحب کو شاید یہ بات معلوم تھی، کہ نسخۂ بھوپال میں قافیہ "ماتم خانہ" ہے اور نسخۂ شیرانی میں قافیہ "خلوت خانہ" ہے اسلئے انھوں نے "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال والا قافیہ دکھانے کی سعی فرمائی۔ ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، کہ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کے مصرعے یا الفاظ ہیں۔ عین کے حاشیہ نگار نے بیکار زحمت کی۔ اگر ان کی بات درست بھی ہوتی، جو نہیں ہے، تو اس سے کیا ثابت ہوتا؟ یہی نا کہ نسخۂ بھوپال سے پہلے قافیہ "خلوت خانہ" تھا۔ نسخۂ بھوپال میں اصلاح کے بعد "ماتم خانہ" لکھوایا گیا۔ پھر نسخۂ شیرانی میں میرزا "خلوت خانہ" پر واپس آ گئے۔ یہ اپنی نوعیت کی واحد مثال ہوتی، تو شاید اسکے درست ہونے کا گمان بھی ہو سکتا، لیکن ایسی تو بہت سی مثالیں اس "مخطوطے" میں ہیں۔ کیا میرزا ہر اصلاح پر اصلاحِ معکوس کرتے رہے تھے ــــ اس سوال کا جواب اگر نفی میں ہے، اور یقیناً نفی میں ہے، تو "مخطوطے" کے جعلی ثابت ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی۔

مقطع وہی ہے، جو نسخۂ بھوپال میں تھا۔ بس "شامِ غم" کے بعد "میں" رہ گیا ہے، دراصل مصرع، اصلاحِ معکوس کے بعد یوں لکھا گیا تھا:

در شبِ غم سوزِ عشق شمعرویاں سے (اسد)

یہ بھی "ترکیبی" لکھاوٹ تھی، کیونکہ "سشں" کی کشش ہے، جس پر الف لکھدیا گیا۔ "ب" اور اسکے ساتھ "شں" اور "ب" کے اتصال کے نکتے پر جو شوشہ ہوتا ہے، وہ غائب ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۱۰۲ کے مطلع کا مصرعِ اوّل ہے۔ چھ شعروں کی اس غزل کا باقی حصہ الف کے ورق ۳۰ الف اور عین کے ص۵۳ پر ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ک م میں ص۵۵ پر درج ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

کیا دے صدا کہ کلفتِ گم گشتگاں سے آہ

ہے سرمہ گردِ رہ گلو سے جرس تمام

جناب امتیاز علی خاں عرشی نے اپنے نسخے میں (گ م ص۵۵ اور اختلافِ نسخ ص۱۰۹) پر اس بات کی نشاندہی کی ہے، کہ نسخۂ بھوپال کی قرأت میں، مصرعِ اول میں "الفت" ہے اور نسخۂ شیرانی میں "کلفت" ہے۔ نسخۂ بھوپال کے بجائے، نسخۂ شیرانی کا مصرع "مخطوطے" میں ہونا، ایک بار پھر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے، کہ "مخطوطہ" جعلی ہے۔ حیرت ہے، کہ الفؔ اور عینؔ کے مولفوں نے ایسا کوئی گوشوارہ مرتب نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا، کہ کتنی جگہوں پر "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع نہیں، بلکہ اسکے بعد کے نسخے (شیرانی) میں جو اصلاح یافتہ شکل ہے، وہ موجود ہے۔ ایسا گوشوارہ یقیناً دلچسپ مطالعہ پیش کرے گا۔ یہ گوشوارہ حقیر کمالؔ کی اس کتاب میں فراہم کی گئی مثالوں سے، بڑی آسانی کے ساتھ مرتب کیا جا سکے گا۔ یہ مثالیں حقیر نے جناب امتیاز علی خاں عرشی کے نسخے سے اخذ کی ہیں۔ ادب کا کوئی طالب علم ایسا کوئی گوشوارہ بنائے، تو حقیر کمالؔ کے آداب و نیاز کے ساتھ ایک ایک نسخہ جناب مالک رام، جناب امتیاز علی خاں عرشی کو ضرور پیش کرے۔ کہ ان حضرات نے اس نسخے کے بخطِ غالب ہونے کی اسناد جاری کیں۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

ترساں ہوں کوچہ گردیِ بازارِ عشق سے

ہیں خارِ راہ جوہرِ تیغِ عسس تمام

گ گ میں، مصرعِ اول میں، "ترساں" کی جگہ "ڈرتا ہوں" ہے۔ شیخ محمد اکرام نے بھی اپنے نسخے (ارمغانِ غالب) میں یہی لفظ لکھا ہے (ص۲۴)۔ "مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر "ترساں" الحاقی لفظ ہے۔

الفؔ کے ورق ۲۷ الف اور عینؔ کے ص۵۳ پر غزل ۱۰۳ ہے، یہی غزل بعینہٖ طور پر "بخطِ غیر" الفؔ کے ورق ۳۰ ب اور عینؔ کے ص۳۶ کے حاشیے پر ہے۔

حاشیے کی تحریر کا کردار بھی وہی ہے، جو متن کی عبارت کی تحریر کا ہے۔ خط ذرا زیادہ شکستہ ہے۔ لیکن اس کے بارے میں کوئی شک نہیں، کہ حاشیے کی غزلیں بھی اُسی نے لکھی ہیں۔ جس نے

سارا دیوان لکھا ہے۔ غ، اسد، گ، ر د (ایک مرکز کے ساتھ اور ر اور ڈ ملا کر) اور یائے مجہول اور یائے معروف ایک طرح سے لکھنا۔ ک ت وغیرہ میں خط بگاڑنے کی شعوری کوشش کے باوجود خط کا بنیادی کردار وہی ہے۔ اگلے صفحے کے حاشیے پر بھی ایک غزل ہے۔ اس کو بھی ملحوظ رکھیں، تو معلوم ہوگا، کہ حاشیے کی تحریر اس خط کی طرح ہے، جو بعض صفحوں پر اصلاحی مصرعے لکھنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ خاص طور سے عین کے ص۴۴ (الف کے ورق ۲۲ ب) عین کے ص۱۲۱ (الف کے ورق ۳۵ الف) اور عین کے ص۸۵ (الف کے ورق ۴۱ الف) جس پر لعل خاں کے ڈھائی روپے ماہانہ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کی تاریخ درج ہے۔ حاشیے کی تحریروں میں خط مسخ ضرور ہوا ہے، لیکن خط کا کردار مسخ نہیں ہوا ہے۔

حاشیے کی تحریریں جو عین کے صفحات ۶۰ اور ۶۱ (الف کے اوراق ۳۰ ب اور ۳۱ الف) پر ہیں۔ اس اعتبار سے غیر فطری ہیں۔ کہ مخطوطے کو اوپر سے نیچے، یعنی الٹا رکھا گیا، اور پھر غزل لکھنا شروع کی۔

مخطوطہ نویس کا خط مسخ کر کے حاشیوں پر غزلیں لکھنا علت سے خالی نہیں ہے۔ اور یہ بھی اس مخطوطے کے جعلی ہونے کا ایک ثبوت ہے۔

اب آیئے ذرا غزل ع۱۰۳ پر ایک نظر ڈالیں، اور اسکی قرأت کا موازنہ حاشیے پر لکھی ہوئی، اسی غزل کی قرأت سے کریں۔ یہ غزل گ م میں ص۵۵ اور ص۵۶ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہے۔

پہلا مطلع دونوں میں ایک جیسا ہے، اور گ م میں بھی اس کی قرأت یہی ہے:۔

خوش وحشتے کہ عرضِ جنونِ فنا کروں
جوں گردِ راہ جامۂ ہستی قبا کروں

حسن مطلع مخطوطے کے متن میں یوں ہے:

گر بعدِ مرگ عرضِ جنونِ ہوا کروں
موجِ غبار سے پرِ یک دشت وا کروں

حاشیے پر پہلا مصرع مختلف ہے:۔

گر بعدِ مرگ وحشتِ دل کا گلا کروں

گ۔م میں بھی مصرع کی یہی قرأت ہے، لیکن قافیہ "گل" لکھا ہے۔ جو ظاہر ہے غلط ہے، نسخۂ عرشی میں یہ غلطی حیران کن ہے۔ شاید تصحیح کے عمل میں یہ غلطی ہوئی ہے۔

تیسرا شعر مخطوطے میں یوں ہے:

آ اے بہارِ نازکہ جوشِ خرام سے
دستارگردِ شاخِ گلِ نقشِ پا کروں

حاشیے پر پہلا مصرع اتنا ہی لکھا ہے:

آ اے بہار نازکہ تیرے خر

یہ مصرع وہی ہوگا جو گ۔م میں ہے:

آ اے بہارِ نازکہ تیرے خرام سے

چوتھا شعر مخطوطے میں وہی ہے، جو گ۔م میں ہے:

خوش اوفتادگی کہ بصحرائے انتظار
جوں جادہ گردِ رہ سے نگہ سرمہ سا کروں

حاشیے پر پہلا مصرع یوں ہے:

خوش اوفتادگی کہ بصحرائے آشکار

سوال یہ ہے کہ "صحرائے انتظار" کو "صحرائے آشکار" کس نے بنایا اور اگر یہ اصلاح میرزا کی تھی تو:

۱۔ یہ غزل حاشیے پر کہاں سے نقل کی گئی۔
۲۔ یہ اصلاح نسخۂ بھوپال میں برقرار کیوں نہیں رہی

الف میں تو حاشیے کی اس غزل کے سلسلے میں چپ سادھی گئی ہے۔ یہ سوچ کر ایک چپ سو کو ہرا دیتی ہے، لیکن متن میں حاشیے کی اس غزل پر حواشی میں جو عبارت درج ہے، نقل کی جاتی ہے۔

"یہ غزل صـ۵۳ کے متن میں گذر چکی ہے، یہاں سہواً کسی شخص نے اضافہ کردی ہے، اس کے سات شعروں کے کچھ حصے کسی وقت جلد بندی میں ضائع ہو گئے ہیں بعض اختلافات سے پتہ چلتا ہے، کہ حاشیے میں یہ اندراج غزل میں نظر ثانی کے بعد ہوا ہے۔ مثلاً متن میں اس غزل کے شعر ۲ کا پہلا مصرع یوں ہے: "گر بعد رگ عرض جنونِ ہوا کروں" لیکن یہاں وحشت دل کا گلا کروں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح شعر ۳ کا مصرع اوّل متن میں یوں ہے: آ لے بہار ناز کر جوشش خرام سے، لیکن یہاں تیرے خرام سے لکھا گیا ہے۔ یہ دونوں اصلاحی شکلیں ہیں۔ اسلئے یہی مخطوطہ بھوپال میں بھی درج ہوئی ہیں"۔

عین کے حواشی میں بھی "صحرائے آشکار" کے سلسلے میں چُپ سادھی گئی ہے۔ سوال یہ ہے۔ "سہواً کسی شخص" نے یہ غزل کب حاشیے پر اضافہ کی؟ نسخۂ بھوپال کی ترتیب کے بعد؟ تو پھر "صحرائے انتظار" ہونا چاہیئے تھا۔ "نسخۂ بھوپال" کی کتابت سے پہلے؟ تو پھر اصل متن میں اس پہ اصلاح ہوئی ہوتی، اگر یہ مخطوطہ بخط غالب ہوتا؟

"آشکار" کی اصلاح معکوس عادتاً کردی گئی تھی اور اس کی وجہ سے "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا ثبوت اور قوی ہو جاتا ہے، اس کی ایک اور شہادت بھی ہے۔ دوسرے اور تیسرے شعروں میں جو اصلاحی مصرے ہیں۔ وہی نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں ہیں۔ لیکن مقطع کی قرأت وہ نہیں ہے، جو نسخۂ بھوپال میں ہے، مخطوطے کے حاشیے پر مقطع یوں ہے:

یوں دامِ بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش اسدؔ
لیکن یہ بیم ہے، کہ کہاں سے ادا کروں

نسخۂ بھوپال میں مقطع یوں ہے:

یوں دامِ بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش وے
غالبؔ یہ خوف ہے، کہ کہاں سے ادا کروں

یہ بات قابلِ بحث ہو سکتی تھی، کہ مخطوطے کے حاشیئے کی غزلیں نسخۂ بھوپال کی ترتیب کے بعد نقل نہیں کی گئی تھیں، مگر حقیقت کے اس کے برعکس ہونے کی شہادتیں اسی "مخطوطے" میں موجود نہیں ہوتیں۔

الف کے ورق ۳۲ ب اور عین کے صـ۱۴ کے حاشیے پر "بخطِ غیر" وہ غزل نقل ہوئی ہے۔ جو متداول دیوان میں ہے۔ "مخطوطے" میں مطلع یہ ہے:

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز اور وہ سال کہاں

یہ غزل نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ غزل اس "مخطوطے" میں "بخطِ غیر" کہاں سے نقل ہوئی۔ ظاہر ہے نسخۂ بھوپال سے۔ اگر ایسا ہے، تو دو سوال اور پیدا ہوتے ہیں۔

١۔ نسخۂ بھوپال کا باقی کلام، جو اس مخطوطے میں نہیں ہے، وہ کیوں نقل نہیں کیا گیا؟

٢۔ نسخۂ بھوپال سے یہ غزل نقل ہوئی، تو مطلع اور ایک شعر کی قرأت اس میں مختلف کیوں ہے؟ کیا یہ اصلاحیں غالب نے کی تھیں؟ — یا ناقل یہ اصلاحیں کرنے کا مجاز تھا؟

نسخۂ بھوپال میں مطلع کا دوسرا مصرع یہ ہے:

وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

اب امکان اور ہے، آئیے، اسکا جائزہ لیں۔ میرزا نے یہ غزل کسی اور پرزے پر لکھی تھی۔ جس سے مخطوطے کے حاشیے پر نقل کی گئی۔ اس صورت میں یہ تنہا غزل حاشیے پر نہیں ہے۔ ان تمام پرزوں کا ناقل کو ملنا قرینِ قیاس نہیں ہے، جسکو غلط نویس بھی دکھایا گیا ہے۔ [جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے، حاشیے اور متن کی تحریر ایک ہی شخص کی ہے]

اب تیسرا امکان بھی ہو سکتا ہے، یہ غزل، اس ہیئت ردیف دار دیوان سے نقل کی گئی ہو۔ جو نسخۂ بھوپال کا پیش رو تھا۔ لیکن اس صورت میں یہ غزل نسخۂ بھوپال کے متن میں ہوتی، حاشیے پر نہ ہوتی۔

جعل ثابت ہے۔

الف کے ورق ٣٤ الف اور عین کے ٦٦ کے حاشیے پر ایک اور غزل ہے، جس کا مطلع یوں لکھا ہے:

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجیے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

اس سے "کی جگہ" اسے "لکھا ہے اور اگرچہ اسے بخطِ غیر بتایا گیا ہے، لیکن خط وہی ہے، جس میں ان کی غزلیں لکھی گئی ہیں۔ دس شعروں کی یہ غزل بھی نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر کی ہے، اور متداول دیوان میں موجود ہے، پھر وہی سوال ہیں۔

"مخطوطے" میں نواں شعر یوں ہے:۔

وارستگی بہانۂ سنگین دلی نہیں

اپنے سے کر نہ غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو

نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر اِن شعروں کی ترتیب مختلف ہے۔ اِس سے بھی بڑی بات یہ ہے، کہ ان کی قرأت میں فرق ہے:

وارستگی بہانۂ سنگی دلی نہیں،

اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

"سنگی" کا املا "سنگیں" مخطوطے میں کیوں لکھا گیا۔

اختلافِ نسخ کی کوئی وجہ سوائے اسکے نہیں کہ "مخطوطے" میں اصلاحِ معکوس کے بعد مصرعے لکھے گئے ہیں۔ اِملا میرزا کے اِملا سے مختلف ہے۔ حالانکہ خط وہی متن والا ہے۔

جعل ثابت ہے۔

نسخہ بھوپال کے آخر اور حاشیئے کا کلام "مخطوطے" کے حاشیئے پر "خطِ غیر" میں موجود ہے، اب ایک اور دلچسپ بات ملاحظہ فرمائیے۔ الف کے ورق ۳۱ الف اور عین کے صلا کے حاشیئے پر وہ غزل ہے جو متداول دیوان (ن ص) میں ص۸۷ اپر نسخۂ بھوپال اور حاشیۂ نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہے دیوان میں دس شعر ہیں، لیکن "مخطوطے" میں چھ شعر ہیں۔ چار شعر، جو نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر ہیں۔ وہ "مخطوطے" میں نہیں ہیں۔ وہ "شخص" جس نے "مخطوطے" پر "بخطِ غالب" نہیں، بلکہ اپنے خط میں اشعار لکھے۔ اس کے وسائل تو اتنے وسیع تھے، کہ اس نے نسخۂ بھوپال کے حاشیئے، نسخۂ بھوپال کے آخر اور نسخۂ شیرانی تک کا کلام لکھ ڈالا، لیکن اس غزل کے وہ شعر اس کو نہیں ملے، جو نسخۂ بھوپال کے حاشیئے پر تھے۔ یہ قیاس شاید غلط نہ ہو، کہ یہ غزل، متن میں لکھنے کے لیئے منصوبہ بنایا گیا تھا۔ غلطی سے اسے حاشیے پر لکھا گیا۔ منصوبہ بندی میں جو غلطی ہوئی تھی، اُسکی تلافی حاشیئے پر نقل کر... نقل کے ذرا سے اِستعمال سے ہو سکتی تھی، اگر نسخۂ بھوپال کے حاشیے کے شعر بھی لکھ دیئے جاتے۔

یہ غزل حاشیے پر غالب کی بیاض سے نقل نہیں ہوئی ہے، اِسکا ثبوت مطلع ہی میں موجود ہے مطلع "مخطوطے" میں یوں لکھا ہے:

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

مکاتیبِ غالب کے متن میں بیتاب کے شعر پر اصلاح میں صلا پر میرزا نے "پونچھے" کے سلسلے میں لکھا ہے: پونچھنا اور ہے۔ پُرسیدن کا ترجمہ پوچھنا بے نون ہے۔ یہ آگہی کے واسطے لکھا ہے۔
صـ۹۵ پر بھی ایک شعر میں ایلے کی اصلاح کرتے ہوئے "پونچھو" کو درست کیا ہے۔ اِس سے پہلے صـ۹۰ پر ایک شعر میں "پونچھا" کو "پوچھا" کیا ہے۔ اگر یہ شعر میرزا کی بیاض سے نقل ہوا ہوتا، تو اس میں میرزا کا املا ہوتا۔
اسی طرح میرزا صاحب "منہ" لکھتے تھے۔ اِس سلسلے میں مکاتیبِ غالب کے دیباچے میں صـ۲۲۲ اور صـ۲۲۳ پر جناب امتیاز علی خاں عرشی نے تحریر فرمایا ہے: "منہ کا پرانا املا "سونہ" یا "موںہہ" ہے۔ نواب ناظم کے مسودوں میں متعدد جگہ یہ لفظ آیا ہے۔ اور ہر جگہ کاتب نے "موںہہ" لکھا ہے۔ میرزا صاحب نے ایک جگہ مستثنیٰ کرکے "منہ" بنا دیا ہے۔
اگر مطلع میرزا کی بیاض سے نقل ہوا ہوتا تو اِس میں میرزا ہی کا املا ہوتا اور "بوسہ" کی جگہ "بوسے" لکھا ہوتا۔
"مجھے" چھوٹ گیا ہے، لیکن کہ کی جگہ پہلے کے، خاص اُس طریقے سے لکھا ہوا ہے۔ جیسے متن میں۔ پھر اس کے نیچے "یا" لکھا ہے، یہ بھی اسی انداز کا ہے۔ جیسے متن میں لکھنے کا طریقہ ہے۔
اور شعروں کے لکھنے میں بھی ایک آدھ لفظ زیادہ لکھ دیا گیا ہے، جس سے حاشیے کا ناقل غلط نویس ثابت ہوسکے۔ لیکن اُس ورق پر جو اصلاحیں متن میں "بخطِ غالب" ہیں وہ "حاشیے" کی تحریر سے نہ صرف مماثلت رکھتی ہیں، بلکہ دونوں کا ایک ہی شخص کے ہاتھ سے لکھا جانا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔
الف کے ورق ۳۸ الف اور عین کے صـ۵ پر ایک اور غزل ہے جو متداول دیوان (نوائے سروش) کے صفحات ۲۲۲ اور ۲۲۳ پر "آخر نسخۂ بھوپال" کے حوالے سے درج ہے۔ اِس میں نہ صرف کچھ شعر کم زیادہ ہیں، بلکہ شعروں میں اختلافِ نسخ بھی ہے۔
حاشیے پر "مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

دل ہوا تو اچھا، نہیں ہے گر دماغ
کچھ تو اسبابِ تمنا چاہیئے

یہ شعر گ م کے متن میں نہیں ہے۔ لیکن "شرح غالب" کے باب میں
...ب اسنیانہ علی خان عرشی نے اس شعر کے گ م میں اضافہ کرنے کی ہدایت
کی ہے، اور تحریر فرمایا ہے کہ یہ بھی آخر ق (نسخۂ بھوپال) کی غزل ہے اور اس کے باقی
شعر نوائے سروش میں نمبر ۱۸۴ پر درج ہیں۔

آخری شعر مخطوطے میں یوں ہے:

میں ان مہ طلعتوں کے واسطے

چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

نسخۂ بھوپال میں، پہلے مصرع کا پہلا لفظ "غافل" ہے۔ "مخطوطہ" میں یہ اصلاح کس نے کی۔ اور کب کی؟
یہ بھی اصلاح سکوس ہے، کیونکہ نسخۂ بھوپال کے آخر میں اور حاشیے پر جو کلام اضافہ ہوا ہے،
وہ غالب کی کسی بیاض میں ہوتا، تو نسخۂ بھوپال کے متن میں ہوتا۔
نسخۂ بھوپال میں یہ دو اور شعر بھی غزل میں ہیں:

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی

منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

دشمنی نے میری کھویا غیر کو

کسقدر دشمن ہے، دیکھا چاہیے

یہ غزل آخر نسخۂ بھوپال میں ہے، اسلئے لازمی طور پر نسخۂ بھوپال کی کتابت کے بعد سرانجام پائی ہوگی۔
اور پہلی بار اسکی کتابت نسخۂ بھوپال ہی میں ہوئی ہوگی۔ یہ دو شعر مخطوطے میں کیوں نقل نہیں ہوئے؟
کیا غالب کو یہ پسند نہیں تھے؟ — ایسا ہوتا تو وہ نسخۂ بھوپال ہی میں نہ لکھے جاتے، یا پھر
وہاں بھی قلمزد کر دیئے جاتے۔
جبل ثابت ہے۔
الف کے ورق ۳۸ ب اور عین کے صلا کے حاشیئے پر بعینہٖ "خط غیر" میں

وہ غزل ہے، جسکا مطلع ہے:

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی

میری وحشت تری شہرت ہی سہی

اس غزل کے دسوں شعر، نسخۂ بھوپال کے حاشیے کے حوالہ سے متداول دیوان (ن، س) میں صفحہ ۲۲۰ اور ۲۲۱ پر درج ہیں، شعروں کی ترتیب میں بھی فرق ہے، اور "مخطوطے" میں ایک اصلاح بھی دکھائی گئی ہے۔ اس شعر میں:

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو

آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

مصرعِ اولیٰ پہلے یوں لکھا گیا تھا:

اپنی ہستی میں ہے کیا رسوائی

الف کے مؤلف نے اس کی نستعلیق خواندگی میں لؔہ کا نشان دیا ہے، لیکن تصریحات کے تحت کچھ لکھنے سے گریز کیا ہے۔ عین کے حواشی میں کہا گیا ہے، کہ ناقل نے ایک اور مصرع کا ایک حصہ غلط لکھدیا تھا، بعد میں ٹھیک کردیا، دراصل مخطوطے کے حاشیے کی عبارت بھی اُسی نے لکھی ہے جس نے مخطوطہ لکھا ہے، اور عادتاً اُس نے اصلاحِ معکوس کردی تھی، وہ یہ بھول گیا تھا، کہ حاشیے پر وہ غالب کے قلم سے نہیں لکھ رہا ہے۔ چنانچہ جب یہ احساس ہوا، تو اصلاحِ معکوس پر قلم پھیر کر اصل مصرع واپس لکھدیا۔

نسخۂ بھوپال میں ایک شعر یوں ہے:

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف

آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

"مخطوطے" میں "رخصت" کے بجائے قافیہ "فرصت" ہے۔ یہ بھی اصلاحِ معکوس ہے۔ دلائل وہی ہیں جو پہلے عرض کئے جاچکے ہیں۔

الف کے ورق ۳۹ ب اور عین کے صفحہ ۷۵ پر وہ غزل ہے، جو نمونہ کلام کے طور پر عمدہ منتخبہ

(تذکرۂ سرور) میں درج ہے۔ چند صفحات کے بعد عمدۂ منتخبہ میں اسد کا ترجمہ اردو نمونۂ کلام میں درج اشعار پیش کئے جائیں گے، اس غزل کا مطلع ہے:

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے
سینہ جویائے زخم کاری ہے

نسخۂ عرشی (ن س) کے صفحہ ۲۲۴ کے فٹ نوٹ کے مطابق یہ غزل نسخۂ بھوپال کے آخر میں درج ہے، لیکن اس غزل کے بارے میں یہ قیاس کرنا غلط ہوگا، کہ یہ نسخۂ بھوپال کی کتابت کے بعد کی تخلیق ہے۔ نسخۂ بھوپال کی کتابت کا سن ۱۲۳۷ ہجری ہے، جبکہ عمدۂ منتخبہ ۱۲۲۴ ہجری میں مکمل ہوا تھا، (تفصیل آگے آئے گی) عمدہ منتخبہ میں یہ غزل، ایک جگہ نقل نہیں ہوئی ہے۔ پہلے غزل ہے۔ پھر دو اور غزلوں کے منتخب اشعار ہیں۔ اور اس کے بعد اسی زمین میں وہ اشعار ہیں، جو نسخۂ بھوپال میں قطعہ بند دکھائے گئے ہیں۔ اس سے صرف ایک نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ بعض اور غزلوں کی طرح جسکے اشعار عمدۂ منتخبہ میں نمونۂ کلام کے طور پر درج ہوئے ہیں۔ میرزا نے انتخاب کے وقت چھانٹ دی تھیں، اور نسخۂ بھوپال میں شامل نہیں کیں۔ اس زمین میں یہ دو غزلیں بھی انہوں نے نسخۂ بھوپال میں شامل نہیں کیں۔ بعد میں انھوں نے ان دونوں غزلوں کو ایک جگہ کر دیا اور دوسری غزل کو قطعہ بند دکھا دیا۔ اس کے علاوہ کوئی اور نتیجہ نکالا ہی نہیں جاسکتا۔

یہ غزل صریحاً نسخۂ عرشی سے نقل ہوئی ہے، جلد بندی میں مصرعوں کے حصے کاٹ دئے گئے ہیں۔ ایک شعر میں قرأت کا بھی فرق ہے۔ نسخۂ عرشی (ن س) ص ۲۲۴ میں شعر یوں ہے:-

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب
اشکباری کا حکم جاری ہے

لیکن اختلافِ نسخ کے باب میں (ص ۴۵۱) پر یہ وضاحت کی گئی ہے، کہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں * "بے قراری" ہے۔ "اشکباری" "گل رعنا" میں ہے۔

* "مخطوطے" میں شعر یوں ہے

ہو رہے ہیں گواہِ عشق طلب
بے قراری کا حکم جاری ہے

عمدۂ منتخب میں شعر یوں ہے :

کھچ رہے ہیں گواہِ عشق طلب
بے قراری کا حکم جاری ہے

عرشی زادہ صاحب نے عمدۂ منتخب میں صفحہ ۱۲۳۳ ہجری اور ۱۲۴۴ ہجری کے درمیان اضافہ ہونا بتایا ہے، اور دلیل یہ دی ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں "بے قراری" ہے۔ "اشکباری" کا لفظ گل رعنا میں کیا گیا۔ لیکن اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے، کہ عمدۂ منتخبہ میں اضافہ ہوا۔
عمدۂ منتخبہ اور نسخۂ بھوپال دونوں میں پہلا مصرع یوں ہے :-

کھچ رہے ہیں گواہِ عشق طلب

"مخطوطے" میں یہ فرق کیوں ہے؟ یہ اگر اصلاح معکوس نہیں ہے اور تھوڑی دیر کیلئے اگر فرض کریں، تو کہ "مخطوطے" کا مصرع تقدم زمانی رکھتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے، کہ یہ کہاں سے نقل ہوا؟ جب "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کے آخر اور حاشیوں کا کلام ہو، اور نسخۂ بھوپال کے مطابق متن کی اصلاح نہ کی گئی ہو۔ بلکہ اس نسخے کا سارا کلام بھی نقل نہ کیا گیا ہو، وہ کسی صورت میں "کھرا" نہیں ہو سکتا۔
نواب اعظم الدولہ، میر محمد خاں بہادر سرور کا "تذکرۂ سرور" یعنی "عمدۂ منتخبہ" پہلا تذکرہ ہے، جس میں غالب کا ذکر ہے۔ اس میں انکا ذکر اسد کے تحت ہے۔ ان کے بارے میں جو ذکر ہے، اس پر ایک نظر ڈالنا مفید ہوگا۔

اسد تخلص، اسد اللہ خاں، عرف میرزا نوشہ، اصلش از سمرقند، مولدش مستقر الخلافۂ اکبر آباد۔ جوانِ قابل و یارباشش و دردمند۔ ہمیشہ بہ خوشش معاشی بسر بردہ۔ ذوق ریختہ گوئی در خاطر متمکن۔ غم ہائے مجاز (؟) تربیت یافتہ غم کدۂ نیاز، در فنِ سخن سنجی

تتبع محاورات میرزا عبدالقادر بیدل علیہ الرحمہ در ریختہ در محاورات فارسی موزوں می کند۔ بالجملہ موجد طرز خود است و با راقم رابطۂ یک جہتی مستحکم دارد۔ اکثر اشعارش از زمین سنگ لاخ۔ بہ مضامین نازک موزوں گشتہ۔ رویۂ خیال بندی بیش از بیش پیش نہادِ خاطر دارد، از نتائج طبع اوست (ورق ۲۶ ب)

شمشیرِ صافِ یار جو زہراب دادہ ہو
وہ خطِ سبز ہے کہ بہ رخسارِ سادہ ہو

دیکھتا ہوں اُسے تھی جس کی تمنا مجکو
آج بیداری میں ہے خوابِ زلیخا مجکو

آئے ہیں پارہ ہائے جگر درمیانِ اشک
لایا ہے لعلِ بیش بہا، کاروانِ اشک

آنسو کہوں کہ آہ سوارِ ہوا کہوں
ایسا عناں گسیختہ آیا کہ کیا کہوں

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب نوجواں مجھے
یہ رنگِ زرد ہے چمنِ زعفراں مجھے

دیکھ وہ برقِ تبسم بس کہ دل بیتاب ہے
دیدۂ گریاں مرا فوارۂ سیماب ہے

کھول کر دروازۂ میخانہ بولا مے فروش
اب شکستِ توبہ مے خواروں کو فتح الباب ہے

مجلسِ شعلہ عذاراں میں جو آ جاتا ہوں
شمع ساں میں تہِ دامانِ صبا جاتا ہوں

ہووے ہے جادۂ رہ رشتۂ گوہر ہر گام
جس گزرگاہ سے میں آبلہ پا جاتا ہوں

سرگراں مجھ سے سبک رو کے نہ رہنے سے رہو
کہ بہ یک جنبشِ لب مثلِ صدا جاتا ہوں

اک گرم آہ کی تو ہزاروں کے گھر جلے
رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر ہم جگر جلے

پروانے کا نہ غم ہو تو پھر کس لئے اسدؔ
ہر رات شمع شام سے لے تا سحر جلے

•

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا
دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

خوباں کے چاہنے کے ہیں قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

•

نیازِ عشق خرمن سوز اسباب ہوس بہتر
جو ہو جاوے نثارِ برق مشتِ خار و خس بہتر

(ورق ۷۴ الف)

یاد آیا جو وہ کہنا کہ نہیں واہ غلط
کی تصوّر نے بہ صحرائے ہوس راہ غلط

•

گلشن میں بند و بست بہ ضبطِ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

•

اُس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسدؔ
خونِ زاہد کو مباح اور مالِ صوفی کو حلال

•

کہتا تھا کل وہ نامہ رساں سے بہ سوزِ دل
دردِ جدائی اسد اللہ خاں نہ پوچھ

اسدؔ کو بوریے میں دھر کے پھونکا موجِ ہستی نے
فقیری میں بھی باقی ہے شرارت نوجوانی کی

•

شکلِ طاؤس گرفتار بنایا ہے مجھے
ہوں میں وہ دام، کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے

•

ماہِ نو ہوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

•

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے
سینہ جویائے نقشِ کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز ___
پھر وہی پردۂ عماری ہے
چشمِ دلّالِ جنسِ رسوائی
دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے
وہی صد رنگ نالہ فرسائی
وہی صد گونہ اشک باری ہے
دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر
محشرستانِ بے قراری ہے
جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے
روز بازارِ جاں سپاری ہے
پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

(ورق ۷۴ب)

کب سنے ہے وہ کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری
خلشِ غمزۂ خوں ریز نہ پوچھ
دیکھ خوں نابہ فشانی میری
کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے لوگ
مگر آشفتہ بیانی میری

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا
تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اسقدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا
دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت کا ناخن سے جدا ہو جانا

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز
گرم بازارِ فوجداری ہے۔
پھر ہوا ہے جہان میں اندھیر
زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد و آہ و زاری ہے
پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب
بے قراری کا حکم جاری ہے
دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اُس کی روبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
ہوتے ہیں ملول اس کو سن کر جاہل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

حقیر کمال نے جس نسخے سے استفادہ کیا ہے۔ وہ سلسلۂ اشاعت مخطوطات اردو، دہلی یونیورسٹی نمبر ا ہے۔ یہ ٹائپ میں ہے۔ اور اس کی اشاعت مارچ ۱۹۶۱ء میں ہوئی ہے۔
اس کے مقدمے میں صفحہ XV پر۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں :-
" ایتھے (DR. HERMAN ETHE) اور پروفیسر اسٹوری (C.A. STOREY) دونوں اختتام تصنیف کا سن ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ء) لکھتے ہیں۔ جو دراصل مخطوطۂ لندن کو صحیح نہ پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ اس کا عکس ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور لندن و پیرس میں ان قلمی نسخوں کو دیکھ کر جو یادداشتیں تیار کی گئی تھیں۔ وہ بھی پیش نظر ہیں۔ ان میں صاف ۱۲۲۴ھ لکھا ہے۔ اس کی مزید تصدیق نسخۂ پیرس اور نسخۂ عبدالحق سے بھی ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے، کہ ڈاکٹر عبدالحق نہم محرم الحرام ۱۲۲۴ کو تاریخ کتابت تسلیم کرتے ہیں اور راقم الحروف کا خیال ہے، کہ اس کو اختتام تذکرہ کی تاریخ سمجھنا چاہیئے۔"
حقیر کمال، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے خیال سے متفق ہے۔ ترقیمے میں وہ تاریخ ہوتی ہے۔ جب کتاب مکمل ہوتی ہے۔ اکثر کاتب تاریخ کے علاوہ کتابت سے فارغ ہونے کا وقت بھی لکھ دیتے تھے۔ "عمدہ منتخبہ" کا ترقیمہ اس بارے میں کسی شک کی گنجائش نہیں چھوڑتا، کہ یہ کب تمام ہوا تھا۔ ترقیمے سے ابتدائی جملے نقل کئے جاتے ہیں :-
" الحمد للہ کہ بفضل ایزد متعال این نسخہ نہم محرم الحرام ۱۲۲۴ھ موافق سنہ جلوس مبارک حضرت بادشاہ ......"

تذکرۂ مسرور کا تاریخی نام "عمدۂ منتخبہ" ہے۔ جس سے ۱۲۱۶ کے اعداد فراہم ہوتے ہیں۔ اس نسخے کے لیے کئی شاعروں نے تاریخیں لکھی تھیں۔ ان تاریخوں سے مختلف اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ دورانِ تصنیف میں ہر سال اس کے ختم ہونے کا خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن بالآخر یہ ۱۲۲۴ ہجری میں اختتام پذیر ہوا۔ تاریخیں مخطوطے کے اوراق ۳۷۶ الف اور ب (مطبوعہ نسخے کے صفحات ۳۱ ۸ پر ہیں۔)

نظام الدین خاں ممنوںؔ نے یہ تاریخ لکھی:

جو تاریخ پوچھی تو ممنون سے
کہا: یہ ہے معیارِ نقدِ سخن

۱۲۱۵

ثناء اللہ خاں فراقؔ کا مادۂ تاریخ "سفینۂ اعظم" ہے (۱۲۱۶)

جو گوشِ دل میں کہا باغبانِ قدرت نے
کہ ہے یہ بحرِ چمن کا "سفینۂ اعظم"

سید رضی خاں بہار رضیؔ کا مادہ ہے، "ہمیں اسمِ اعظم" (۱۲۱۷)

رضیؔ گفت بنویس تاریخ آں
ہمیں اسمِ اعظم بریں تذکرہ

مولانا سخیؔ عاشق نے "باغ و بہار" (۱۲۱۷) سے تاریخ نکالی

مری بلبلِ طبع نے دیکھ عاشق
کہی اسکی تاریخ: باغ و بہار

حافظ عبدالرحمن خاں احسانؔ کی تاریخ سے ۱۲۲۰ کے اعداد حاصل ہوتے ہیں:

یہ تاریخ اس کی ہے اے مہرباں
ہوئی یہ دل شاعراں ... خاں

بات شک و شبہ سے بالاتر ہے، کہ اس تذکرے کی ابتدا ۱۲۱۵ ہجری میں ہوئی اور اس کا اختتام ۱۲۲۴ میں ہوا۔

عمدہ منتخبہ میں ۱۹ اشعر ایسے ہیں، اور رباعی ایسی ہے جو اس مخطوطے میں نہیں، پانچ شعر پانچ زمینوں میں اور اشعر پانچ زمینوں میں، کم از کم دس غزلیں ایسی ہیں اور ایک رباعی ایسی ہے، جو ۱۲۲۴ ہجری اور اس سے پہلے میرزا نے لکھی تھیں ـــ اور یہ کلام اس مخطوطے میں نہیں ہے

آیئے دیکھیں، کہ الف اور عین کے ترتیب دینے والے کیا تاویلیں پیش کرتے ہیں؟ الف کا مقدمہ "بیاض غالب" کے عنوان سے نثار احمد فاروقی نے لکھا ہے

اقتباس شروع

. . . . یہ قیاس کرنا بے جا نہ ہوگا، کہ نسخۂ امروہہ کے مسودے میں بھی غالب نے ترمیمیں کی تھیں اور بعض غزلیں خارج کر دی تھیں۔ جن کے یہ اشعار عمدہ منتخبہ اور عیار الشعراء میں باقی رہ گئے ہیں :

نیاز عشق خرمن سوز ارباب ہوس بہتر
جو ہو جائے نثار برق مشت خار و خس بہتر

یاد آیا جو وہ کہنا کہ نہیں واہ غلط
کی تصور نے بہ صحرائے ہوس راہ غلط

محفل شمع عذاراں میں جو آ جاتا ہوں
شمع ساں میں تہ دامان صبا جاتا ہوں

ہو سکے ہے جادۂ رہ رشتۂ گوہر ہر گام
جس گذرگاہ میں میں آبلہ پا جاتا ہوں

سرگراں تجھ سے سبک رو کے نہ رہنے سے رہو
کہ بیک جنبش لب مثل صبا جاتا ہوں

دیکھتا ہوں اُسے تھی جس کی تمنا مجھ کو
آج بیداری میں ہے خوابِ زلیخا مجھ کو

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب نوجوان مجھے
یہ رنگِ زرد ہے چمنِ زعفراں مجھے

دیکھ وہ برقِ تبسم بسکہ دل بیتاب ہے
دیدۂ گریاں مرا فوارۂ سیماب ہے
کھول کر دروازۂ میخانہ بولا مے فروش
اب شکستِ توبہ میخواروں کو فتح الباب ہے

اک گرم آہ کی تو ہزاروں کے گھر جلے
رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر ہم جگر جلے
پروانے کا نہ غم ہو تو پھر کس لیے اسد
ہر رات شمع شام سے لے تا سحر

ماہِ نو ہوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

اقتباس ختم

جن اشعار کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کو دیکھیے اور شاہزادہ نسخہ [illegible] کے تمام کو دیکھیے تو الف کے مؤلف کی یہ دلیل بہت بودی نظر آئے گی [illegible]

اسلئے نہیں ہیں، کہ غالب نے ان کو چھانٹ دیا تھا۔ اس دلیل کا بودا اور بے ہودہ ہونا اس بات سے بھی ظاہر ہے، کہ الف کے فاضل مولف نے جان بوجھ کر ان شعروں کا ذکر نہیں کیا، اور نہ اپنے مقدمہ میں ان کو نقل کیا:

عشرتِ قطرہ ہے، دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اسقدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

کب سنتے ہے وہ کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

خلشِ غمزۂ خوں ریز نہ پوچھ
دیکھ خوں نابہ فشانی میری

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے لوگ
مگر آشفتہ بیانی میری

رباعی

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
ہوتے ہوں ملول اس کو سن کر جاہل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل، وگرنہ گویم مشکل

یہ کلام، جس کا ذکر نثار احمد فاروقی صاحب نے نہیں کیا، وہ کلام ہے، جو رباعی کے دوسرے مصرعے کی تبدیلی اور "کب سُنتے ہے وہ کہانی میری" کی جگہ "کب وہ سُنتا ہے کہانی میری" کے ساتھ "دیوانِ غالب" میں موجود ہے۔ کیا یہ کلام غالب نے انتخاب سے خارج کر دیا تھا، یہ بات اتنی واضح ہے، کہ حقیر کمال اسکا فیصلہ، کسی بحث کے بغیر سخنوروں، سخن فہموں اور سخن شناسوں پر چھوڑتا ہے۔

"عہدِ منتخبہ" میں جو کلام نمونے کے طور پر درج ہے، اُسکی رُو سے کم و بیش دس غزلوں اور ایک رباعی کا مخطوطے میں نہ ہونا، اس بات کا بین ثبوت ہے، کہ نسخہ بخطِ غالب نہیں ہے۔ اس سے کم پایہ کا کلام اس "بیاض" میں موجود ہے، اور کئی غزلیں قلمزد دکھائی گئی ہیں۔ یہ غزلیں بیاض میں موجود تو ہونا چاہیئے تھیں، چاہے وہ قلمزد کر دی جاتیں۔ اگر غالب نے یہ "بیاض" لکھی ہوتی، تو یقیناً یہ کلام اس میں ہوتا، اور قلمزد بھی نہ ہوتا۔ یہ غزلیں بہت صاف ہیں۔ اور ان میں "بیدلی رنگ" کم اور غالب کا رنگ زیادہ ہے۔ غالب کے نام پر بیدل کے رنگ میں غزلیں گڑھنا آسان تھا۔ صاف زمینوں میں غالب کے شعروں سے ملتے جلتے شعر کہنا ذرا نہیں بہت مشکل تھا، اسلئے ان زمینوں میں غزلیں نہیں گڑھی گئیں۔ ورنہ اُسی طرح پکڑی جاتیں، جس طرح غالب کی وہ غزلیں پکڑی گئی تھیں، جو مولانا عبدالباری آسی نے (ڈاکٹر؟) عظمت الٰہی کی بیاض سے برآمد کی تھیں۔

ایک اور بات بھی ہے، ایک غزل کا مقطع یہ ہے:

کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگِ پیری ہے جوانی میری

اور دوسری غزل کا مقطع یہ ہے:

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

ابھی کچھ مخطوطوں کے ملنے کا اندیشہ ہے، کیونکہ بین السطور میں دونوں محققوں نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے، ہوسکتا ہے، یہ کلام ان میں ملے اور مقطعے یوں ہوں:۔

اے اسدؔ ضعف سے میں عاجز ہوں
ننگِ پیری ہے، جوانی میری

حیف اُس چار گرہ کپڑے کا پندار اسدؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

"نسخہ حمیدیہ کی تصحیح" کی سرخی کے تحت نثار احمد صاحب فاروقی نے مقدمے میں لکھا ہے:

اقتباس شروع

...... اگر نسخۂ امروہہ سے نسخۂ حمیدیہ کے متن کا مقابلہ کیا جائے، تو بہت دلچسپ غلطیاں برآمد ہوں گی۔ جو اسلئے شائع ہوگئیں، کہ نسخۂ حمیدیہ کا متن "حرفِ آخر" ہوکر رہ گیا تھا۔ ایک مثال عمدۂ منتخبہ سے بھی پیش کرتا ہوں۔ یہ مطلع سرور نے درج کیا ہے۔

جگر سے ٹوٹے ہوئے سوکی ہے سناں پیدا
دہانِ زخم سے آخر ہوئی زباں پیدا

(نقل مطابق اصل ہے)

تذکرۂ سرور کے قلمی نسخۂ لندن کا عکس (مملوکۂ جناب مالک رام) میری نظر سے گذرا ہے۔ اب یاد نہیں کہ اس میں مطلع کے یہی الفاظ ہیں۔ یا ان سے کچھ مختلف ہیں۔ مگر دہلی یونیورسٹی کے مطبوعہ اور مرتبہ نسخہ سرور کا متن مسخ کیا ہے۔ وہ قیاس غلط ہے۔ اس میں مطلع اسی طرح ہے جناب مالک رام نے اپنے مرتبہ دیوان میں اور مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی کے [illegible] میں اسی طرح درج کیا ہے، اور مذکورہ بالا مصادر سے جہاں کہیں نقل ہوا ہے، اس کی

یہی صورت یہ ہے۔ میں نے مطبوعہ تذکرۂ سرور کے نسخے پر غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کی قیاسی تصحیح یوں کی تھی۔

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا

اب یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ نسخۂ امروہہ کا متن میرے قیاس کی پوری تائید کرتا ہے۔

اقتباس ختم

نسخۂ امروہہ فاروقی صاحب کے قیاس کی پوری تائید کر رہا ہے یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ کئی جگہ اس نسخے میں عطف اور اضافت ایک ساتھ ہیں۔ جہاں اضافت ہونا چاہیئے، وہاں لفظ یائے تنکیر پر ختم ہوتا ہے۔ جہاں یائے تنکیر ہونا چاہیئے، وہاں اضافت سے کام چلانے کی کوشش ہے ـــــ یہ اور ایسی باتیں ہیں، جن کی نشاندہی اس کم سواد نے کی ہے۔ مصرعوں میں جو اصلاحاتِ معکوس ہیں، وہ بھی شاید فاروقی صاحب کے قیاس کی پوری تائید کرتی ہوں گی۔

عمدۂ منتخبہ میں مصرع یوں ہے :-

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا

اور یہ دلّی یونیورسٹی والے مارچ ۱۹۶۱ کے ایڈیشن میں ہے۔ شاید فاروقی صاحب نے یہ نسخہ پڑھتے وقت حروف اور الفاظ پر قیاس ہی کیا ہوگا۔ لیکن انکا قیاس، افسوس ہے، کہ غلط ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ کہ نثار احمد فاروقی صاحب نے عمدۂ منتخبہ کو دیکھنے کی زحمت نہیں کی، اور اس تذکرے کے حوالے سے شعروں کی جو قرأت نسخۂ عرشی میں درج ہے، اس کی بنا پر اتنی بڑی بات لکھدی۔ انہوں نے قیاس کر لیا کہ عرشی صاحب نے درست ہی لکھا ہوگا۔ ممکن ہے، کہ عمدہ منتخبہ کے کسی نسخے میں مصرع کی وہی قرأت ہو جو جناب امتیاز علی عرشی نے اپنے نسخہ میں درج کی ہے۔ یہ امکان نہیں، بلکہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن دلّی یونیورسٹی سے شائع ہونے والے ایڈیشن میں مصرع کی جو قرأت نثار احمد فاروقی نے بتائی ہے۔ وہ حقیقت کے خلاف ہے اور ان کا قیاس محض ہے۔

اس چھوٹی سی بات سے نثار احمد فاروقی صاحب کی "محققانہ" صلاحیتوں، ان کی نیت، اور ان کی دیانت کے بارے میں مناسب نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جو اتنی چھوٹی سی بات میں اور معمولی سی بات میں اتنی بڑی غلط بیانی کر سکتا ہے، وہ ایک مجہول نسخے کو بخطِ غالب ثابت کرنے

کے بیٹے کیا کچھ گواہی نہیں دے سکتا۔ ان کی کوئی بات درخورِ اعتنا نہیں ہو سکتی۔
عین کے مقدمے میں اکبر علی خاں عرشی زادہ نے کچھ بہتر تاویل پیش کی ہے۔

اقتباس شروع

سرور کے تذکرۂ شعرائے ریختہ موسومہ عمدۂ منتخبہ غالب کے متعدد ایسے اشعار پیش کرتا ہے، جو ابھی تک دیوانِ غالب کے کسی مخطوطے میں دستیاب نہیں ہوئے۔ ایسے اشعار کی تعداد تیرہ ہے، جن میں سے صرف دو شعر:

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا
دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

ماہِ نو ہوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو سُلاتا ہے مجھے

زیرِ نظر نسخے میں پہلی بار پائے جاتے ہیں۔
ایک شعر زیرِ نظر نسخے میں اولاً عمدۂ منتخبہ کے مطابق تھا، یعنی:

شکلِ طاؤس گرفتار بنایا ہے مجھے
میں ہوں وہ دام کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے

لیکن زیرِ نظر نسخے میں "میں ہوں وہ دام" کو غالب نے اپنے قلم سے بدل کر "ہوں وہ گلدام" بنا دیا ہے۔
ایک شعر کی قرأت زیرِ نظر نسخے میں عمدۂ منتخبہ سے مختلف ہے۔ زیرِ نظر نسخے میں تمام قلمی اور مطبوعہ نسخوں کی طرح وہ شعر یوں ہے:

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

لیکن عمدۂ منتخبہ میں مصرعِ اول کی شکل یہ ہے:

خوباں کے چاہنے کے میں قابل نہیں رہا

اور اِس سے پتہ چلتا ہے، کہ عمدۂ منتخبہ کی قرأت کو نسخۂ زیرِ نظر کی قرأت پر تقدمِ زمانی حاصل ہے۔
اِن مثالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ عمدۂ منتخبہ کے لئے جو اشعار انتخاب ہوئے، وہ چاہے مرزا غالب نے خود منتخب کئے ہوں۔ یا صاحبِ تذکرہ نے، زیرِ نظر نسخے کی ترتیب سے بہرحال پہلے کا واقعہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو عمدۂ منتخبہ اور زیرِ نظر نسخے کی قرأت میں یکسانیت ہوتی اور تذکرے کے تمام غیر معروف اشعار اِس میں پائے جاتے۔ اسلئے عمدۂ منتخبہ میں ترجمۂ غالب کا اندراج ۱۴ رجب ۱۲۳۱ھ سے قبل ماننا پڑے گا۔
یہ امر پہلے طے ہو چکا ہے، کہ غالب تخلص ۱۴ رجب ۱۲۳۱ھ کے بعد، لیکن اسی سنہ کے کسی ماہ و تاریخ میں اختیار کیا گیا ہے، چونکہ عمدۂ منتخبہ میں غالب کا ذکر اسد تخلص کے رعایت سے ردیف الف میں ہوا ہے۔ اور ترجمے میں غالب مذکور نہیں، اسلئے بھی یہ ترجمہ ۱۴ رجب ۱۲۳۱ھ سے قبل کا اندراج ہونا چاہیئے۔
لیکن اِس تذکرے میں ایک غزل ایسی بھی انتخاب ہوئی ہے، جس کے مقطع میں غالب تخلص لکھا گیا ہے، وہ مقطع یہ ہے:

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

نیز ایک اور غزل "عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا" کے چار شعر انتخاب کئے گئے ہیں۔ یہ غزل تمام نسخوں کے مطابق آغاز ہی سے غالب تخلص کی حامل تھی، اسلئے یقیناً عمدۂ منتخبہ کے انتخاب کے وقت بھی اِس میں غالب تخلص موجود ہوگا۔
اِن دو مثالوں سے گمان ہو سکتا ہے، کہ عمدۂ منتخبہ میں ترجمۂ غالب اِس وقت لکھا گیا، جب وہ غالب تخلص اختیار کر چکے تھے۔ مگر صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ غالب تخلص والی غزلوں کا اندراج جیسا کہ عموماً تذکروں میں ہوتا رہتا ہے۔ بعد کا عمل ہے، اِس اضافے کے باوجود بھی حالات کی عبارت میں بظاہر کوئی ترمیم و اضافہ معلوم نہیں ہوتا، اگر کوئی اضافہ کیا جاتا تو وہ غالب تخلص ہوتا۔ عمدۂ (منتخبہ) میں اضافۂ اشعار کب ہوا۔ یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ دو بار ہوا۔ ایک بار نسخۂ بھوپال کی ترتیب سے پہلے، چنانچہ ایک رباعی جو معلومہ نسخوں میں پہلی بار

نسخۂ بھوپال میں نظر آتی ہے۔ عمدۂ منتخبہ میں مصرعِ ثانی کے اختلاف کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ یہ
مصرع عمدۂ منتخبہ میں یوں ہے:

ہوتے ہیں ملول اس کو سُن کر جاہل

حالانکہ نسخۂ بھوپال میں، تمام نسخوں کی طرح، مصرع کی شکل یہ ہے

سُن سُن کے ایسے سخنورانِ کامل

مصرع کے الفاظ کا یہ اختلاف بتا رہا ہے، کہ نسخۂ بھوپال کی قرأت اصلاحی ہے، اسلیئے یہ اضافہ
صفر ۱۲۳۷ھ سے پہلے ہونا چاہیئے۔ جو نسخۂ بھوپال کی تاریخِ کتابت ہے۔
دوسری بار اضافۂ اشعار کا کام صفر ۱۲۳۷ھ اور ربیع الاول ۱۲۴۴ھ کے درمیان کیا گیا۔ اس تعین
کی وجہ یہ ہے، کہ عمدۂ منتخبہ میں دو ایسی غزلوں کے شعر درج ہوتے ہیں، جو آخر نسخۂ بھوپال میں اضافہ
ہوئی ہیں، یعنی:

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

اور پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے

چونکہ ۱۲۳۷ھ میں نسخۂ بھوپال تیار ہو چکا تھا، اور یہ غزلیں اُس تاریخ کے بعد کا اضافہ ہیں۔ اسلیئے
ان کا زمانۂ نظم ۱۲۴۲ھ کے بعد ہوا، وہ غزل یہ ہے:

کب سُنتے ہے وہ کہانی میری

چنانچہ اسے ۱۲۴۲ھ کے لگ بھگ ہی عمدۂ منتخبہ میں داخل ہونا چاہیئے۔ آخرِ نسخۂ بھوپال کی
غزلوں میں ایک شعر یہ ہے:

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب

بے قراری کا حکم جاری ہے

لیکن اس شعر کے دوسرے مصرع کو "گُل رعنا" مرتبہ ربیع الاول ۱۲۴۴ھ
میں بدل کر یوں کر دیا گیا ہے:

[illegible] یہ اصلاحی شکل نہیں پائی جاتی، بلکہ یہ مصرع اسی قدیم نسخۂ بھوپال کی شکل میں [illegible]
[illegible] طے کرنے میں مدد ملتی ہے، کہ عمدۂ منتخبہ میں دوسری بار اضافۂ اشعار صفر ۱۲۴۳
[illegible] اول ۱۲۴۴ھ کے درمیانی عرصے میں ہوا ہے۔ اگر ۱۲۴۴ھ کے بعد یہ اضافہ ہوتا تو
[illegible] جاری ہے" کے بجائے "اشکباری کا حکم جاری ہے" اس تذکرے میں نقل ہوتا
[illegible] گل رعنا کی روایت، اور اس مصرع کی اصلاح یافتہ شکل ہے۔

اقتباس ختم

عرشی زادہ صاحب نے اپنا مقدمہ اس بنیاد پہ قائم کیا ہے کہ عمدۂ منتخبہ [illegible]
[illegible] فے ہوتے رہے ہیں۔ یہ بہت کمزور بنیاد ہے۔ انھوں نے صرف ایک "مخطوطے
[illegible] غالب ثابت کرنے کے لئے ایک اتنی بڑی بات فرض کر لی ہے۔ جس پر کسی محقق نے نہ
[illegible] دلچسپی ڈالی ہے۔ اور نہ جس کا کوئی شبہ ظاہر کیا ہے۔ اور اضافوں کی دلیل میں مخطوطے کے دو [illegible]
[illegible] ہیں، جو اس کو مشکوک بلکہ جعلی دستاویز ثابت کرتے ہیں۔ خواجہ احمد فاروقی نے
[illegible] پیرس کے نسخے دیکھے ہیں، اور تاریخ کے تعین کے سلسلے میں مولوی عبدالحق کے نسخے [illegible]
[illegible] کی ہے۔ انھوں نے مقدمے میں کہیں اس کا ذکر نہیں کیا ہے کہ ۱۲۴۴ھ میں نسخے کے اختتام
[illegible] بعد اس میں کوئی اضافہ ہوا ہے۔

آئیے ذرا متن کے مؤلف کے دلائل کا تجزیہ کریں۔ انھوں نے مقدمہ میں لکھا ہے: "نسخۂ
[illegible] بھوپال کی غزلوں میں سے ایک شعر ہے:

بکھرے ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب

بے قراری کا حکم جاری ہے

اس شعر کے دوسرے مصرع کو "گل رعنا" مرتبہ ربیع الاول ۱۲۴۴ھ میں بدل کر یوں کر [illegible]

اشکباری کا حکم جاری ہے

[illegible] یہ اصلاحی شکل نہیں پائی جاتی۔ بلکہ یہ مصرع اسی قدیم نسخۂ بھوپال کی شکل میں [illegible]
[illegible] طے کرنے میں مدد ملتی ہے، کہ عمدۂ منتخبہ میں دوسری بار اضافۂ [illegible]

بعد ربیع الاول ۱۲۴۴ھ کے درمیانی عرصے میں ہوا ہے ۔ ۔ ۔ "

اس دلیل میں کوئی وزن اس وجہ سے نہیں ہے، کہ عمدۂ منتخبہ میں اضافہ صفر ۱۲۴۴ھ کے بعد ہوا ہوتا تو تذکرے میں جو نمونۂ کلام درج ہے ۔ وہاں یہ غزل دو حصوں میں الگ الگ نہ لکھی جاتی ۔ دوسری بات یہ ہے، کہ اشعار کی قرأت نسخۂ بھوپال کے مطابق ہوتی ۔ اور اگر عمدۂ منتخبہ میں اشعار کی صورت نسخۂ بھوپال کے مقابلے میں ترقی یافتہ اور اصلاح یافتہ ہوتی، تو گل رعنا میں ایسے اشعار کی قرأت نسخۂ بھوپال کے مطابق نہیں، عمدۂ منتخبہ کے مطابق ہوتی، اور سب سے بڑی بات یہ ہے، کہ گل رعنا میں بھی یہ ایک غزل نہیں ہوتی ۔ دو ہم طرح غزلیں ہوتیں ۔

حیرت کی بات ہے، کہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ میرزا ۱۲۳۱ ہجری تک صرف اسد تخلص کرتے تھے ۔ کیونکہ اس مجہول نسخے کے متن میں صرف اسد تخلص کی غزلیں لکھوائی گئی ہیں ۔ عین کے مؤلف نے عمدۂ منتخبہ کے اضافوں کے لئے بے جان دلیلیں تراشی ہیں ۔

اس کم سواد نے عمدۂ منتخبہ کا بہت توجہ سے مطالعہ نہیں کیا ہے ۔ اور نہ مختلف نسخوں کا تقابل کیا ہے ۔ دہلی یونیورسٹی نے جو ایڈیشن چھاپا ہے ۔ اور جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے ۔ اس کی بنیاد پر چند باتیں توجہ چاہتی ہیں ۔

۱ ۔ میر تقی میر کا انتقال ۱۲۲۵ھ میں ہوا تھا، لیکن عمدہ منتخبہ میں ص ۵۵۲ پر عبارت وہی ہے جو میر کے انتقال سے پہلے لکھی گئی تھی ۔

۲ ۔ قتیل کا انتقال ۱۲۳۳ھ میں ہوا تھا ۔ (ص ۵۱۳ پر ان کے بارے میں اندراج قتیل کے بجائے قتل کے تحت ہے) قتیل کے انتقال کے بعد بھی وہی ترجمہ ہے جو پہلے تھا ۔

۳ ۔ مرزا علی لطف، مؤلف تذکرۂ گلشن ہند کا انتقال ۱۲۲۸ھ میں ہوا، لیکن ان کی نسبت ترجمہ بدستور صیغۂ حال میں رہا ۔

یہ قیاس سراسر بے بنیاد ہے، کہ اس تذکرے میں اضافے ہوئے ہیں، اگر میر تقی میر، قتیل اور لطف کے سلسلے میں کوئی تبدیلی عبارت میں نہیں کی گئی تو کوئی شخص دلائل پیش کئے بغیر یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ غالب کے اشعار بعد میں اضافہ کئے گئے ۔ عرشی زادہ صاحب نے جو دلیل پیش کی ہے، وہ ایسی ہے، کہ کوئی متشاعر اپنے تازہ "کلام بلاغت نظام میں محاورہ غلط نظم ہو جانے پر اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اپنے ہی "پچھلے کلام بلاغت نظام" سے سند پیش کرے جس میں وہ محاورہ اسی طرح غلط نظم ہوا ہو ۔

عرشی زادہ صاحب نے اس بات کو بھی ایک دلیل بناکر پیش کیا ہے، کہ میرزا کا اندراج اسد تخلص کی رعایت سے ردیف الف میں ہوا ہے۔ اسلئے اس وقت تک انھوں نے غالب تخلص اختیار نہیں کیا تھا۔ اور یہ کہ غالب تخلص کے مقطعوں کی غزلوں کے اشعار بعد کو اضافہ ہوئے۔ بظاہر اس دلیل میں جان معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ دلیل بھی بودی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے، کہ صاحب تذکرہ میرزا کو اپنا دوست بتاتے ہیں۔ ("بالجملہ موجد طرز نو رست و با راقم رابطۂ یکجہتی مستحکم دارد۔") اگر تخلص کی تبدیلی ہوئی ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتے۔ اور اگر اضافے ہی کرنا تھے تو غالب کی رعایت سے غ کی ردیف میں انکا ذکر منتقل کیا جا سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے، کہ میرزا اردو میں اسد اور فارسی میں غالب تخلص شروع ہی سے کرتے تھے۔ "عمدۂ منتخبہ" میں الف کی ردیف میں اسد کی حیثیت سے میرزا کا ذکر ہونا اس بات کا ثبوت نہیں، کہ وہ غالب تخلص نہیں کرتے تھے، یا اعظم الدولہ غالب تخلص سے ناواقف تھے۔ یہاں میں نسخۂ عرشی کے دیباچے (ص۴۵) کی طرف عرشی زادہ صاحب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ نسخۂ بھوپال کے سلسلے میں جناب امتیاز علی خاں عرشی لکھتے ہیں:

"..... شروع میں فوجدار محمد خاں بہادر کی مہر ہے۔ جس میں سنہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۵ء) منقوش ہے ابتدائی سادہ اوراق میں سے پہلے دو ورقوں پر وہ فارسی غیر منقوط خط نقل کیا گیا ہے، جو میرزا صاحب نے مولانا فضل حق خیرآبادی مرحوم کو لکھا تھا۔ ان دونوں ورقوں کے بعد دو اور انگریزی کاغذ کے ورق ہیں، جن میں سے پہلے کے رُخِ ب پر یہ شمسے کے اندر لکھا ہے:۔

" دیوان ہذا من تصنیف میرزا نوشاہ دہلوی المتخلص بہ اسد۔ از کتبخانۂ سرکار فیض آثار عالی جاہ، عالم پناہ میاں فوجدار محمد خان بہادر، دام اقبالہ، قلمی، خوشخط"

اگر ۱۲۶۱ھ میں، جب میرزا کی شاعرانہ حیثیت سارے ملک میں مسلمہ تھی۔ ان کے دیوان کا الحاق فوجدار محمد خان کی لائبریری میں میرزا نوشہ دہلوی المتخلص بہ اسد کی تصنیف کی حیثیت سے کیا جا سکتا ہے۔ تو عمدۂ منتخبہ میں ان کا ذکر اسد تخلص کے تحت ہوا، تو اس سے یہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے، کہ اس وقت میرزا غالب تخلص نہیں کرتے تھے۔ عمدۂ منتخبہ کی طرح نسخۂ بھوپال میں بھی غالب کے مقطعوں کی غزلیں ہیں۔ اور جیسا کہ جناب امتیاز علی خاں عرشی نے نسخۂ عرشی کے دیباچہ میں ص۴۶ پر تحریر فرمایا ہے۔

"آخر میں کاتب نسخہ نے شنجرفی روشنائی سے لکھا ہے:" دیوان من تصنیف مرزا صاحب و قبلہ المتخلص بہ اسد و غالب سلمہم ربہم ....."

اس کے باوجود نسخۂ بھوپال کا الحاق کتب خانے میں میرزا نوشہ دہلوی المتخلص بہ اسد کے دیوان کی حیثیت سے ہوا۔

اس سے عرشی زادہ صاحب کی یہ دلیل مستند ہو جاتی ہے، کہ غالب تخلص والی غزلوں کے اشعار عمدۂ منتخبہ میں بعد کو اضافہ ہوئے ہیں۔ بلکہ اس سے اس بات کو اور تقویت ملتی ہے، کہ عمدۂ منتخبہ میں جو اشعار ایسے ہیں، جو اس مخطوطے سے غائب ہیں، وہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں، کہ تذکرے کی ترتیب کے زمانے ہی میں میرزا نے "بیدلی رنگ" ترک کر کے وہ روش اختیار کرلی تھی، جو انکی طرزِ خاص ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے، کہ اسی زمانے میں وہ مقطعوں میں فارسی والا تخلص (یعنی غالب) ڈالنے لگے تھے۔

جناب مالک رام "ذکر غالب" میں ص ۳۴ پر مولوی محمد معظم کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

" اس زمانے میں مولوی محمد معظم کی ذات مرجع خاص و عام تھی۔ میرزا غالب نے بھی ابتدائی فارسی تعلیم انھیں سے حاصل کی۔ مولانا حالی نے ایک دلچسپ واقعہ اس زمانے کا لکھا ہے، کہ ایک دن میرزا غالب نے ایک فارسی غزل میں 'یعنی چہ' کے معنوں میں 'کہ چہ' ردیف لکھی اور اپنے استاد کو دکھائی۔ مولوی معظم نے ردیف کو مہمل کہدیا۔ مگر جب تھوڑے دن بعد میرزا نے ظہوری کے کلام سے اسکی سند پیش کی، تو وہ اپنے شاگرد کی خداداد ذہانت اور جدت کے قائل ہو گئے۔"

اس بیان میں "ابتدائی فارسی تعلیم" کا فقرہ بڑا اہم ہے۔ غالب ابھی طفلِ مکتب ہی تھے، کہ فارسی میں شعر کہنے لگے تھے۔ اوائل عمری ہی میں انھوں نے اردو میں بھی شعر کہنا شروع کر دیئے تھے۔ چنانچہ "پتنگ بازی" پر مثنوی آگرے ہی میں لکھی تھی۔

فارسی میں شروع ہی سے انھوں نے غالب تخلص اختیار کیا، لیکن اردو میں شروع شروع میں اسد تخلص کرتے تھے۔ اپنے ہی قول کے مطابق صرف چار سال تک اسد تخلص کیا۔ پھر وہی تخلص جو فارسی میں تھا، وہی اردو میں بھی اختیار کر لیا۔ یہ کہنا غلط ہوگا، کہ اردو میں غالب تخلص اختیار کرنے کے بعد انھوں نے اسد تخلص ترک کر دیا۔

میرزا غالب اپنی زندگی کے آخری چار برسوں میں نواب کلب علی خاں والی رامپور سے برابر خط و کتابت کرتے رہے، ایک خط یہ ہے:

" بعد تسلیم معروض ہے۔ جب بادشاہ دہلی نے مجھے نوکر رکھا اور خطاب دیا، اور خدمت تاریخ نگاری سلاطینِ تیموریہ مجھ کو تفویض کی، تو میں نے ایک غزل طرزِ تازہ پر لکھی۔ مقطع اس کا یہ ہے،

غالبؔ وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا الخ ۔ اب مقطع کی صورت بدل کر حضور کی نذر کرتا ہوں، خدا کرے، کہ حضرت کو پسند آئے۔" اور غزل وہ ہے، جسکا مطلع ہے :

دایم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

آخری دو شعر قطعہ بند ہیں، اور اسی میں غالبؔ تخلص کا مقطع بدل کر اسدؔ کا مقطع کر دیا ہے :

در پر امیرِ کلبِ علی خاں کے ہوں مقیم
شائستۂ گدائی ہر در نہیں ہوں میں

بوڑھا ہوا ہوں قابلِ خدمت نہیں اسدؔ
خیرات خوارِ محض ہوں، نوکر نہیں ہوں میں

یہ خط رامپور ہی کے کتابخانے میں ہے، لیکن جناب عرشی زادہ نے اس سے نہ صرف استفادہ نہیں کیا، بلکہ جو حقیقت ۔۔ ۔ اس خط سے آشکار ہوتی ہے، اُس پر اپنے مقدّمے میں پردہ ڈالا ہے۔ غالبؔ کو اپنے نام سے اور اپنے نام کے ایک جزو سے تخلص کے طور پر نفرت نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے، کہ وہ غالبؔ اور اسدؔ دونوں تخلص ۔۔ استعمال کرتے رہے۔ مخطوطے میں کثرت کے ساتھ غالبؔ تخلص کے مقطعوں کو "اصلاحِ معکوس" سے اسدؔ تخلص بنا کر لکھا گیا ہے، اور پھر ان کی اصلاحی شکل میں غالبؔ دکھایا گیا ہے، اس نے "مخطوطے" کی قلعی کھولدی ہے۔ کہیں کہیں واقعی مقطع میں انھوں نے اسدؔ کی جگہ غالبؔ ڈالنے کے لئے مصرع بھی بدلا ہے، لیکن نواب کلب علی خاں کے نام ان کے خط میں غالبؔ کا مقطع بدل کر اسدؔ کا مقطع بھی بنایا گیا ہے، اور ان کی زندگی کے آخری ایام میں ۔ اہلِ نظر اس سے مناسب نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں ۔

خود غالبؔ کی تحریر سے زیادہ بڑی شہادت اس سلسلے میں اور کیا ہو سکتی ہے؟ ــــــــ اور پھر وہ تحریر جسکے "بخطِ غالبؔ" ہونے کے بارے میں شک کا شائبہ تک نہیں۔ یہ بات بالکل نادرست ہے، کہ کسی سال کی کسی تاریخ کو انھوں نے اسدؔ کے بجائے غالبؔ تخلص اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، اور پھر

پچھلے تخلص کے مقطعوں کو نئے تخلص کے مقطعے بنایا، اگر وہ ایسا کرتے، تو سارے مقطعوں کو بدل دیتے، کیونکہ غالب ان کی پرانی غزلوں کی تمام بحروں میں آسکتا ہے۔

[اسپرنگر نے اودھ کیٹیلاگ میں (نمبر ۵ صفحہ ۱۸۴ پر) خوب چند ذکا کے "عیار الشعرا" کے بارے میں لکھا ہے، کہ انھوں نے اپنے استاد میر نصیر الدین نصیر عرف "میر کلو" کہتے ہیں ۱۲۰۸ھ یا ۱۲۱۲ھ میں یہ تذکرہ لکھنا شروع کیا۔ لیکن اس پر ۳۰ برس سے زیادہ تک کام کرتے رہے اور بالآخر یہ ۱۲۴۷ھ میں مکمل ہوا۔ حقیر کو افسوس ہے، کہ اس قلمی نسخے سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ نقیر کا ل اس کو دیکھنے کے بعد اس سلسلے میں کچھ کہنے کا حق محفوظ رکھتا ہے[1]۔ اسی طرح حکیم قدرت اللہ قاسم نے ۱۲۳۱ھ میں سرور کے تذکرے (عمدۂ منتخبہ) کے بارے میں، اور غالب کے بارے میں اگر کچھ لکھا ہے، تو وہ دیکھنے کے بعد راقم اپنے بیان میں اضافہ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ افسوس ہے، کہ یہ نسخہ بھی اس وقت کشمیر میں دستیاب نہیں ہے]

اب اہل نظر سے گذارش ہے، کہ احمد حسین سحر کے تذکرہ "بہار بےخزاں" پر ایک نظر ڈالیں، اس کی تصنیف و تالیف کا سال ۱۲۶۲ھ ہے۔ ڈاکٹر نعیم احمد نے اسے ایڈٹ کیا ہے۔ اور علمی مجلس دلی نے اس تذکرے کو شائع کیا ہے۔ ص ۲۱ پر اسد کے تحت تحریر ہے:

"مرزا نوشہ" اسداللہ خاں، اسد تخلص، از خاندان عالی است۔ پیشتر غالب می کردہ حالا اسد کردہ۔ دریں زماں بہ دارالخلافہ شاہ جہاں آباد سکونت می زنند"

ڈاکٹر نعیم احمد نے فٹ نوٹ میں درج کیا ہے۔ "پیشتر اسد می کردہ، و حالا غالب" ہونا چاہیے۔

حقیر کمال ڈاکٹر نعیم احمد کے فٹ نوٹ سے متفق نہیں ہے، اور احمد حسین سحر سے بھی متفق نہیں ہے۔ احمد حسین سحر بہرحال غالب کے ہم عصر تھے اور وہ غالب کے بارے میں اتنی بڑی غلطی نہیں کر سکتے تھے، ہو سکتا ہے، اسی زمانے میں غالب نے کچھ غزلوں میں متواتر اسد تخلص باندھا ہو۔ اور

---

[1] پس نوشت: محبی ڈاکٹر اکبر حیدری سے معلوم ہوا ہے، کہ عیار الشعرا کا ایک نسخہ مہاراج کمار محمود آباد کے کتب خانے میں ہے۔ اکبر صاحب نے جس کاپی میں یادداشتیں جمع کی ہیں۔ ان میں کئی کم یاب نسخوں کے ترقیمے اور اقتباسات ہیں۔ میرزا سے متعلق ترجمہ بھی ان کے پاس تھا۔ جو انھوں نے راقم کو فراہم کیا اور جو شکریے کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

"میرزا اسداللہ عرف مرزا نوشہ المتخلص بہ غالب ولد مرزا عبداللہ خاں عرف مرزا دولہ (دولھا) نبیرۂ مرزا غلام حسین خاں کمیدان ساکن بلدۂ اکبرآباد، شاگرد مولوی محمد معظم شاعر فارسی ہندی۔"

...سے سحر نے یہ نتیجہ نکالا ہو۔ یہ بات پوری طرح غلط نہیں ہے، کہ ۱۲۶۱ھ میں بھی (زیرِ نظر مخطوطے کی مفروضہ تاریخ کتابت سے ۳۰ برس بعد) غالب کا ذکر الف کی ردیف میں اسد تخلص میں ہوا۔ سحر کے بیان سے اگر یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ میرزا پہلے غالب اور اب اسد تخلص کرتے ہیں"، تو اس بیان کو یک قلم نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نواب کلب علی خاں کے نام خط کے ساتھ اس کو سامنے رکھئے، تو پوری حقیقت روشن ہو گی۔ کہ وہ غالب اور اسد دونوں تخلص کرتے تھے۔ عرشی زادہ صاحب اور ان کے ہم خیال یہ بات خاص توجہ سے نوٹ فرمائیں، کہ ۱۲۶۱ھ میں میرزا کا ذکر الف ردیف میں کیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ میرزا اسد اور غالب دونوں تخلص کرتے تھے، دس برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا، اور صرف دو چار برس تک اسد تخلص کیا۔ وہی تخلص اردو میں بھی اختیار کیا جو فارسی میں رکھا تھا، یعنی غالب۔ لیکن اس کے بعد بھی اسد تخلص کرتے رہے۔ عمدۂ منتخبہ میں غالب اور اسد دونوں تخلص والی غزلیں موجود ہیں، جو میرزا کے دو تخلص ہونے کی تائید کرتی ہیں۔ اسکی مزید تائید اُس تذکرے "گلستانِ بےخزاں" سے بھی ہوتی ہے، جو حکیم قطب الدین باطن نے نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ کے تذکرۂ "گلشن بے خار" کے جواب میں لکھا تھا۔

جناب مالک رام کی کتاب "ذکرِ غالب" ص۳۹ سے یہ عبارت شکریہ کے ساتھ نقل کی جاتی ہے :-

<u>اقتباس شروع</u>

۱۸۳۵ میں نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ نے اپنا مشہور تذکرہ گلشن بیخار شائع کیا۔ اس میں جہاں مومن، آزردہ، غالب اور دوسرے ہم عصر شاعروں کی بہت تعریف کی تھی، وہیں نظیر اکبرآبادی کا ذکر کچھ ایسے انداز سے کیا، کہ نظیر کے دوستوں اور شاگردوں کو ناگوار گذرا۔ نظیر خود تو فوت ہو چکے تھے، لیکن ان کے جواں سال صاحبزادے گلزار علی اسیر آگرے میں موجود تھے۔ انھوں نے باطن سے کہا کہ گلشن بیخار کا جواب لکھو۔ باطن پہلے نظیر سے اصلاح لیتے رہے تھے اور اُن کی وفات کے بعد اب اسیر سے مشورہ کرتے تھے، گویا استاد بھی، استاد زادہ بھی۔ انھوں نے سرِ تسلیم خم کیا اور یہ تذکرہ مرتب کیا۔ اس میں انھوں نے تمام ان دلّی کے شعرا کی دل کھول کر مخالفت کی، جن کی گلشن بیخار میں تعریف کی گئی تھی۔ مومن اور صاحب کے تعلق کا ذکر کیا۔ شیفتہ اور رنجو کے لگاؤ کی داستان بیان کی اور غالب کو نظیر کا شاگرد لکھ دیا۔ مقصود یہ تھا، کہ شیفتہ جس نظیر کو سوقیت کا مظہر بتا رہے ہیں، وہ تو غالب کا استاد ہے، باپ کی تعریف کرنا اور دادا کو گالی دینا، یہ کہاں کا شیوۂ عقلمندی ہے!

خود باطن کے الفاظ غمازی کر رہے ہیں، کہ یہ دعویٰ محض شیفتہ کی مخالفت اور اُن کے نظیر کے کلام پہ اعتراض کے جواب میں وضع کیا گیا ہے، ورنہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، اُن کے الفاظ یہ ہیں:۔

"غالب واسد تخلص۔ اسداللہ خاں نام ملقب بمرزا نوشہ۔ آپ دو تخلص کرتے ہیں۔ کچھ تو سبب ہے، کہ دو تخلص کرنے پہ دل دھرتے ہیں ...... اوستادانِ باشعور کے مثل خلیفہ معظم، جو معظم و مکرم اور ہادی الشعراء (یعنی نظیر اکبر آبادی) جو بے نظیر روزگار تھے، جن سے تعلیم پائی ......"

اقتباس ختم

قطع نظر اس کے کہ مولانا حسرت موہانی اور شیخ محمد اکرام، دونوں نظیر کو غالب کا ایک استاد تسلیم کرتے ہیں۔ اس وقت اس بیان کے حسن و قبح سے بحث مقصود نہیں۔ اس بیان کو یہ دکھانے کے لئے نقل کیا گیا ہے، کہ میرزا غالب اور اسد دونوں تخلص کرتے تھے۔ اور یہ بات غالب کے ہم عصروں نے لکھی ہے۔ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

مولانا غلام رسول مہر کی بھی یہی رائے ہے۔ اپنی کتاب "غالب" کے پہلے باب میں "تخلص" کے تحت لکھتے ہیں:۔

"..... ابتدا میں اردو میں شعر کہنے شروع کئے تھے، تو اسد تخلص رکھا تھا۔ جب فارسی میں شعر کہنے شروع کئے، تو غالب تخلص اختیار کیا۔ بعدازاں اردو میں بھی غالب ہی تخلص رہا۔ لیکن جب انہیں کسی مقطع میں غالب تخلص لانے میں تکلف ہوتا۔ تو بلا تکلف اسد رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ پچیس برس کی عمر کے بعد غالب نے جو اردو غزلیں کہیں، ان میں دس بارہ میں تخلص اسد ہے......"

شیخ محمد اکرام کی بھی یہی رائے ہے، اپنی کتاب "حیاتِ غالب" کے پہلے باب میں، "ابتدائی اشعار" کے تحت عمدۂ منتخبہ اور عیارالشعراء کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"ان تذکروں میں سے ایک میں مرزا کے حالات اسد اور دوسرے میں غالب کے تحت درج ہیں۔ مرزا نے تمام فارسی کلام میں غالب تخلص استعمال کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے، کہ فارسی شعر گوئی شروع کرنے کے کچھ عرصہ بعد انھوں نے اردو میں بھی یہ تخلص لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس کے بعد بالعموم اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں یہی تخلص قائم رکھا۔ اگرچہ شاعرانہ سہولت کی وجہ سے بعد کی چند اردو غزلوں میں اسد بھی استعمال کیا ہے۔"

مولانا غلام رسول مہر اور جناب شیخ محمد اکرام نے ایک روشن حقیقت بیان کی ہے۔ (نفیر کمال کو اس بات سے اختلاف ہے، کہ میرزا کو غالب تخلص نظم کرتے میں جب دشواری ہوتی تھی تو

اسدؔ نظم کرتے تھے۔ فرہاد، تسنیم اور اس کے ہم وزن تخلص ہر بحر میں نہیں آسکتے، لیکن غالبؔ ہر بحر میں آسکتا ہے، جن بحروں میں میرزا نے غزلیں کہی ہیں۔ ان سب میں غالبؔ نظم کرنے کے لیے کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اعلیٰ پایہ کے سخن فہم ہونے کے باوجود شاعری ان دونوں حضرات کا اوڑھنا بچھونا نہیں رہی، اسلئے وہ ایسی بات کہہ گئے۔)

تخلص کی تبدیلی کے لئے جو عمارت عرشی زادہ صاحب نے بنائی ہے وہ سرے سے بے بنیاد ہے۔ یہ بنیاد انھیں اسلئے بنانا پڑی، کہ زیرِ نظر "مخطوطے" میں صرف اسدؔ تخلص کی غزلیں ہیں۔ غالبؔ کی کسی ایسی بیاض کا تصور نہیں کیا جاسکتا جس میں صرف اسدؔ تخلص کی غزلیں ہوں۔ ابتدائی دو چار برس کی غزلوں میں صرف اسدؔ تخلص ہونا ممکن ہے۔

خود غالبؔ نے منشی شیو نرائن کو اپریل ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں لکھا ہے:۔

"میں نے کوئی دو چار برس ابتدا میں اسد تخلص رکھا ہے، ورنہ۔ غالب ہی لکھتا رہا ہوں"۔

اس بات کی شہادت خود غالبؔ کے خط سے پیش کی جا چکی ہے، کہ وہ اسدؔ بھی مقطعوں میں لکھتے رہے تھے۔ مولینا امتیاز علی خاں عرشی کا خیال ہے، کہ "یہ دو چار برس صحیح تحدید نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی شعرگوئی کی پہلی منزل "بیدلی رنگ" کے زمانے میں اسدؔ ہی لکھتے رہے ہیں۔" (دیباچہ نسخۂ عرشی)

میرزا بیدلی رنگ میں کب تک رنگے رہے، اس کا تعین بھی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ میرزا کی تاریخ ولادت ۸ رجب ۱۲۱۲ھ ہے۔ مولانا غلام رسول مہرؔ اور محمد اکرام صاحب، دونوں اس تاریخ پر متفق ہیں، اور یہ تاریخ خود میرزا نے (۱۸۶۱ء میں) نواب علاؤالدین احمد خاں علائی کو ایک خط میں لکھی ہے:۔

"..... چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔"

میرزا نے شاعری کی ابتدا کے بارے میں مختلف لوگوں کو مختلف باتیں لکھی ہیں۔ قدر بلگرامی کو ایک خط میں بارہ برس کی عمر سے اور ایک خط میں پندرہ برس کی عمر سے شاعری کرنے کی بات لکھی ہے۔ سلطان محمد بہادر کو "در دہ سالگی آثارِ موزونیٔ طبع پیدائی گرفت" لکھا ہے۔

اس بات کی شہادتیں موجود ہیں، کہ انھوں نے مکتب ہی میں شعر کہنا شروع کر دیئے تھے۔ یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ وہ دس برس کی عمر میں ہی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں سمجھ کر شعر موزوں کرنے لگے تھے۔ جناب امتیاز علی خاں عرشی بھی اسی بات کو درست سمجھتے ہیں۔ (دیوانِ غالب ۔ نسخۂ عرشی۔ دیباچہ ص۱۱۳)

شیخ محمد اکرام صاحب نے اپنی کتاب "غالب" کے دوسرے باب میں "طرزِ شاعری میں انقلاب" کے تحت جو کچھ لکھا ہے، اس سے اس کی تائید ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"میرزا نے قیامِ آگرہ کے دوران ہی میں شعر و سخن میں اتنی شہرت حاصل کر لی تھی کہ شعرا کے تذکروں میں ان کا نام آنا شروع ہو گیا تھا۔"

اور یہ صحیح ہے، ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو ان کی شادی، تیرہ برس کی عمر میں الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی (امراؤ بیگم) سے ہوئی اور دو تین سال بعد وہ مستقل طور سے دلی آ گئے۔ (سات برس کی عمر سے ان کا دلی آنا جانا رہتا تھا) گویا عمدۂ منتخبہ (تذکرۂ سرور) میں ان کے متعلق ترجمہ اس وقت لکھا گیا، جب وہ آگرے ہی میں سکونت پذیر تھے۔ اس تذکرے کی ابتداء، جیسے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ۱۲۱۵ھ میں ہوئی تھی اور اس کا اختتام ۱۲۲۴ھ میں ہوا تھا۔

۱۲۱۲ھ میرزا کی ولادت کا سال، شاعری کا آغاز ۱۲۲۱ھ ۱۲۲۲ھ اور بیدلی رنگ کا غلبہ ۱۲۲۴ھ سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عمدہ منتخبہ میں ایسی غزلیں موجود ہیں:

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

اور کب سنے ہے وہ کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

یہ بھی کوئی اتفاق نہیں ہے کہ ان دونوں غزلوں میں غالب مقطع میں آیا ہے۔ ایک مقطع تو غالب تخلص کا تذکرے میں بھی موجود ہے، وہ مقطع یہ ہے:-

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

[illegible] شبہ کے بغیر ثابت ہے کہ ۱۲۲۴ھ سے پہلے میرزا کا رنگِ سخن بھی [illegible] چکا تھا اور وہ قطعوں میں غالب تخلص بھی استعمال کرنے لگے تھے۔ اس حقیقت کو

نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، اور اس بات کو مان لیجئے تو زیرِ نظر "مخطوطہ" جسکا زمانۂ کتابت ۱۲۳۱ھ بتایا جاتا ہے، ایک جعلی دستاویز سے زیادہ نہیں رہ جاتا، کیونکہ اس میں صرف اسد تخلص کی غزلیں لکھی گئی ہیں۔ وہ غزلیں، جو متداول دیوان میں، یا نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں غالب تخلص کے مقطعے رکھتی ہیں، وہ غزلیں بھی، اس مخطوطے میں اسد تخلص کے ساتھ موجود ہیں۔ اس نتیجہ سے نظر بچانا ممکن نہیں، کہ ایسے سب مقطعے ان معنوں میں الحاقی ہیں کہ غالب کی جگہ اسد مصرعوں میں فٹ کرنے کے لئے اُن پر اصلاحِ معکوس کی گئی ہے، اور یہ اصلاح میرزا نے نہیں کی ہے، بلکہ اصلاحِ غیر ہے۔

آئیے، "مخطوطے" کے حاشیوں پر لکھی ہوئی غزلوں کی طرف واپس آئیں۔ الف کے ورق ۱۳ب اور عین کے ص۹۲ پر سات شعروں کی غزل ہے، جسے کسی اور" کے خط میں بتایا گیا ہے۔ مطلع کا پہلا مصرع ہے :-

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی

پانچ شعر متداول دیوان (ن س) میں ص۲۳۸ پر اور دو شعر گ س میں ص۱۱۶ پر درج ہیں۔ نسخۂ عرشی میں ان ساتوں اشعار کے لئے صرف نسخۂ شیرانی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ نسخۂ بھوپال کا حوالہ نہیں ہے۔ اگر نسخۂ بھوپال کا حوالہ نہ ہونا فروگذاشت نہیں ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ یہ غزل ۱۲۴۲ھ کے قریب کی ہے، کیونکہ یہی نسخۂ شیرانی کی کتابت کا سنہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ نسخۂ بھوپال ۵ صفر ۱۲۳۷ ہجری کو مکمل ہوا تھا۔ اور کئی برس تک میرزا کے پاس رہا تھا۔ اسی زمانے میں آخرِ نسخہ اور حاشیوں پر اضافے ہوئے تھے۔ اگر یہ غزل نسخۂ بھوپال میں نہیں ہے۔ تو یہ نسخۂ بھوپال کی کتابت کے پانچ برس بعد کی ہونا چاہیئے۔ یہ غزل زیرِ نظر "مخطوطے" میں کہاں سے نقل ہوئی؟ پھر اس کی قرأت نسخۂ شیرانی سے بعض جگہوں پر مختلف کیوں ہے؟ نسخۂ شیرانی میں اس کی قرأت وہی ہے، جو دیوان (مطبع نظامی کانپور) اور دیوان مطبوعہ (منشی شیو نرائن کے مطبع مفید الخلائق) میں ہے:

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو یارب اُسے قسمت میں عدو کی

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع یوں ہے:

یارب اوسے لکھ دیجیو قسمت میں عدو کی

یہاں دو باتیں غور طلب ہیں:

۱۔ یہ اختلافِ نسخ کیوں؟ ناقل کون تھا؟ اور اس کی رسائی میرزا کی کس بیاض تک تھی؟

۲۔ اگر ۱۲۴۳ کے آس پاس تک کا کلام ناقل کو مہیا تھا۔ تو پھر نسخۂ بھوپال کا سارا کلام بھی اس کو مہیا تھا۔ اس سے دو نکتے پیدا ہوتے ہیں، ایک یہ کہ نسخۂ بھوپال اور اس کے حاشیوں اور آخرِ نسخہ کا سارا کلام بھی زیرِ نظر مخطوطے میں ہونا چاہیئے تھا، مگر ایسا نہیں ہے۔ دو یہ کہ "مخطوطے" کے حاشیوں پر ہی نہیں بلکہ متن میں سارا کلام نسخۂ بھوپال کے متن کے مطابق ہونا چاہیئے تھا۔ "مخطوطے" کے حاشیوں پر تو اشعار کی قرأت نسخۂ بھوپال کے مطابق ہونا ہی چاہیئے تھی۔ غالب کے مبینہ خط میں لکھی ہوئی غزلوں میں اگر ناقل تصحیح نہ کرتا، تو حاشیوں پر نسخۂ بھوپال کی قرأت ضرور دکھائی جاتی، چونکہ ایسا نہیں ہے۔ اسلئے "مخطوطے" کے جعلی ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

اب آیئے مطلع کے علاوہ بھی قرأت میں فرق دیکھ لیجئے:

ن ع میں شعر ہے:-

گو زندگیِ زاہدِ بیچارہ عبث ہے

اتنا ہے کہ رہتی تو ہے تدبیر وضو کی

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع یوں ہے:

اتنا تو ہے۔ رہتی تو ہے تدبیر وضو کی

یہ اصلاح تو "بخطِ غالب" بھی نہیں، اصلاح غیر بخطِ منیہ دکھائی گئی ہے۔ ایسے "مخطوطے" کا نامعتبر ہونا واضح ہے۔

مقطع: ن ع میں یوں ہے:-

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب

حسرت میں رہے ایک بتِ عربدہ جو کی

"مخطوطے" میں مصرعِ اوّل یوں ہے:

صد حیف کہ ناکام وہ ایک عمر سے غالب

جس طرح سے متن کی غزلوں میں اصلاحات "بخطِ غالب" دکھائی گئی ہیں۔ یہاں حاشیوں پر ناقل نے اصلاحیں کر کے مصرعے لکھے ہیں۔ یہ اصلاحیں عادتاً کی گئی ہیں اور ناقل یہ بھول گیا، کہ متن کے لئے وہ غالب کا رول ادا کر رہا تھا، لیکن حاشیے کی تحریر کے لئے وہ صرف ناقل ہے اور اسکو "اصلاحی" مصرعے لکھنے کا "حق" نہیں۔

الف کے ورق ۳۴ ب اور عین کے ص۸۶ کے حاشیے پر وہ مسلسل غزل ہے، جسکا مطلع متداول دیوان میں یہ ہے:

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے

جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

مطلع اور کئی شعر "مخطوطے" میں نہیں ہیں۔ نسخۂ عرشی (ن س) میں یہ غزل ص۱۲۵ اور ص۲۲۶ آخر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے نقل ہوئی ہے۔ جب نسخۂ شیرانی کی غزل اس سے پہلے "مخطوطے" کے حاشیے پر نقل ہو چکی ہے۔ نسخۂ شیرانی، جو بعد کا ہے۔ اس سے کلام نقل ہونے کے یہ معنی ہیں، کہ نسخۂ بھوپال کا سارا کلام اس میں ہونا چاہیئے۔ سوال یہ ہے، کہ ناقل نے مطلع اور کچھ شعر کیوں چھوڑ دیئے؟ شاید حاشیے کی اس غزل میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہو۔ کہ ابتداءً میرزا نے یہی شعر کہے تھے۔ نسخۂ شیرانی کا کلام حاشیوں پر موجود ہونا، اس بات کو رد کرتا ہے۔ غزل کا مزاج بتاتا ہے، کہ اسکے سارے شعر ایک ہی وقت میں کہے گئے ہوں گے۔ دوسری بات یہ بھی ہے، کہ اس "مخطوطے" میں کوئی غزل مطلع کے بغیر نہیں ہے۔ یہ بھی میرزا کے مزاج کا جزو ہے، کہ انھوں نے کم سے کم ایک مطلع ہر غزل میں ضرور کہا۔ متداول دیوان میں جو کچھ غزلیں مطلعوں کے بغیر ہیں۔ وہ اس وجہ سے ہیں، کہ انتخاب میں کہیں کہیں میرزا نے مطلعے چھانٹ دیئے تھے۔ حاشیے کی اس غزل میں ناقل بھول گیا، کہ اُسے میرزا کا رول ادا نہیں کرنا ہے اور جو بلا بنقد اصلاح اور اضافوں کا اُس نے متن کے کلام کی نقل میں روا رکھا تھا۔ وہ حاشیے پر بھی روا رکھا۔ اور مطلع کے ساتھ ساتھ یہ شعر بھی چھانٹ دیئے:

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو

عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رُکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

پھر گرمِ نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدّت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کئے ہوئے

متداول دیوان میں ساتواں شعر ہے:

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

مخطوطے میں دوسرا مصرع یوں لکھا ہے:

نظارۂ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

خیال میں الف اور لام ملا کر بالکل اسی طرح خیال لکھا گیا ہے، جیسے متن میں متعدد جگہ یہ لفظ لکھا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے، نظارہ اور خیال کے درمیان عطف اور اضافت، دونوں کا رشتہ ہے۔ نظارہ کی ہ پر ہمزۂ اضافت بھی ہے اور اس کے بعد عطف کا واؤ بھی ہے۔ یہ وہ مخصوص غلطی ہے جو متن کی تحریر میں کئی جگہ ہے۔ ژ پر نقطے نہ لگانا، گ پر صرف ایک مرکز، ل اور ن کے دائروں کی ساخت، ع اور ج، دال اور واو ملا کر 3 لکھنا وغیرہ، سب کی کتابت، سب ثبوت موجود ہیں، کہ متن اور حاشیے پر ایک ہی قلم کی تحریر ہے۔

متداول دیوان میں بارہواں شعر ہے:

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کئے ہوئے

(پہلے مصرع میں نسخۂ بھوپال میں کسی کی بجائے کسو رہا ہوگا، کیونکہ بعد میں میرزا ہی کی خواہش کے مطابق ہر جگہ کسو کی جگہ کسی کر دیا گیا سوائے اس جگہ کے جہاں یہ لفظ قافیہ تھا)

"مخطوطے" میں پہلے مصرع کا پہلا لفظ "مانگے" کے بجائے "ڈھونڈے" ہے، جو نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے، اس میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر یہ لفظ میرزا کے نسخے سے نقل کیا گیا ہوتا، تو اس میں میرزا کا املا ہوتا۔ میرزا "ڈھونڈھے" لکھتے تھے۔ املائے غالب کے باب میں جناب امتیاز علی خاں عرشی نے مکاتیبِ غالب میں ص۲۳ پر لکھا ہے:

"......ان لفظوں میں بتاکید اپنی مخلوط لکھواتے تھے۔ جن میں بول چال کے اندر "ھ" موجود ہے۔ مثلاً نواب ناظم کے مسودے میں کاتب نے "ڈھونڈا" لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے اسے "ڈھونڈھا" بنا دیا۔"

یہ املا، اسوقت بھی میرزا کا تھا، جب نسخۂ بھوپال ترتیب دیا گیا۔ بلکہ یہی غزل "گل رعنا" میں میرزا نے اپنے ہاتھ سے لکھی، تو اس میں بھی دو مصرعے یوں ہیں:

ڈھونڈھے ہے پھر کسو کو مقابل میں آرزو

اور

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن

"ڈھونڈے" کا املا چونکہ غالب کے املا کے مطابق نہیں ہے۔ اسلئے اسے الحاقی سمجھنا چاہیئے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ شعر میرزا کی کسی بیاض سے نقل نہیں ہوا ہے۔ اُس زمانے میں، جب یہ غزل مطلع اور تین شعروں کے بغیر ہو۔ صرف بیاضِ غالب ہی میں ہو سکتی تھی۔ اور اس میں ظاہر ہے، کہ یہ املا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے ایسے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ بیاضِ غالب تک ناقل کی رسائی نہیں تھی۔ اور اس نے کسی اور کا فراہم کیا ہوا مصرع لکھا۔ یہ مصرع "اصلاحِ غیر" کے بعد اُسے فراہم کیا گیا تھا۔ کیا میرزا کسی مجہول ناقل سے اپنی بیاض پر غلط شعر لکھواتے۔ اپنے شعروں کو صحیح لکھے جانے کا اُن کو کتنا خیال تھا۔ اسکا اندازہ تافتہ کے نام ان کے خط سے ہو سکتا ہے۔ جس میں اگرچہ ناشائستہ الفاظ ہیں، لیکن میرزا کا نظریہ پیش کرنے کے لئے اسی کتاب میں دوسری جگہ نقل کیا گیا ہے۔

تیرہواں شعر متداول دیوان میں یوں ہے:-

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو (کسو کو)

سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

"مخطوطے" کے حاشیے پر پہلے مصرع کا پہلا لفظ "چاہیے" کے بجائے "مانگے" ہے، جو نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے، لیکن دوسرے مصرع میں، مخطوطے کے حاشیے پر "سرے" کے بجائے "سرِہ" لکھا ہے۔ یہ بھی میرزا کے املا سے مختلف ہے۔ نسخۂ بھوپال میں ن ح ع کی شہادت کے مطابق "سرے" لکھا ہے۔ "گلِ رعنا" میں میرزا نے خود اپنے قلم سے "سرے" لکھا ہے۔ اگر یہ شعر میرزا کی بیاض سے نقل ہوا ہوتا تو اس میں بھی املا، میرزا کی تحریر کے مطابق ہوتا۔

اس غزل کے بعد، جو غزل "مخطوطے" کے حاشیے پر ہے، وہ نسخۂ عرشی میں بھی اس غزل کے فوراً بعد ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا۔ الف کے ورق ۴۵ الف اور عتیق کے ص۸۹ کے حاشیے پر جو غزل ہے۔ وہ نسخۂ شیرانی کے حوالے سے متداول دیوان (ن س) میں ص۲۲۶ اور ص۲۲۷ پر نقل ہوئی ہے۔ پچھلی غزل نسخۂ بھوپال کے آخر میں تھی۔

یہ سوال بار بار ابھرتا ہے، کہ وہ کون ناقل تھا، جسکو میرزا کے ہر زمانے کا کلام مہیا تھا۔ اس سے یہ تصویر بھی ابھرتی ہے، کہ میرزا کے پاس ایک ایسی بیاض بھی تھی، جس میں وہ اپنا سارا کلام لکھتے تھے اور یہ ناقل کو روز دیکھنے کو ملتی تھی۔ اس بیاض کی ایک خصوصیت یہ بھی ابھرتی ہے۔ کہ اس میں میرزا جو شعر لکھ دیتے تھے۔ اس میں اصلاح نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ شعروں کا یہی پہلا روپ ناقل حاشیے پر منتقل کر دیتا تھا۔ ایک خصوصیت اس بیاض کی یہ بھی ابھرتی ہے، کہ میرزا کسی زمین میں جو شعر بعد میں موزوں کرتے تھے۔ وہ اس میں درج نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ پچھلی غزل کا مطلع اور تین شعر ناقل کو ہاتھ نہیں لگے۔ ورنہ وہ حاشیے پر اضافہ کرتا، البتہ اس کو نسخۂ شیرانی میں نقل ہونے والا کلام اس بیاض میں دستیاب ہو گیا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان خصوصیات کی حامل میرزا کی کوئی بیاض نہیں ہو سکتی۔

اب آئیے، اس غزل کو دیکھیں، جو "مخطوطے" کے حاشیے پر بخطِ غیر اضافہ کی گئی ہے۔ مطلع اس غزل کا یہ ہے:

بے اعتدالیوں سے سُبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

خط کو شعوری طور پر مسخ کر کے، متن کے خط سے مختلف رکھنے کی کوشش کے باوجود ناقل "زیادہ" میں "ز" کے علاوہ باقی الفاظ، عادتاً ملا کر بالکل اُسی طرح لکھ گیا ہے جیسے کہ متن میں ہر جگہ یہ لفظ اور دوسرے ایسے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ یائے مجہول اور یائے معروف بالکل متن کی طرح ایک

دوسرے سے خلط ملط ہیں۔

ظاہر ہے، کہ کسی نیک نیت سے ایک ہی ناقل نے اپنا انداز خط متن اور حاشیے پر الگ الگ رکھنے کے لئے محنت نہ کی ہوگی۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے، کہ میرزا اپنی بیاض میں یہ حرکت نہ کرتے۔ اس سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ "مخطوطے" کو میرزا کا قلم نہیں لگا، وہاں جعل بھی ثابت ہے۔

متداول دیوان میں اس غزل کے دس شعر ہیں۔ "مخطوطے" کے حاشیے پر ایک شعر کم ہے۔ ایک شعر کم کیوں ہے، اسکا کوئی جواز نہیں، بالکل اسی طرح جیسے اس سے بہت پہلے لکھی گئی: پچھلی غزل میں چار شعر کم تھے:

متداول دیوان میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

"مخطوطے" کے حاشیے پر پہلے مصرع میں "آشیان" کی جگہ "آشیانہ" لکھا ہے۔ یہ اصلاح غیر ہے۔ میرزا کی بیاض سے اگر یہ لفظ نقل کیا جاتا، تو اُن کے املا کے مطابق "آشیانے" لکھا جاتا۔

تیسرا شعر متداول دیوان میں ہے:

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

"مخطوطے" کے حاشیے پر "فنا کی دلیل" لکھا ہے۔ ظاہر ہے یہ اصلاح غیر ہے"

الف کے ورق ۴۷ ب اور عین کے ص۹۴ کے حاشیے پر وہ غزل ہے، جس کا مطلع ہے:

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

یہ غزل متداول دیوان (ن س) میں ص۲۲۹ پر نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل ہوئی ہے۔ مطلع کے بعد کا شعر یوں ہے:

صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ میکشی

تھے یہ ہی دو حساب، سو یوں پاک ہو گئے

"مخطوطے" کے حاشیے پر یوں کا ن مخصوص طریقے سے بالکل اسی طرح سے اور ویسا ہی لکھا گیا ہے، جیسا کہ متن کے ص ۵۲ اور الف کے ورق ۲۶ ب کے حاشیے پر "بخطِ غالب" ایک اصلاحی مصرع میں "سخن" کا ن لکھا ہے۔ ردیف میں "گئے" بھی مخصوص طریقے سے ویسا ہی لکھا ہے، جیسا کہ کے اور گئے "مخطوطے" میں اکثر جگہ لکھا ہے۔ اندازِ خط میں یہ مماثلت ناقابلِ تردید ثبوت اس بات کا ہے کہ متن اور حاشیے کی تحریریں، مصنوعی اور فردی اختلاف کے باوجود، ایک ہی شخص کے ہاتھ کی ہیں۔ اور اس سے جعل ثابت ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا شعر میں "مخطوطے" میں "آلات" کی جگہ "اسباب" ہے۔ اسبابِ میکشی، نسخۂ شیرانی میں بھی ہے۔

متداول دیوان میں تیسرا شعر یوں ہے:

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم

بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

"مخطوطے" میں پہلا مصرع یوں ہے:-

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی میں ہم

جناب مالک رام نے بھی اپنے نسخے میں "تم" کی جگہ "ہم" اختلافِ نسخ میں دکھایا ہے۔ (ص ۲۲۳) ہو سکتا ہے کسی نسخے میں کتابت کی غلطی سے "آوارگی سے" کی جگہ "آوارگی میں" بھی ہو گیا ہو۔ "مخطوطے" کا کردار واضح ہو چکا ہے اس لئے یہ اصلاح معکوس تصوّر کی جائے گی۔

متداول دیوان میں ایک شعر ہے:-

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا

آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے۔

" مخطوطے" میں اس شعر کی جگہ پر شعر ہے :-

پوچھے ہے کیا معاشِ جگر تفتگانِ خاک

جوں شمع آپ اپنی وہ خوراک ہو گئے

نسخۂ شیرانی میں بھی یہ شعر ہے۔ لیکن پہلے مصرع کا آخری لفظ " خاک" نہیں بلکہ عشق ہے۔ خاک بلاشبہ اصلاح معکوس ہے۔

" مخطوطے" کے حاشیے پر مقطع کی قرأت یہ ہے :

اس رنگ سے اٹھائی کل اُس نے اسدؔ کی لاش

دشمن بھی جسکو دیکھ کے غمناک ہو گئے۔

پہلے مصرع کا آخری لفظ سب نسخوں میں نعش ہے، صرف دو مطبوعہ نسخوں میں (پہلے اور پانچویں ایڈیشنوں میں) " لاش " ہے۔ ظاہر ہے، یہ بعد کی قرأت ہے۔ اسلئے یہ بات حقیقت سے بعید ہے، کہ میرزا نے پہلے پہل " لاش" لکھا ہوگا۔ اس بات سے " مخطوطے" کا جعلی ہونا ثابت ہے۔

حقیقت کمائی پھر ایک بار عرض کرتا ہے، کہ حاشیے اور متن کے اندازِ تحریر میں فروعی اختلاف کے باوجود، دونوں تحریریں ایک ہی شخص کی ہیں۔ حاشیے کے ناقل کو " غیر" تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سے متن کی تحریر بھی " بخطِ غیر" خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔

ہم پھر " مخطوطے" کے متن پر واپس آتے ہیں۔ الف کے ورق ۲۷ الف اور عین کے صہ ۵۳ پر جہاں غزل ۱۰۳ ہے اور یہی غزل پانچ صفحوں کے بعد پھر کیوں حاشیے پر لکھی گئی۔ اور اگر کسی اور کے خط میں ہے، (جسکے بارے میں جائز طور پر شک ہے) تو یہ کہاں سے نقل کی گئی۔ یہ سوال بہت اہم ہیں، اور ان کے جوابات سے اس نسخے کے بخطِ غالب نہ ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

اگر یہ بیاض غالب کی ہے، تو کیا انھوں نے ایک اور ردیف وار بیاض بھی رکھی تھی، جس میں اس غزل کے اشعار نظرِ ثانی کرنے کے بعد لکھے تھے؛ وہ بیاض یقیناً بعد کی ہوگی، کیونکہ اس میں شعروں کی وہ قرأت ہے جو نسخۂ بھوپال میں ہے (جس سے نسخۂ حمیدیہ نقل ہوا) اور وہ شعر عرشی صاحب نے اپنے نسخے میں " گنجینۂ معنی" کے تحت میں رکھے۔ اب وہ بیاض یقیناً ۱۲۳۵ ہجری کے بعد کی ہوگی۔ اگر ایسا فرض کر بھی لیں، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ پہلی بیاض کیوں تیار کی گئی تھی، اور دوسری بیاض کا

کیا مقصد تھا۔ کیا ردیف وار بیاضیں تیار کرنا ضروری تھا، جب نہ ان کو طبع کرانا مقصود تھا اور نہ وہ کسی کو پیش کی گئیں۔ پہلی اور دوسری بیاضوں کی تیاری کے درمیانی عرصے میں غالب نے کیا صرف وہی غزلیں لکھیں، جو حاشیے پر ہیں؟ تذکرہ سرور میں ۱۲۲۴ ہجری سے پہلے کی بھی ایک غزل ہے جو اس مخطوطے سے غائب ہے، یہ کیوں غائب ہے؟ پانچ صفحوں کے بعد ہی یہ غزل نقل کرانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ اصلاحیں، اصل متن میں بنا دی جاتیں۔

پھر یہ سوال بہت اہم ہے، کہ جب حاشیے پر غزلیں "کسی اور" کے خط میں لکھی گئیں، تو اس وقت یہ بیاض کس کے قبضے میں تھی؟ اور بیاض پر نقل کرنے والا کون تھا؟

بیاض کو غالب کے قلم سے مان کر بھی ان سوالوں کا کوئی تشفی بخش جواب ممکن نہیں۔ ہاں اگر ایسا فرض نہ کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کیونکہ پھر کسی بات کے منطقی ہونے نہ ہونے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ قرائن یہ ہیں، کہ یہ بیاض غالب کے عہد میں بھی تیار ہوئی اور ان کے علم میں تو اس کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

"مخطوطے" میں غزل ع ۱۰۳ کا دوسرا مطلع ہے:

گر بعدِ مرگ عرضِ جنون رہا گر دوں
موجِ غبار سے پر یک دشت وا کروں

گ-م میں مصرعِ اول یہ ہے، صرف قافیہ غلطی سے "گلا" لکھا ہے:

گر بعدِ مرگ وحشتِ دل کا گلا کروں

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:-

آ اے بہارِ ناز کہ جوشش خرام سے
دستار گردِ شاخِ گلِ نقشِ پا کروں

گ-م میں "جوشش خرام" کی جگہ "تیزی خرام" ہے۔

"مخطوطے" کے مشکوک ہونے، جعلی کردار کی وجہ سے الفاظ کے اختلاف کی وجہ اصلاح تغیر سمجھنا چاہیئے۔

الف کے ورق ۲۷ ب اور عین کے ۱۵۹ پر غزل ۱۰۴ ہے۔ اس میں سات شعر ہیں۔ ایک شعر متداول دیوان میں اور باقی غزل گ۔ م میں ۶۵ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہے۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

مضمونِ وصل ہاتھ نہ آیا خیال کے
مرغِ فرا پریدۂ رنگِ حنا کہوں

پہلا مصرع میرزا کا اسلئے نہیں ہو سکتا کہ اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ دوسرا مصرع "مضمونِ وصل" سے متعلق ہے۔ یا "خیال" سے؟ گ۔ م میں شعر یوں ہے:

مضمونِ وصل ہاتھ نہ آیا، مگر اسے
اب طائرِ پریدۂ رنگِ حنا کہوں

اس غزل کا مقطع اصلاح سے پہلے یوں دکھایا گیا ہے:

برتر ہے رتبہ فہم تصوّر سے بھی اسد
ہے عجز بندگی جو علی کو خدا کہوں

پہلے مصرع میں اصلاح دکھائی گئی ہے، اور اسکو غالب کا مقطع بنایا گیا ہے۔ اس کی قرأت ن ع کے مطابق ہو گئی ہے:

غالب ہے رتبہ فہم تصوّر سے کچھ پرے
ہے عجز بندگی جو علی کو خدا کہوں

نسخۂ بھوپال کی قرأت شاید یہی رہی ہوگی۔ اور خیال ہے، کہ جناب امتیاز علی خاں عرشی نے نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی قرأت کو صحت کے ساتھ اپنے نسخے میں رکھا ہوگا۔ حقیر کمال سمجھتا ہے کہ پہلے مصرع میں کتابت کی ایک بڑی غلطی تھی۔ اور یہ جوں کی توں ن ع تک آگئی۔ پہلے مصرع میں "فہم تصوّر" کے بجائے "فہم و تصوّر" ہونا چاہیئے۔ یہ مقطع دونوں طرح سے پڑھ کر دیکھئے اور خود فیصلہ کیجئے:

غالب ہے رتبہ فہم تصور سے کچھ پرے
ہے عجز بندگی جو علی کو خدا کہوں

اب اسے یوں پڑھیئے :

غالب ہے رتبہ فہم و تصور سے کچھ پرے
ہے عجزِ بندگی جو علی کو خدا کہوں

ن ع غلطیوں سے مبرا نہیں ہے۔ جب " رنگے زِ نظر رفتہ حنائے کف افسوس" ن ع میں " رنگِ زنظر رفتہ حنائے کفِ افسوس" لکھا ہوا ہے۔ جو ایک فاحش غلطی ہے، تو یہ غلطی بھی اس میں ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ن ع میں غلطیاں ہوں، تو ان کا جواز ہے، لیکن "مخطوطے" میں جسکو بخطِ غالب بتایا جائے، ایسی غلطی کا ہونا صرف اس بات کی طرف ذہن کو لے جاتا ہے، کہ یہ ایسے نسخوں سے نقل کیا گیا ہے، جو غلطیوں سے پاک نہیں تھے۔ ترتیب کہیں کہیں بدلی ہوئی ہے، اور بعض مصرعوں کو مسخ کر کے لکھا گیا ہے۔ ساری ذہنی صلاحیتیں "اصلاحاتِ معکوس" پر صرف کی گئی ہیں۔ جو فاحش غلطیاں ن ع میں تھیں، اُن پر شاید نظر ہی نہیں گئی۔

اہلِ نظر اس حقیر کمال سے اتفاق کریں گے، کہ یہ نسخہ اگر بخطِ غالب ہوتا، تو اس میں "فہم و تصور" ہوتا۔

اسی صفحے پر غزل ۵۰ شروع ہوتی ہے۔ پہلا مطلع، اور دوسرے مطلع کا مصرع اوّل اس صفحے پر، اور باقی غزل اگلے صفحے پر ہے۔ غزل میں نو شعر ہیں۔ تین میں سے دو مطلعے نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۵۶ پر درج ہیں۔ باقی اشعار متداول دیوان میں ہیں۔
"مخطوطے" میں دوسرا مطلع ہے :-

کسو کو ز خود رستہ کم دیکھتے ہیں
کہ آہو کو پابندِ رم دیکھتے ہیں

گ م میں، مصرعِ اوّل میں " ز خود رستہ" کی جگہ " ز خود رفتہ" ہے، جو رائج ترکیب ہے۔ اور ایسا ممکن نہیں ہے، کہ شعر موزوں کرتے وقت یہ ترکیب میرزا کے ذہن نہ آئی ہو۔ اور انھوں نے اصلاح سے

رستہ کو رفتہ کیا۔ اور اگر میرزا نے "رستہ" لکھا ہوتا، تو اسے "رفتہ" کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ معنی میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:-

ترے سروِ رعنا سے یک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں۔

یہ واقعی حیرت کی بات ہے، کہ الف اور عین کے مولفوں نے اس بات کی طرف تصرکات اور حواشی میں اشارہ تک نہیں کیا کہ "رعنا" کا املا "رعناں" لکھا ہے، شاید یہ دونوں محقق بھی "رعناں" کو درست املا سمجھتے ہوں۔ راقم اس بات پر یقین رکھتا ہے، کہ میرزا غالب رعنا کو رعناں لکھنے کے 'اہل' نہیں تھے۔ میرزا نے کلکتہ میں اپنے فارسی اور اردو کلام کا جو انتخاب کیا تھا، اس کا نام ہی "گلِ رعنا" رکھا تھا۔ یہ نسخہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ میرزا نے اس پر دیباچہ بھی لکھا تھا۔ اس دیباچے کے آخری صفحہ پر نہ صرف "گل رعنا" ان کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ بلکہ اس پر "ربیع الاول ۱۲۴۴ ہجری" بھی درج ہے۔ اردو حصے کے آخری صفحہ پر بھی میرزا کے قلم سے "گل رعنا" لکھا ہوا ہے۔ یہ نادر نسخہ خواجہ محمد حسن صاحب کی ملکیت ہے، جو تقسیم کے بعد امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور تشریف لے گئے اور وہیں قیام پذیر ہیں۔ "گل رعنا" کے ان دو صفحوں کے عکس نقوش لاہور کی اکتوبر ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں صفحات ۳۳۰ اور ۳۳۱ پر ہیں۔ غالب رعنا کو رعناں نہیں لکھ سکتے تھے۔ کتابت کی یہ غلطی صرف کاتب کر سکتا تھا۔ حقیر کمال اس غلطی سے یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہے، کہ مخطوطے کو غالب کا قلم نہیں لگا۔

اس شعر کی قرأت دیوانِ غالب میں یوں ہے:-

ترے سروِ قامت سے یک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

جنابِ امتیاز علی خاں عرشی نے اپنے نسخے میں "نوائے سروش" کے حصے میں ص۱۲۹ پر "سروِ قامت" اضافت کے ساتھ اور جناب مالک رام نے اپنے نسخے میں ص۱۳۲ پر "سروقامت" بغیر اضافت لکھا ہے۔ یہ حقیر جناب عرشی کی قرأت کو درست سمجھتا ہے۔ ترے کے ساتھ

سروِ قامت ہی درست ہے۔ "توسرو قامت ہے"۔ یہ کہنا درست ہوگا۔ بالکل جیسے یہ کہنا درست ہے کہ "تو آتش مزاج ہے"۔ یا وہ "گل پیرہن" آیا۔ "ترے" اور "اُسکی" کے ساتھ یوں کہیں گے۔ "تری آتشِ مزاج" یا "تری آتش مزاجی"۔ اسی طرح "اُسکی گل پیرہنی" کہیں گے۔ "ترا / تری آتش مزاج" یا "اسکا گل پیرہن" کہنا غلط ہوگا۔ اگر یوں نہ کہا جائے۔ "ترا آتش مزاج دوست"۔ یا "اس کی گل پیرہن سہیلی"

اس حقیر کا یہ خیال بھی ہے۔ کہ "سروِ قامت" پر اصلاحِ معکوس کر کے "سروِ رعنا" بنایا گیا ہے۔ (اضافت لکھی ہوئی نہیں ہے، اور اگرچہ بغیر اضافت کے بھی مصرع موزوں پڑھا جاسکتا ہے، لیکن یہاں اضافت ہے) "ترے سروِ رعنا سے یک قدِ آدم" غالب نہیں لکھ سکتے تھے، کیونکہ یہ ترکیب بے معنی ہے۔ "ترے قدِ موزوں سے یک قدِ آدم" یا "ترے قدِ رعنا سے یک قدِ آدم" کے معنی ہیں۔ لیکن "ترے سروِ رعنا سے یک قدِ آدم" کے وہ معنی نہیں جو اس سے نکالنا مقصود ہیں۔ یہاں جس طرح سے "سروِ رعنا" کو مصرع میں نصب کیا گیا ہے۔ اُس میں سرو صرف سرو ہے۔ استعارہ نہیں۔ گویا عاشق کچھ اس قسم کی بات کر رہا ہے۔ کہ "تیری کھڑکی کے سامنے جو سرو کا درخت ہے"۔

ادب شناس اور غالب شناس، حقیر کمال سے اتفاق کریں گے، کہ غالب اسطرح "سروِ رعنا" نہیں لکھتے۔ اس سے مناسب نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ اور اس سے اس بات کو بھی تقویت ملے گی کہ غالب "رعنا" کے املا سے ناواقف نہیں تھے۔

مخطوطے میں چھٹا شعر ہے:

تماشا کہ اے محوِ آئینہ بازی
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں۔

نسخۂ بھوپال میں "آئینہ داری" اور نسخۂ شیرانی میں "آئینہ سازی" مصرعِ اول میں ہونا، ان نسخ میں اختلافِ نسخ کے باب سے ظاہر ہے۔

متداول دیوان کا مقطع

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

"مخطوطے" میں نہیں ہے، حالانکہ غالب والے دوسرے مقطعوں کی طرح
یہ بھی اسد کا مقطع آسانی سے بن سکتا تھا:

بنا کر فقیروں کا بھیس لے (اسد) ہم

اس کی جگہ دو نو دریافت شعر ہیں، جو قطعہ بند ہیں، لیکن ق نہیں لکھا گیا ہے۔ ان میں سے ایک
مقطع ہے، جو پہلے ہے۔

سرابِ یقیں ہیں پریشاں نگاہاں
اسد کو گر از چشم کم دیکھتے ہیں

کہ ہم بیضۂ طوطیِ ہند غافل
تہ بالِ شمعِ حرم دیکھتے ہیں

یہ دونوں شعر غالب کے نہیں ہیں، کیونکہ "طوطی" ہند امیر خسرو کا لقب ہے۔ اور غالب یقیناً اس بات کی آگہی رکھتے تھے۔ ہندوستان کے فارسی شاعروں میں وہ صرف خسرو کو مانتے تھے۔ یہ ٹھیک ہے، کہ غالب کی بیدلی رنگ کی شاعری میں طاؤس اور قمری کے بیضے ملتے ہیں۔ لیکن یہاں "طوطیِ ہند" کا بیضہ بالِ شمعِ حرم کے نیچے بٹھا دینا اور کچھ نہیں تو مضحکہ خیز ضرور ہے۔

"سرابِ یقیں" اچھی ترکیب ہے۔ لیکن اس شعر میں بے معنی ہے۔ غور فرمایئے۔
"پریشاں نگاہاں اگر اسد کو از چشم کم دیکھتے ہیں۔ (تو یہ) سرابِ یقیں ہے"۔ یہ کیا بات ہوئی؟
"سرابِ یقیں" کیوں اور کیسے؟ کوئی معنی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ "چشم کم سے دیکھتے ہیں" کو "از چشم کم دیکھتے ہیں" کہا گیا ہے۔ "بچشم کم دیکھتے ہیں" کے بجائے "از چشم کم دیکھتے ہیں" کیا میرزا لکھتے؟ وہ میرزا جنکو "پارسی سے مناسبت خدا دادتھی"۔ فارسی کی میزان، ... جنکے ہاتھ میں تھی۔ جنکو فارسی سے ازلی اور سرمدی نسبت تھی؟ یہ سب جملے نسخۂ عرشی کے دیباچے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

یہ دونوں شعر کلامِ غالب کی حیثیت سے مسترد کئے جانے کے لائق ہیں۔
اسی نسخے پر وہ غزل ہے جس کا مطلع (ن، ع/ گنجینۂ معنی ص۹۹) میں یوں ہے:

جوں مردمکِ چشم سے ہوں جمع نگاہیں
خوابیدہ بحیرت کدۂ داغ ہیں آہیں

یہ مطلع مخطوطے میں اس طرح ہے:

جوں مردمکِ چشم میں ہوں جمع نگاہیں
خوابیدۂ حیرت کدۂ داغ ہیں آہیں

دوسرے مصرع کی قرأت میں فرق قابلِ توجہ ہے، پہلے کا مصرع وہ معلوم ہوتا ہے، جو متن میں ہے۔ مخطوطے میں جو مصرع فراہم کیا گیا ہے۔ وہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ اصلاحی مصرع میرزا کا نہیں ہے۔ پہلے مصرع میں "مردمکِ چشم میں ہوں" نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ نسخۂ بھوپال کی بجائے، نسخۂ شیرانی کی قرأت ہونا، مخطوطے کو کھوٹا ثابت کرتا ہے۔ دوسرے مطلع میں اس بات کا ثبوت موجود ہے، کہ یہ بیاض بخطِ غالب نہیں ہے۔

دوسرا مطلع "مخطوطے" میں یوں لکھا گیا ہے:-

ہے حلقۂ کاکل میں پڑی دید کی راہیں
جوں دود فراہم ہوئیں روزن میں نگاہیں

پہلے مصرع میں "پڑیں" کی جگہ "پڑی" لکھنے کی غلطی میرزا سے نہیں ہوتی۔ اور اگر قلم کی لغزش سے ایسا ہوتا۔ وہ اسی وقت نہیں تو، نظرِ ثانی کے وقت ضرور ٹھیک کرتے، اور عجب نہیں، کہ تو ہوتے۔ یہی لکھتے۔ "مخطوطہ" نہ صرف بخطِ غالب نہیں ہے، بلکہ غالب کی نظر سے بھی نہیں گزرا۔

[illegible] شعر ہے:

پایا سرِ ہر ذرہ جگر گوشۂ وحشت
ہیں داغ سے لبریز شقائق کی کلاہیں

لبریز وہ حالت ہوتی ہے، جب ساغر، پیالہ (یا یہاں کلاہ) لبالب بھری ہوئی ہو، یعنی اس میں ایک قطرے یا ایک دانے کی اور گنجائش نہیں ہو۔ بلکہ جو چیز بھری گئی ہو۔ وہ رِس رہی ہو۔ اب لالہ میں تو داغوں کی تعداد معین ہوتی ہے۔ اتنی تو ہرگز نہیں ہوتی، کہ کہہ سکیں کہ لالہ کی کلاہیں داغوں سے لبریز ہیں۔ اسلئے مصرعِ ثانی میں "لبریز" الحاقی لفظ ہے۔ نسخۂ عرشی میں اس جگہ "معمور" کا لفظ ہے۔ جس کے معنی بھرا ہوا بھی ہیں، اور آباد بھی۔ یہاں معمور کے معنی آباد ہیں۔ الحاقی لفظ "لبریز" کی موجودگی سے "مخطوطہ" ایک بار اور کھوٹا مال ثابت ہوتا ہے۔

اس مخطوطے کو انتہائی مشکوک بنانے والا ایک سراغ عینؔ کے اسی صفحے (۵۵) پر موجود ہے۔ غزل کا چوتھا اور صفحے پر آخری شعر یوں ہے:۔

کس دل پہ ہے عزمِ صفِ مژگانِ خودآرا

آئینے کے پایاب سے اُتری ہیں سپاہیں

پہلے مصرع میں آخری لفظ خودآرا کا آخری حصہ پہلے کے لکھے ہوئے کچھ اور حروف پر لکھا ہوا ہے۔ الفؔ کے ورق ۲۸ الف پر بعینہٖ یہی صورت ہے۔ الفؔ میں تصریحات کے تحت یہ نوٹ ہے کہ "پہلے یہ لفظ کچھ اور تھا، جسے خودآرا بنایا ہے۔" ٹھیک، کوئی مشکوک بات نہیں۔

عینؔ کے حواشی میں درج ہے: "مخطوطے" میں آخری لفظ کی روشنائی پھیل گئی ہے۔ اسے 'خودآرا' پڑھیے۔" یہ بھی درست۔ کوئی مشکوک بات نہیں۔

لیکن جو بات اسے مشکوک بناتی ہے، وہ یہ ہے کہ "روشنائی پھیلنا" ثابت کرنے کے لیے جیسی روشنائی کی پھیلی ہوئی لکیر صفحہ ۵۵ پر 'خودآرا' پر بائیں حاشیے سے جتنی دور ہے۔ اتنی ہی دور، ویسا ہی نشان صفحہ ۵۴ پر بائیں حاشیے سے اتنی ہی دور ہے، اور اسی زاویے پر ہے۔ یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ واقعی تحریر خشک نہیں ہوئی تھی، کہ ورق پر ورق رکھنے سے روشنائی پھیل گئی۔

یہ بہت چھوٹی سی بات ہے، لیکن اس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ حقیر کمال چاہے گا، کہ قاضی عبدالودود صاحب، جو واقعی محقق ہیں، اور بہر سر ٹھیک ہیں۔ اور دوسرے منصف مزاج، اہلِ علم اس چھوٹے سے سراغ پر توجہ دیں۔ دلائل یہ ہیں۔

۱۔ عینؔ کے ص۵۵ پر جو لکیر ہے۔ وہ الف کے ورق ۲۷ب پر ہونا چاہئے۔

تھی، لیکن نہیں ہے۔ جب دونوں نسخے ایک ہی مخطوطے کا عکس ہیں، تو پھر ایک میں سے یہ کیوں غائب ہے؟
اگر یہ حصّہ مخطوطے میں نہیں تھا، تو نسخۂ عرشی زادہ میں ص ۵۴ پر کیوں لگایا گیا۔ اس نسخے میں تو دھبّے
نکالے گئے ہیں۔ الف کے ورق ۱۲ الف پر، کالم ۲ کے دوسرے شعر میں "صحرا" پر روشنائی ہے۔
عین میں ص ۲۳ پر "صحرا" صاف ہے۔ اسی طرح الف کے ورق ۱۴ اب پر کالم ۲ میں "واجہامین"
ہے۔ اور عین میں ص ۲۸ پر صاف بخطِ غالب "یہاں" لکھا ہے۔ یہ چوتھے مصرع میں ہے۔ الف کے چھٹے
مصرع میں مصلحت کی ت کے نقطے غائب ہیں اور دائرہ ہے۔ عین میں بہت صاف صفرا "مصلحت" لکھا ہے۔
عین میں ص ۵۴ پر یہ نشان ⓒ بنایا گیا ہے۔

۲۔ مخطوطہ اس حقیر نے نہیں دیکھا ہے، اسلئے یہ نہیں کہہ سکتا، کہ اس کی جزو بندی
کس طریقے پر ہے؟ لیکن الف اور عین میں حاشیوں کی تحریروں، اور مخطوطے کی کیفیت کے بیان
میں یہ کہا گیا ہے، کہ جلد بندی میں حاشیے کی تحریریں کٹ گئیں۔ دو دو ورق کے جزو بھی لکھے جاتے
تھے اور ۱۶ صفحوں یعنی ۸ ورقوں کے جزو بھی لکھے جاتے تھے۔ ان پر ترکہ دیا جاتا تھا۔ اور بعد میں
جزو بندی ہوتی تھی۔ معلوم نہیں اس مخطوطے کی سلسلے میں کیا صورت ہے۔ الف اور عین کے مؤلف
اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ الگ الگ اوراق پر لکھا گیا ہے۔ اور ان کی جزو بندی بعد میں
ہوئی۔ یا پہلے سے ایک کاپی موجود تھی۔ اگر دوسری بات ہے، تو یقیناً اس میں بہت سارے صفحات
بھی ہونا چاہیں۔ کیونکہ پہلے سے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا، کہ بیاض کتنے صفحات پر پوری ہوگی۔
حقیر کمال یہ بات معلوم ہونے تک اپنے کچھ دلائل بعد میں پیش کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

۳۔ عین کے ص ۵۵ پر بائیں حاشیے سے جتنی دور روشنائی پھیلی ہے، ص ۵۴
پر بائیں حاشیے سے داہنی طرف اتنی ہی دور ویسا دھبّہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دھبّہ ص ۵۴ پر دائیں حاشیے
سے اتنی PLANE میں بائیں طرف اتنی ہی دور ہونا چاہیئے تھا۔ روز لوگ آئینے میں اپنی شکل
دیکھتے ہیں، لیکن اس بات کا احساس شاید کم لوگوں کو ہو کہ بائیں طرف کی مانگ اور جیب آئینے
میں دائیں طرف چلی جاتی ہیں یعنی معکوس ہو جاتی ہیں۔

یہ بہت چھوٹا سا سراغ ہے، لیکن صرف اس بنیاد پر نسخۂ عرشی زادہ کے
حوالے کو جعلی ہونے کی سند دی جا سکتی ہے۔ جو دھبّہ ص ۵۴ پر نسخے کو کھرا ثابت کرنے
کیلئے دکھایا گیا ہے اسی نے اس کو کھوٹا ثابت کر دیا۔
[illegible] ہیں ایسے سرزمیں پر ملزم کی زندگی [illegible] ... یہ بھی ایک [illegible]

"غالب صدی" میں غالب کے قتل کا مقدمہ ہے۔ ("غالب صدی" کی ترکیب کو یہ حقیر درست نہیں سمجھتا۔ اسلئے واوین میں لکھا ہے)

اس غزل کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات مقطع کے بارے میں بھی کرنا ہے، جس کے بعد ایک مطلع، مخطوطے، اور نسخۂ عرشی، دونوں میں درج ہے، مقطع مخطوطے میں یوں لکھا ہے:

یہ مطلع (راسی) جوہرِ افسونِ سخن ہو
گر عرضِ تپاکِ نفسِ سوختہ چاہیں

اختلافِ نسخ کے باب میں جو معلومات جناب امتیاز علی خاں عرشی نے ص۲۰۹ پر فراہم کی ہیں، ان کے مطابق مصرعِ ثانی نسخۂ بھوپال میں یوں ہے:

گر عرضِ تپاکِ جگرِ سوختہ چاہیں

"نفسِ سوختہ"، نسخۂ شیرانی میں ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت کیوں ہے؟ اس قسم کی بیسیوں مثالیں پہلے پیش کی جا چکی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، بلکہ یہ بات عیاں ہے، کہ "مخطوطے" کا بلیو پرنٹ تیار کرنے، اس "مخطوطے" کو بخطِ غالب تسلیم کرنے والوں نے طرح، غالب کی تصنیفوں، اور غالب کے متعلق تصنیفوں سے نابلد محض تھے۔ اور ان کی اسی عدم واقفیت کی وجہ سے نسخۂ شیرانی کی قرأت "مخطوطے" میں در آئی ہے۔ ایسی ایک مثال سے کوئی نسخہ مشکوک ہو جاتا ہے۔ اس میں تو بے شمار ایسی مثالیں ہیں۔ کوئی غالب شناس اس مجہول نسخے کو بخطِ غالب تسلیم نہیں کرے گا۔

الف کے ورق ۲۸ ب اور عین کے ص۵۹ پر غزل ع۱۰۸ ہے جس میں بشمول مطلع و مقطع سات شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۲۵ پر درج ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع ہے:۔

جا ہے کہ پائے سیلِ بلا درمیاں نہیں
دیوانگانِ غم کو سرِ خانماں نہیں

گ م میں مصرع ثانی یہ ہے :-

دیوانگاں کو واں ہوسِ تماشاں نہیں

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے :-

اے عجز کیا کروں بہ تمنا سے بے خودی

طاقت حریفِ سختیِ خوابِ گراں نہیں

گ م میں مصرع اوّل یہ ہے :-

جُنبۂ عجز کیا کروں بہ تمنائے بے خودی

"مخطوطے" میں چھٹے شعر کی قرأت گ م کے مطابق ہے، لیکن "دریا" کو "درہ" لکھا ہے۔ شعر یوں لکھا ہے: کل غنچکے میں غرقہ دریائے رنگ ہے

اے آگہی فریبِ تماشا کہاں نہیں

مصرع اول میں "دریا" میں "ر" اور "ہ" کو صاف ملا کر لکھا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح، جیسے یہ دونوں حرف ملا کر سینکڑوں جگہ "مخطوطے" میں لکھے گئے ہیں۔ ایک مثال الف کے ورق ۲۷ الف اور عین کے ص ۵۳ پر پہلے مصرع میں ہے بالکل یونہی لکھا ہے۔ ظاہر ہے میرزا دریا کو درہ نہیں لکھتے! ایک اور مثال الف کے ورق ۱۱ ب اور عین کے ص ۲۲ پر پہلا مصرع ہے، جس میں "ستوہ" بھی اسی طرح "ت" اور "ہ" کو ملا کر لکھا گیا ہے۔ اس مثال سے یہ حقیقت ایک بار پھر روشن ہو جاتی ہے کہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے۔ مندرجہ بالا دونوں شعروں میں اختلافِ نسخ کی وجہ اصلاح غیر ہے۔ یہ بات بھی اس سے ثابت ہو جاتی ہے۔

مقطع "مخطوطے" میں گ م کی قرأت کا حامل ہے۔ لیکن اس کے بارے میں حقیر کمال کو کچھ عرض کرنا ہے، مقطع یہ ہے: برقِ بجانِ حوصلہ آتش فگن اسد

اے دل فسردہ طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں

مصرعِ اوّل میں "برق" بہ کسرۂ اضافت نہیں، بلکہ "برقے" بہ یائے تنکیر درست ہے۔ شاید گ-م کے ماخذوں میں یہ غلطی تھی۔ اور انھیں ماخذوں سے "مخطوطہ" نقل کیا گیا ہے۔ اسلئے یہ غلطی اس میں بھی موجود ہے۔ اس غلطی کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے، کہ یہ مصرع "مخطوطے" میں غالب نے اپنے قلم سے نہیں لکھا ہے۔ جب ایک مصرع ان کے قلم کا نہیں ہے۔ تو سارا "مخطوطہ" بخطِ غیر قرار پاتا ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۱۰۸ کے سات میں سے چار شعر ہیں۔ باقی تین شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ یہ غزل گ-م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے صفحہ ۶۲ اور صفحہ ۶۳ پر درج ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا شعر یہ ہے:-

فرصتِ یک چشمِ حسرت ششش جہت آغوش ہے
ہوں سپند آسا وداعِ انجمن کی فکر میں

گ-م میں مصرعِ اوّل میں "چشمِ حیرت" ہے۔ "مخطوطہ نگار" نے پہلے بھی "حیرت اور حسرت" کو خلط ملط کیا ہے۔ الف کے ورق ۱۱ الف اور عین کے صفحہ ۲۱ پر (کالم ۳ میں) ایک شعر تھا:

حسرتِ نشۂ وحشت نہ بسعیِ دل ہے
عرضِ خمیازۂ مجنوں ہے گریباں میرا

اس میں "حیرت" لکھا گیا تھا پھر اسی کو "حسرت" بنایا گیا۔

یہاں "حیرت" کی جگہ "حسرت" لکھدیا گیا۔ "حسرت" یہاں بے معنی لفظ نہیں ہے لیکن یہ بات قرینِ قیاس نہیں کہ حیرت اور حسرت میں میرزا الفاظ ایک دوسرے سے بدلتے، شاید یہ نقالیں اور آ گئے آئیں۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

غفلتِ دیوانہ جز تمہیدِ آگاہی نہیں
مغزِ سر خوابِ پریشاں ہے سخن کی فکر میں

گ-م مصرعِ اوّل میں "تمہیدِ آگاہی" ہے۔ ن-ع میں [illegible] کا اختلاف نسخ مذکورہ میں ب استثنا

نطوطے، میں "تبیر" کو اصلاح غیر سمجھنا چاہیئے۔
الف کے ورق ۲۹ الف اور عین کے صفحہ ۵ پر غزل نمبر ۱۰۹ ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ
یرانی کے حوالے سے گ۔م میں ص ۵۷ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں مطلع ہے:

ترحم آفرین آرائشِ بیداد یہاں
اشک چشم دام ہے ہر دانۂ صیاد یہاں

نسخۂ عرشی کے مطابق نسخۂ بھوپال میں مصرعِ ثانی یوں ہے:-

اشکِ چشمِ دام ہے پر دانۂ صیاد یاں

لافِ نسخ کے باب میں (ص ۴۰۹) پر اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے، کہ "ہر دانۂ" نسخۂ شیرانی
ہے۔
ایک بار پھر "مخطوطے" میں جس کے نسخۂ بھوپال کے پیش رو ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔
ۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت موجود ہے۔ "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا یہ ایک
ثبوت ہے۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:-

ناگوارا ہے ہمیں احسانِ صاحب دولتاں
ہے زرِ گل در نظر ما جوہرِ فولاد یہاں

گ۔م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:-

ہے زرِ گل بھی نظر میں جوہرِ فولاد یاں

ح میں اختلافِ نسخ کے باب میں کسی اصلاح کا ذکر نہیں ہے۔ اسلئے "مخطوطے" میں قرأت کا فرق
ح غیر کی وجہ سے ہے۔
صفحے پر غزل نمبر ۱۱۰ ہے۔ (چار شعر اس صفحے پر اور مقطع اگلے صفحے پر) یہ غزل نسخۂ بھوپال اور
خۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔م میں ص ۶۴ پر ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع یوں لکھا ہے:-

اے نواسازِ تماشا سر بکف جلتا ہوں میں
یک طرف جلتا ہے دل اور یک طرف جلتا ہوں میں

نسخۂ عرشی (گ م) میں مصرعِ ثانی یوں لکھا ہے:

ایک طرف جلتا ہے دل اور ایک طرف جلتا ہوں میں

اختلافِ نسخ کے باب میں صفحہ ۱۴ پر جو اطلاع فراہم کی گئی ہے۔ اس کے بموجب نسخۂ شیرانی میں دونوں جگہ "ایک" کو "یک" کر دیا گیا۔ گویا مصرع وہ ہوا، جو "مخطوطے" میں ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کی قرأت کی موجودگی، ایک بار پھر اس کے جعلی ہونے کو تقویت دیتی ہے۔

نسخۂ عرشی میں دونوں جگہ "ایک" بحر سے خارج ہے۔ یہ وہ غلطی ہے، جو نسخۂ مالک رام میں کئی جگہوں پر ہے۔ جنابِ امتیاز علی خاں عرشی نے بھی اپنے نسخے میں املا کے رائج اسلوب کا لحاظ رکھا ہے۔ چنانچہ "یہاں" کو "یاں" لکھا ہے۔ (جہاں یہاں 'یاں' پڑھا جانا تھا) اسی طرح غالب کے ادبی عقیدے کے مطابق "غلطیدن" اور "طپیدن" میں "ط" کی جگہ "ت" لکھا گیا ہے۔ غالب، اپنے زمانے کے املا کے مطابق اک کو ایک اور مرتے، نترے کو میرے، تیرے لکھتے تھے۔ ایسے الفاظ نسخۂ عرشی میں موجودہ اسلوب کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ اسلئے "ایک طرف جلتا ہے دل اور ایک طرف جلتا ہوں میں" میں دونوں جگہ اک لکھا جانا چاہیئے تھا۔ یہ غلطی اس نسخے میں بڑی عجیب لگتی ہے۔

مقطع میں اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اصلاح سے پہلے "مخطوطے" میں اس کی قرأت یہ تھی:

شمع ہوں تو بزم میں جا پاؤں مانندِ اسد
بے محل لے مجلس آرائے بہجت جلتا ہوں میں

"مانندِ اسد" کو "غالب کی طرح" کیا گیا ہے۔ اس طرح مقطع گ م کے مطابق ہو گیا۔ یہ صریحاً اصلاحِ معکوس تھی۔ اور صرف اس وجہ سے کی گئی تھی، کہ "غالب" تخلص کا مقطع متن میں نہیں دکھایا جا سکتا تھا۔ الف کے ورق ۲۹ ب اور عین کے ص ۵۸ پر غزل ۱۱۱ ہے۔ نسخۂ بھوپال اور

نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ غزل گ م میں ص۴۳ اور ص۱۵۶ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہوا ہے گریۂ سرشار ضبط سے تسبیح

ہزار دل پہ ہم ایک اختیار رکھتے ہیں

گ م میں، مصرع اوّل میں "گریۂ بے باک" ہے اور وہی میرزا کی ترکیب ہے۔ "گریۂ سرشار" بڑی غریب ترکیب ہے اور میرزا سے منسوب نہیں کی جاسکتی، اسلیئے اسے اصلاحِ غیر کے زمرے میں رکھا جانا چاہیئے۔

"مخطوطے" میں یہ شعر "نودریافت" ہے:

برنگِ سایہ سرو کار انتظار نہ پوچھ

سراغ خلوتِ شبہائے تار رکھتے ہیں۔

مصرعِ اوّل میں "سروکار" کا لفظ ٹھیک صرف نہیں ہوا ہے۔ اور میرزا اس طرح استعمال نہیں کرتے۔ اسلیئے یہ شعر الحاقی ہے۔

"مخطوطے" میں مقطع ابتداً یوں لکھا گیا تھا:

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے کہ اسد

[illegible] دشت دل پُر غبار رکھتے ہیں

دامنہ کی بجائے غالب اصلاحات میں لکھا گیا ہے۔ غالب کے مقطع کو اسد کا مقطع بنا کر لکھے جانے کی یہ بھی ایک مثال ہے۔

اسی صفحے پر [illegible] کے مطلع کا مصرع اولیٰ ہے۔ آٹھ شعروں کی اس غزل کا باقی حصہ الف کے ورق ۱۲۰ ب اور [illegible] ۵۶ [illegible] نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ غزل گ م میں ص۴۹ اور ص۲۶ پر درج ہے۔ مطلع یہ ہے:

[illegible] رکھتے ہیں

[illegible] رکھتے ہیں

نسخۂ عرشی اور "مخطوطے" دونوں میں یہ مطلع اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ حقیر کمال عرض کرتا ہے، کہ دونوں مصرعوں میں کتابت کی فاش غلطیاں ہیں۔ صحیح نوشت یہ ہے:۔

تنے بہ بندِ ہوس در نداده رکھتے ہیں

دلے زِ کارِ جہاں اوفتاده رکھتے ہیں

تن اور دل، دونوں لفظ یہاں یائے تنکیر ہی کے ساتھ درست ہیں کسرۂ اضافت کے ساتھ ان کو لکھنا (غالب ہی کے الفاظ میں) عقل کو گالی دینا ہے۔ نسخۂ عرشی کے ماخذ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی بتائے گئے ہیں۔ اس میں کلام نہیں، کہ جناب امتیاز علی خاں عرشی نے یہ دونوں اصل یا عکس میں ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔ دونوں نسخے چونکہ کاتب کے لکھے ہوئے ہیں۔ اگرچہ حاشیوں پر میرزا نے کلام کا اضافہ کیا ہے اور متن میں بھی اپنے قلم سے اصلاح کی ہے، لیکن یہ نسخے اغلاط سے پاک نہیں ہیں۔ (غلطیوں کی نشاندہی عرشی صاحب نے اپنے نسخے کے دیباچے میں کی ہے) ہو سکتا ہے، یہ مطلع نسخۂ عرشی کے مصدر نسخوں میں اسی طرح لکھا ہو۔ اگر ایسا ہے، تو بھی عرشی صاحب جیسے عالم اور غالب شناس سے یہ توقع تھی، کہ اپنے نسخے میں یہ مطلع صحت کے ساتھ درج فرماتے، اور اختلاف نسخ کے تحت غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی۔ بہرحال یہ نسخۂ عرشی کا وہ پہلو ہے جس سے تکلیف ہوتی ہے۔ "مخطوطے"، کے بارے میں یہ بات اس مثال سے ثابت ہو جاتی ہے، کہ وہ یا تو نسخۂ عرشی سے، یا نسخۂ عرشی کے ماخذوں سے "بخطِ غیر" نقل ہوا ہے۔ میرزا تو اپنے قلم سے اپنا کلام غلط طریقے سے لکھتے نہیں۔ نسخۂ شیرانی میں کسرۂ اضافت اور یائے تنکیر خلط ملط کرنے کی ایک غلطی کی طرف عرشی صاحب نے اسی غزل کے سلسلے میں اشارہ بھی کیا ہے۔ اس سے اپنے مقام پر بحث ہوگی۔

"مخطوطے میں دوسرا شعر ہے:

تمیز بخشیِ زشتی و نیکوئی یکسرف

بہ عکسِ آئینہ یک لوحِ ساده رکھتے ہیں۔

گم میں مصرعِ اوّل یہ ہے:۔

تمیزِ زشتی و نیکی میں لاکھ باتیں ہیں

"مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر، اس میں درج مصرعِ اوّل کو الحاقی ہی سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اختلافِ نسخ کے تحت نسخۂ بھوپال میں کوئی اصلاح نہیں دکھائی گئی ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے :

ادب نے سونپی ہمیں سرمہ سائی حیرت
زبان بستہ و چشم کشادہ رکھتے ہیں

یہ شعر نسخۂ عرشی میں درج نہیں ہے۔ تحقیق میں اس کو "نو دریافت" بتایا گیا ہے۔ یہ الحاقی شعر ہے اگرچہ رنگ میرزا کا ہے۔ اس کے بخطِ غالب نہ ہونے کا ثبوت دوسرا مصرع ہے، جس میں "زبان بستہ" اور "چشم کشادہ" میں دوہرا رشتہ دکھایا گیا ہے "بستہ" کی "ہ" پر ہمزۂ اضافت بھی ہے۔ اور اسکے ساتھ ساتھ عطف کا واؤ بھی ہے۔ یہ دوہرا رشتہ اس شعر کے الحاقی ہونے کا بھی ثبوت ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے :۔

معاف بیہدہ گوئی ناصحاں خاموش
دل بدستِ نگارِ سے نداده رکھتے ہیں

مصرعِ ثانی میں وہی غلطی ہے جو مطلع کے مصرعِ ثانی میں تھی یعنی "دل" بہ کسرۂ اضافت لکھا گیا ہے۔ دستِ، بہ یائے تنکیر ہونا چاہیئے تھا۔ شکر ہے، کہ یہ لفظ نسخۂ عرشی میں صحت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ گُل میں شعر یوں ہے :۔

معاف بیہدہ گوئی ہیں ناصحانِ عزیز
دلے بدستِ نگارے نداده رکھتے ہیں

"مخطوطے" میں مصرعِ اوّل میں اختلاف اصلاحِ غیر کی وجہ سے ہے، اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ دوسرے مصرع میں "دل" بہ کسرۂ اضافت میرزا کا لکھا ہوا نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے جس نے مصرعِ ثانی غلط لکھا ہے، اسی نے مصرعِ اوّل میں "خیانت" کی ہے۔ حقیر کمال کا خیال ہے کہ نگارے کی بجائے نگارِ، بہ کسرۂ اضافت ہونا چاہیئے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر یوں لکھا ہے :۔

/

بزاہداں رگِ گردن ہے رشتۂ زنّار

سرِ بپاے بتے نانہادہ رکھتے ہیں

"سر" پہ روشنائی لگائی گئی ہے۔ پھر بھی "سر" صاف پڑھا جاتا ہے۔ گ۔م میں دوسرے مصرع میں "سرے" بہ یائے تنکیر لکھا گیا ہے۔ اور اختلافِ نسخ کے تحت ص ۹۰۲ پر نسخۂ شیرانی میں سہوِ کاتب کا اظہار ہے۔ نسخۂ شیرانی میں مصرع یوں لکھا گیا تھا۔

سرِ بپاے بتِ نانہادہ رکھتے ہیں

حقیر کمالؔ یہ عرض کرتا ہے کہ دوسرا مصرع یوں لکھا جانا چاہیئے:

سرے بپائے بتِ نانہادہ رکھتے ہیں

نسخۂ عرشی میں "سرے" بہ یائے تنکیر درست لکھا ہے۔ لیکن "بتے" بہ یائے تنکیر درست نہیں۔ "بتِ" بہ کسرۂ اضافت ہونا چاہیئے تھا۔ نسخۂ عرشی اور اس کے ماخذوں میں غلطیاں تو سہوِ کاتب ہیں، لیکن "مخطوطے" میں ان کا کیا جواز ہے، جب کہ اس کے بخطِ غالب ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ مستند قرار پاتا ہے۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر اصلاح سے قبل یوں تھا:۔

کمالِ بندگی آیا ہے شیوۂ تسلیم

کہ داغِ دل بجبیں کشادہ رکھتے ہیں

مصرع اول سراسر الحاقی تھا۔ اصلاح میں وہ مصرع لکھا گیا ہے، جو گ۔م میں ہے:۔

برنگِ سایہ ہمیں بندگی میں ہے تسلیم

"مخطوطے" میں ساتواں شعر ہے:

برنگِ سبزہ عزیزانِ کج زباں یکدست

ہزار تیغ بزہراب دادہ رکھتے ہیں

گ ـ م میں مصرعِ اوّل میں "بدزباں" ہے۔ اور اسی کو اولین قرأت سمجھنا چاہیئے، کیونکہ اختلافِ نسخ کے باب میں اس سلسلے میں کوئی اندراج نہیں ہے۔

الف کے ورق ۳۰ ب اور عین کے ص ۶ پر غزل ص ۱۱۳ ہے، جسکے دو شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ یہ ساتوں شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ ـ م میں ص ۱۴۲ پر درج ہیں۔ "مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

تماشائے بہار آئینۂ پردازِ تسکیں ہے
بجیبِ گل کفِ پائے دلِ رنجور ملتے ہیں

گ ـ م میں شعر کی یہ قرأت ہے:

تماشائے بہار آئینہ پرداز تسلی ہے
کفِ گلبرگ سے پائے دلِ رنجور ملتے ہیں

گ ـ م میں نسخۂ شیرانی کی قرأت درج ہے۔ نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل میں "تسکیں ہے" ہونے کی نشاندہی اختلافِ نسخ کے باب میں ص ۲۹۰ پر کی گئی ہے۔ مصرعِ ثانی کے سلسلے میں کوئی بات نہیں لکھی گئی ہے، اسلئے "مخطوطے" میں یہ مصرع الحاقی ہے۔

"مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:

اسد حسرت کشِ یکداغِ مشک آلودہ ہے یارب
بپاسِ شمع پر عطرِ شبِ دیجور ملتے ہیں

گ ـ م میں مصرعِ اول یہ ہے:

اسد حیرت کشِ یک داغِ مشک اندود ہے یارب

اختلافِ نسخ کے باب میں یہ اندراج ہے، کہ نسخۂ شیرانی میں "حسرت کش" ہے۔ نسخۂ شیرانی میں حسرت اور حیرت کی ادلا بدلی سے مخطوطے والے / والوں کو جا بجا ان دو الفاظ کو ادل بدل کرنے کا خیال ملا ہوگا۔ لیکن اس وقت زیادہ اہم بات یہ ہے، کہ نسخۂ شیرانی کی ترکیب "مخطوطے" میں کیسے پہنچی، اگر وہ نسخۂ شیرانی یا اس سے نقل کئے جانے والے کسی نسخے سے نقل نہیں کی گئی۔ "حسرت"

کی موجودگی "مخطوطے" کو کھوٹا ثابت کرتی ہے۔ مصرع میں دوسرے الفاظ جو گ-م سے مختلف ہیں، اصلاح غیر قرار پاتے ہیں۔

الف میں ورق ۱۳۱ الف اور عین کے ص۱۶۱ پر غزل ۱۲۱ ہے۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ غزل گ-م میں ص۲۵۵ پر درج ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرے شعر میں ایک بہت اہم اصلاح ہے۔ اصلاح کے بعد شعر کی قرأت وہی ہوگئی جو گ-م میں ہے:-

ہوئی یہ بےخودی چشم و زباں کو تیرے جلوے سے

کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے، آئینہ خانے میں

اصلاح سے پہلے شعر یوں لکھا ہوا تھا:-

سخن حیراں، تحیر پر فشاں پروانہ بیگانہ

پر طوطی ہے قفلِ زنگ بستہ آئینہ خانے میں

حواشی کے تحت عین میں کوئی تاویل پیش کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ الف میں، مقابل کے صفحہ پر تعلیق خواندگی صحیح درج کی گئی ہے، لیکن تصریحات کے تحت "بستہ" کو "بست" پڑھنے کی مضحکہ خیز سعی فرمائی گئی ہے۔

ابتدا میں، جو یہ شعر "مخطوطے" میں اس طرح لکھا گیا ہے، اگر "مخطوطہ" بخطِ غالب ہوتا، تو یہ نتائج مرتب ہوتے ہیں:

۱۔ میرزا نے مصرعِ ثانی اسی طرح "موزوں" کیا۔

۲۔ میرزا نے ابتدائی غیر مردف بیاض میں یہ "مصرع" اسی طرح اپنے قلم سے لکھا۔

۳۔ میرزا نے پہلی ردیف وار بیاض میں یہ "مصرع" اسی طرح لکھا۔

۴۔ ظاہر ہے کہ یہ "مصرع" کئی بار میرزا نے گنگنایا بھی ہوگا۔

۵۔ "مخطوطے" پر نظرِ ثانی کرنے سے پہلے، ایک بار بھی انھیں خیال نہیں آیا کہ "مصرع" بحر میں نہیں ہے۔

فقیر کمال احترام سے عرض کرتا ہے، کہ اس "مصرع" کی موجودگی سے "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا حتمی طور پر

ثابت ہو جاتا ہے ___ اور یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے، کہ اس مصرع کی طرح سارا" نو دریافت کلام" الحاقی ہے۔" نو دریافت" کلام کے زمرے میں وہ مصرعے بھی آجاتے ہیں، جنکی قرأت معلومہ نسخوں سے مختلف ہے، اگر میرزا اپنے کلام کی یہ درگت دیکھتے اور ایسا کلام اپنے نام سے منسوب کئے جانے کی خبر پاتے، تو ان کے جذبات وہی ہوتے، جن کا اظہار انھوں نے میرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب کے نام خط میں کیا ہے۔ جو خطوط غالب (ص ۲۹۰) مرتبہ مہیش پرشاد (ایڈیشن: ۱۹۴۱ء) ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد) کی پہلی جلد میں شامل ہے، خط میں نہایت ہی ناشائستہ جملے ہیں، لیکن میرزا کے کلام میں تحریف اور ترمیم کرنا ان جملوں سے زیادہ ناشائستگی ہے:

اس غزل کا چوتھا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

ترے کوچے میں ہے مشاطۂ واماندگی قاصد
پر پرواز زلف ناز ہے ہُدہُد کے شانے میں

اختلاف نسخ کے باب میں جو اندراج ہے، اس کے مطابق نسخۂ بھوپال میں" زلف باز" ہے۔ اور نسخۂ شیرانی میں" زلف ناز" ایک بار پھر یہ صورت سامنے آئی ہے، کہ جس "مخطوطے" کو نسخۂ بھوپال کے مصدر کا مصدر بتایا جاتا ہے۔ اس میں نسخۂ بھوپال کی نہیں، نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ یہ "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔

مقطع بھی" مخطوطے" میں توجہ کا مستحق ہے:

اسد اے عجز ابروے یہ تو حیرت ایما ہے
کہ کھیاں گم کر جبین سجدہ فرسا آستانے میں

اس صفحے پر اتنی اصلاحیں اور ایسی اہم اصلاحیں ہیں، لیکن مقطع کے مصرع اول میں تخلص کے بعد" اے" پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ یہ مصرع اصلاح غیر کی نامعقولیت کی سب سے اچھی مثال تو نہیں لیکن اچھی مثال ضرور ہے۔ الف میں آئے کو آن پڑھنے کی مضحکہ خیز کوشش کی گئی ہے۔ اس لسئے نے یہ تو ثابت ہی کر دیا، کہ مصرع اس طرح میرزا نے نہیں لکھا ہوگا۔ گ تم میں مصرع یوں ہے:

بحکم عجز ابروے یہ تو حیرت ایما ہے

اسی صفحے پر غزل نمبر ۱۰۵ کا مطلع ہے، جس کا پہلا مصرع موٹے قط (ایک ملی میٹر) کے قلم سے اور دوسرا مصرع اس سے نصف قط کے قلم سے خفی طور پر لکھا ہوا ہے۔ حاشیے کو چھوڑ کر، یہ اس صفحہ پر آخری شعر ہے۔ اس شعر اور اس سے پچھلے شعر (مقطع) کے درمیان بہت جگہ ہے۔ معلوم نہیں ایسا کیوں کیا گیا۔ اگر اس سے یہ دکھانا مراد ہے، کہ نظرِ ثانی کے وقت اس بات کا پتہ چلا ہے، کہ مصرعِ ثانی چھوٹ گیا ہے، اور اس وقت ہاتھ میں باریک قلم تھا، تو پھر ناموزوں مصرع میں اصلاح کس وقت ہوئی تھی؟ اصلاح جس قلم سے ہے، وہ ایک ملی میٹر کے قط کا ہے۔ اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلی بار جب نظرِ ثانی ہوئی تو صرف آخری مصرع کم پایا گیا، اور وہ اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد کی خواندگی میں ناموزوں مصرع قلمزد کر کے نیا مصرع فراہم کیا گیا۔
کیا ایسی بات میرزا منسوب کی جا سکتی ہے؟
آئیے غزل نمبر ۱۱۵ کا مطالعہ کریں، جس میں چھ شعر ہیں۔ تین شعر گ م میں ص۵۸ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے اور باقی تین شعر اس غزل میں ہیں، جو مسترد اول دیوان (ن س) میں ص۱۸۰ اور ص۱۸۱ پر ہے، اور نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہے۔ "مخطوطے" میں مطلع ہے:-

فزوں کی دوستوں نے حرصِ قاتل ذوقِ کشتن میں

ہوئے ہیں بخیہا ئے زخم جوہر تیغِ دشمن میں

"بخیہائے" (بخیہ ہائے) کو "بخیہا ہے" لکھا ہے۔ کیا غالب سے اس غلطی کی توقع کر سکتے ہیں؟
اس صفحے کو الٹنے سے پہلے ایک بات یہ سوچنا ضروری ہے، کہ ایک ہی صفحے میں اتنی غلطیاں ہیں۔ غالب اپنی بیاض میں اتنی غلطیاں کرتے؟
الف کے ورق ۱۳ ب اور عین کے صفحہ ۶۲ پر پہلا شعر ہی غلط ہے، ان معنوں میں کہ اس میں ایک لفظ غائب ہے

تماشا کردنی ہے لطف زخم انتظار دل

سوادِ داغ مرہم مردمک ہے چشم سوزن (کا) ہے

نائع (گ م) میں یہ شعر یوں نقل ہوا ہے:

تماشا کردنی ہے لطفِ زخمِ انتظار اے دل
سوادِ داغِ مرہم، مردمک ہے چشمِ سوزن میں

مخطوطے میں اے ئے حذف کر کے اضافت سے کام چلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

تماشا کردنی ہے لطفِ زخمِ انتظارِ دل

انتظار کے زخم کا لطف تو ٹھیک ہے، لیکن "دل کے انتظار کے زخم کا لطف" — یہ بات کیا ہوئی۔ دل کا انتظار — گویا دل آنے والا ہے، یا اس کے آنے کی توقع ہے؟ دل آنا محاورہ ہے — اسلئے یوں سمجھئے کہ دل کے تشریف لانے کا انتظار ہے۔ انتظار اور دل کے درمیان "اے" ہونا ضروری ہے، کیونکہ دل کو مخاطب کئے بغیر یہ شعر نہیں بنتا۔ مصرع "اے" کے ساتھ جیسا ن، ع میں ہے، وہی اس کی ابتدائی مشکل غالب کی غیر مردف بیاض میں ہوگی۔

لیکن اس شعر میں اس سے بھی زیادہ ایک بات اہم ہے۔ گ۔ م اور "مخطوطے" میں جو دوسرا مصرع ہے، وہ نسخۂ شیرانی کا ہے۔ نسخۂ بھوپال میں "سوادِ داغ" نہیں ہے۔ مصرع یوں ہے۔

سویدا داغِ مرہم مردمک ہے چشمِ سوزن میں

نسخۂ شیرانی کی قرأت "مخطوطے" میں ہونا اس بات کا ایک اور ثبوت ہے، کہ یہ نسخۂ شیرانی کے بعد کا ہے۔ اسلئے نسخۂ بھوپال کا پیشرو نہیں ہو سکتا۔ اس سے "مخطوطہ" جعلی ثابت ہوتا ہے۔

باقی تین شعر متداول دیوان میں ہیں۔ دو مصرعوں میں قرأت کا فرق اس وجہ سے ہے، کہ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی قرأت درج ہے۔

الف کے ورق ۳۱ ب اور عین کے صـ۶۲ پر گ۔ م کی غزل ... ہے۔ ب۔ و صـ۶۱ اور صـ۶۲ پر ہے۔ یہ پہلی غزل ہے، جو اختلافِ نسخ سے پاک ہے۔

الف کے ورق ۳۲ الف اور عین کے صـ۶۳ پر اسی زمین کی دوسری غزل (۱۱۸ ع) ہے، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔ م میں صـ۶۱ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں لکھا ہے:

دورانِ ساغر سے گردشِ ساغر ہے متصل　　خمخانۂ جنوں میں دماغ رسیدہ ہوں

گ۔ م میں مصرعِ اول یوں ہے: دورانِ سر سے گردشِ ساغر ہے متصل

اگر اصلاحِ معکوس کے عمل میں "دورانِ سر" "دورانِ ساغر" بنا یا گیا ہے، تو داد دینا چاہیئے، کہ اصلاح تو ہو گئی لیکن مصرع ساقط الوزن ہو گیا ہے۔ میرزا سے ایسی غلطی نہیں ہو سکتی تھی سہواً لکھ بھی جاتے تو نظرِ ثانی کے وقت اس کی درستی کی جاتی، اگر یہ بیاض کبھی میرزا کی نظر سے گذری ہوتی۔ ظاہر ہے "مخطوطہ" جعلی ثابت ہوتا ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے: ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشان

مانندِ شانہ دست بدنداں گزیدہ ہوں

گ۔م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

جوں شانہ پشتِ دست بدنداں گزیدہ ہوں

اختلافِ نسخ کے باب میں "مخطوطے" کا مصرع ابتدائی قرأت میں ہونا ظاہر نہیں ہے۔ اسلئے اس میں الحاقی ترتیب الفاظ ہے۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر یوں لکھا ہے:

ہے جنبشِ زباں بدہن سخت ناگوار

خونابۂ ہلاہلِ حسرت چشیدہ ہوں

یہ بات تحقیق طلب ہے، کہ ۱۲۳۱ھ میں "دلی والے" "ناگوار" بولتے تھے۔ حقیر کمال نہیں سمجھتا، کہ ایسا تھا۔ گ پر تبیشں سے مناسب نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ("مخلوطے" میں ایک جگہ "مشناطہ" بھی لکھا ہے۔ اور اس کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ کہ اس زمانے کی دلی میں مشناطہ ہی بولا جاتا تھا)

مقطع بھی، اگرچہ گ۔م کے مطابق ہے، لیکن توجہ چاہتا ہے:

جوں بوئے گل ہوں گرچہ گرانبارِ منتِ زر

لیکن اسد بوقتِ گذشتن جریدہ ہوں

مصرعِ ثانی میں "لیکن اسد" کو قلم زد کرکے، نیچے پھر، قدرے زیادہ فط ۔۔ ۔۔ ہے "لیکن اسد" لکھا ہوا ہے، خیال ہے، کہ اسد کے مقطع کو غالب کا مقطع اصلاح سے ۔۔نے کا ارادہ تھا۔ غالب مگر بوقتِ گذشتن جریدہ ہوں

عینی میں حواشی کے تحت ابہی امکان، اور بالکل ابہی امکانی اصلاح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اگر میرزا اسد والے مقطع کو غالب والا مقطع بنانا چاہتے تھے، تو انھیں کیا بات مانع تھی؟ دراصل یہ اصلاح غیر کے ساقط ہونے کی مثال ہے۔ عادتاً اسد کا مقطع بنانے کے لئے دو لفظ کاٹے گئے، پھر خیال آیا کہ نسخۂ بھوپال میں تو یہ اسد ہی کا مقطع ہے۔ اسلئے پھر وہی الفاظ رکھ دیئے گئے۔ آگے ایک دلچسپ مثال اسی نوعیت کی آئے گی۔

اسی صفحے پر غزل ۱۱۹ ہے، چھ شعر اس صفحے پر اور مقطع اگلے صفحے پر ہے۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالہ سے یہ غزل گ س میں ص۶۴ اور ص۶۵ پر درج ہے۔
"مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:-

خیالِ سادگیہا ے تصور نقش حیرت ہے

پرِ عنقا پر رنگِ رفتہ سے کھینچے ہے تصویریں

مصرعِ ثانی نسخۂ شیرانی کی قرأت کا حامل ہے، جو نسخۂ بھوپال سے مختلف ہے۔ نسخۂ بھوپال میں "کھینچی ہیں" ہے۔ نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کا اصلاح یافتہ مصرع "مخطوطے" میں ہونا، اس کے بخطِ غالب نہ ہونے اور نسخۂ بھوپال کے پیشِ رو نہ ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھے شعر میں اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اصلاح سے قبل شعر یوں تھا:

زبس ہر شمع ہے آئینۂ حیرت طرازی ہے

کرے ہیں غنچۂ منقارِ طوطی نقش گلگیریں

مصرعِ اول میں اصلاح ہوئی ہے، اور "شمع" کے بعد "ہے" کاٹ کر اوپر یہاں (یہاں) لکھا گیا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ پہلے مصرع کا آخری "لفظ "ہے" پر دوبارہ قلم نہیں لگایا گیا۔ لیکن الف میں ترمیمات کے تحت اور عینی میں حواشی کے تحت یہ درج ہے کہ پہلا مصرع اصلاح سے پہلے یوں لکھا تھا:

زبس ہر شمع ہے آئینۂ حیرت طرازی ہا

یہ بالکل بے بنیاد بات ہے، تعجب یہ ہے کہ عین اور الف کے مرتبین نے ایک بے بنیاد بات پر اتفاق کیسے کیا۔ کیا ان حضرات کی نظر میں وہ "اصل" بھی تھی جس کی نقل یہ مخطوطہ ہے۔ کیا اس اصل میں متن اور اصلاحیں جس طرح ہیں، اسی طرح دونوں کی کتابت اس نسخے میں کی گئی ہے؟ کوئی بھی دیکھ سکتا ہے، کہ اصلاح سے قبل مصرع یوں لکھا تھا:

زبس ہر شمع ہے، آئینۂ حیرت نظارزی ہے

الف میں قلمزد "ہے" ایسے کاٹا گیا ہے، کہ پڑھنے میں دقت ہوتی ہے۔ عین میں "ہے" ہلکی لکیر سے کٹا ہے، اور صاف پڑھا جاتا ہے یقیناً یہ غلطی صرف کاتب ہی کر سکتا تھا۔
یہاں یہ عرض کر دینا مفید ہوگا، کہ گ۔م میں یہ مصرع یوں ہے:

زبس ہر شمع یاں آئینۂ حیرت پرستی ہے

اسی پر اصلاح معکوس کرنے میں یہ بھونڈی غلطی ہوئی ہے۔
"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

درشتی تامّل ہے فسونِ پنبہ درگوشی

وگرنہ خواب کی مضمر ہیں افسانے میں تعبیریں

گ۔م میں مصرع اول یوں ہے:

ہجوم سادہ لوحی، پنبۂ گوش حریفاں ہے

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

اسد طرزِ عروجِ اضطرابِ بسمل آہنگاں

سمجھتے ہیں تپش کو آفرینِ تاثر کی تاثیریں

گ۔م میں مصرع اول یہ ہے:
اسد طرزِ عروجِ اضطرابِ دل کو کیا کہیئے

جناب امتیاز علی خان عرشی نے اپنے نسخے میں، ان اشعار میں کسی اختلاف نسخ کا اظہار نہیں کیا ہے۔ "مخطوطے" کے جعلی کردار کے پیش نظر "مخطوطے" میں اختلاف نسخ اصلاح غیر کی وجہ سے ہے۔
الف کے ورق ۳۲ ب اور عین کے ص۶۲ پر غزل ع۱۲۰ ہے، اس کے ساتوں شعر گ‌م میں ص۶۵ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالہ سے درج ہیں۔ "مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

چشم نرگس میں نمک بوتی ہے شبنم سے بہار
فرصت نشو و نما ساز شکیبائی نہیں

گ‌م میں مصرع اول میں "نمک بھرتی ہے" ہے۔ کوئی شہادت نہیں ملتی، کہ میرزا نے "بوتی ہے" لکھا ہے۔ اسلئے اسے اصلاح غیر سمجھنا چاہیئے، یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ مخطوطہ کسی ایسے نسخے سے نقل کیا گیا ہو، جس میں کتابت کی غلطی ہو۔
چھٹے شعر کا مصرع ثانی "مخطوطے" میں گ‌م کے مصرع سے مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے، کہ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع اور گ‌م میں نسخۂ شیرانی کا۔ "مخطوطے" میں شعر یوں ہے:

مت رکھ اے انجام غافل، ساز ہستی پر غرور
مور کے پر ہیں، سرو برگ خود آرائی نہیں

گ‌م میں مصرع ثانی یہ ہے:

چیونٹی کے پر سرو برگ خود آرائی نہیں

"چیونٹی" کو بڑے عجیب طریقے سے پڑھیئے تو مصرع موزوں ہوتا ہے۔ خیال ہے کہ "پر" کے بعد "ہیں" نسخۂ عرشی میں چھپنے سے رہ گیا ہے، غلط نامے میں اس کا ذکر نہیں ہے۔
اسی صفحے پر غزل ۱۲۱ ہے، اس میں چھ شعر ہیں، یہ غزل بھی نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ‌م میں ص۶۵ پر درج ہے۔
پانچواں شعر مخطوطے میں یوں لکھا ہے:

ہو سکے کب کلفتِ دل مانعِ سیلانِ اشک

گردِ ساحل سنگِ راہِ جوششِ دریا نہیں

گ۔م میں بھی شعر کی یہی قرأت، لیکن نسخۂ شیرانی میں شعر کا یہ روپ ہے، نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل میں "سیلانِ اشک" نہیں "طوفانِ اشک" ہے۔ نسخۂ شیرانی کی قرأت "مخطوطے" کو کھوٹا ثابت کر دیتی ہے

نسخۂ شیرانی میں مقطع سے پہلے کا شعر ہے :

ہے طلسمِ دہر میں صد حشر پاداشِ عمل

آگہی غافل کہ ایک امروز بے فردا نہیں

نسخۂ بھوپال میں، مصرعِ اوّل میں "دہر" کے بجائے "دیر" اور مصرعِ ثانی میں "ایک" کے بجائے "یک" ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی ملی جلی قرأت سے مقطع بنایا گیا ہے :

اے اسدؔ ہے دہر میں صد حشر پاداشِ عمل

آگہی غافل کہ یک امروز بے فردا نہیں

نسخۂ بھوپال میں "دیر" ہے۔ اس مقطع میں "دہر" ہونا ہی اس کے ۱۲۳۱ھ یا اس سے قبل کا نہ ہونے کا ثبوت ہے۔ بعد میں اس کا یہ روپ ہونا ممکن نہیں، کیونکہ نسخۂ بھوپال کے بعد اس مقطع کی ضرورت نہیں رہتی۔ اصلاحِ غیر سے اس مقطع کی ساخت ہوئی ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۱۲۲ شروع ہوتی ہے، جس کے دوسرے شعر کا مصرعِ ثانی اور پانچ شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔م کے صـ۶۶ پر درج ہے :

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے :

ہوتے ہیں بے قدر در کنجِ وطن صاحب کمال

عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

گ۔ تم میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

ہے وطن سے باہر اہلِ دل کی قدر و منزلت

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا وہ مصرع ہے، جو بعد میں اصلاح سے بدلا گیا تھا۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

باعثِ ایذا ہے، برہم خوردنِ بزمِ سرور
شیشہ ریزہ غیرِ عرضِ شوخیِ نشتر نہیں

گ۔ تم میں مصرعِ ثانی یہ ہے:-

لختِ لختِ شیشۂ بشکستہ جُز نشتر نہیں

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع صریحاً الحاقی ہے
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

وہاں سیاہی ہے سوادِ مردمک، یہاں داغ کے
مہ حریفِ نازشِ ہم چشمیِ ساغر نہیں

گ۔ تم میں مصرعِ اول یہ ہے:

واں سیاہی مردمک ہے اور یاں داغِ شراب

"مخطوطے" کا مصرع اوّل الحاقی ہے۔
"مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:

کب تلک پیچیدے اسد لب ہائے تفتہ پہ زباں
تابِ جوشِ تشنگی اے ساقیٔ کوثر نہیں

گ۔تم میں مصرعِ ثانی میں نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے:

تابِ عرضِ تشنگی اے ساقیٔ کوثر نہیں

نسخۂ بھوپال میں مصرع یہ ہے:

طاقتِ لب تشنگی اے ساقیٔ کوثر نہیں

"مخطوطے" کے دوسرے مصرع کی بنیاد نسخۂ شیرانی کے مصرع پر ہے اسلئے "مخطوطہ" اپنے کھوٹے ہونے کی شہادت خود اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جہاں جہاں اس میں الفاظ کا اختلاف ہے، وہ اصلاحِ غیر قرار پاتا ہے۔

الف کے ورق ۴۲ الف اور عکس کے ۶۵ پر دو ایسی غزلیں ہیں، جن میں فارسی کا تناسب کچھ زیادہ ہی ہے اور وہ اردو سے زیادہ ریختہ میں ہیں۔ یہ دونوں غزلیں قلمزد ہیں۔ اور پہلی بار انہی مخطوطے میں غالب سے منسوب ہوئی ہیں۔ اسلئے "نو دریافت" گردانی گئی ہیں۔ عکس میں غزل نمبر ۱۲۴ بہت سی لکیروں سے اور ۱۲۵ نمبر والی غزل ایک لکیر سے قلمزد ہے، لیکن الف میں نمبر ۱۲۴ میں کہیں کہیں لکیر ہے اور ۱۲۵ میں صرف تین شعروں پر خطِ تنسیخ ہے۔ چونکہ یہ غزلیں ایک آدھ لفظ ہی کی وجہ سے ریختہ میں ہیں، ورنہ فارسی کلام میں شمار ہوتیں اسلئے ان میں وہ غلطیاں نہیں ہونا چاہیں، جن سے یہ ظاہر ہو کہ میرزا نے فارسی واجبی سی پڑھی تھی۔ غزل نمبر ۱۲۵ کا چوتھا شعر یوں لکھا ہے:

خراب آبادِ غربت میں بہ شاد افسوس ویرانی

نگاہ از تابِ دود آتش افسردہ ہے شیر مروانی

"مخطوطہ" اتنا تو واضح ہے کہ یہ الف کے عکس کے صفحے پر یہ اشعار نستعلیق خط کی خواندگی میں ہیں۔ مصرعِ ثانی میں "نگاہ" کے ساتھ اضافت ہے، اور معمولی سا فارسی خواں بھی یہ غلطی نہیں کر سکتا۔ یہاں "نگہے" یا یائے تنکیر ہونا چاہیئے تھا۔ یہ اتنی معمولی سی بات ہے کہ مرزا کا اس سے ناواقف ہونا کسی صورت سے قرینِ قیاس نہیں،

اسلئے یہ "تازہ دریافت" کلامِ غالب کی حیثیت سے قابلِ قبول نہیں۔ یہ سراسر الحاقی کلام ہے۔ حقیرِ کمال کا خیال ہے، کہ یہ تازہ دریافت کسی کی تازہ تخلیق ہے، کیونکہ آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے لوگ فارسی جانتے تھے۔ اور ایسی غلطی تو عام لوگ بھی خط و کتابت میں نہیں کرتے تھے۔

الف کے ورق ٣٣ ب اور عین کے ص٦٦ پر غزل نمبر ١٢٦ ہے، جس میں پانچ شعر ہیں ۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ-م میں ص٦٦ پر درج ہے۔

مطلع "مخطوطے" اور گ-م میں یکساں قرأت کا حامل ہے:

دیکھئے مت چشمِ کم سے سوئے ضبط افسردگاں

جوں صدف پُر در ہیں دنداں در جگر افشردگاں

اختلافِ نسخ کے تحت نسخۂ عرشی میں ص١٤١ پر یہ اظہار کیا گیا ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں، مصرعِ ثانی میں "افسردگاں" ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے، تو یہ کتابت کی غلطی ہے۔ کیونکہ مطلع کے دونوں مصرعوں میں ایک ہی قافیہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ایطا ہوتا، اور بدترین قسم کا۔ نسخۂ عرشی کے اس باب میں چونکہ مختلف نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اسلئے یہ اندراج گمراہ کن ہے۔ ہو سکتا ہے، نسخۂ عرشی ہی میں کتابت کی غلطی ہو۔ لیکن یہ غلط نامے میں درج نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

رنجشِ دلہا جہاں ویراں کرے گی اے فلک

دشت ساماں ہے، غبارِ خاطرِ آزردگاں

گ-م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

رنجشِ دل یک جہاں ویراں کریگی اے فلک

مخطوطے میں چوتھا شعر ہے:

ہاتھ پر ہو ہاتھ تاہم جنبشِ فرسودگی

شوقِ شغلِ زندگی ہے، اے بغفلت مردگاں

گ-م میں مصرع اوّل یہ ہے:

ہاتھ پر ہو ہاتھ تو دستِ تاسف ہی سہی

"مخطوطہ" کے کھوٹے کردار کے پیشِ نظر، معلومہ نسخوں سے مختلف پیش کئے ہوئے مصرعے میرزا کے کلام کی حیثیت سے قبول نہیں کئے جا سکتے۔

اسی صفحے پر غزل نمبر ۱۲۷ ہے، جس میں پانچ شعر ہیں۔ اس غزل پر ایک خطِ تنسیخ پھرا ہوا ہے۔ اور اس کو "نو دریافت" قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ پہلی بار میرزا سے منسوب کی جا رہی ہے۔ مطلع یہ ہے:

سازشِ صلحِ بتاں میں ہے نہاں جنگیدن

نغمۂ و چنگ میں جوں تیر و کماں فہمیدن

مصرعِ ثانی میں نغمہ کی ہ پر ہمزۂ اضافت بھی ہے اور اس کے بعد عطف کا واو بھی ہے۔ ظاہر ہے نغمہ اور چنگ میں یہ دوہرا رشتہ غلط ہے۔ یہ تحریر میرزا کی نہیں ہو سکتی۔ اسلئے یہ کلام بھی میرزا کا نہیں ہو سکتا۔ مصرعِ ثانی میں "[illegible]" کا لفظ [illegible] کا ہے۔ "فہمیدن" بالکل غلط استعمال ہوا ہے۔ یہ مقام "پوشیدہ" کا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ "کلام" میرزا سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کسی نو آموز فارسی خواں کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مصرع [illegible] [illegible] گیا ہے۔ اسی "مخطوطہ" میں ۱۱ [illegible] [illegible] نسخی کی غزل [illegible] مصرع ہے:

اے [illegible] میں نغمۂ چنگ [illegible] ہوا

چنگ [illegible] سے کمان تو بن گئی، لیکن تیر نغمہ تو نہیں ہو سکتا۔

دوسرا شعر ہے: بسکہ شرمندہ ہوئے خوشش نگرویاں ہے

نکہتِ گل کو ہے غنچے میں نفس دزدیدن

مصرعِ [illegible] [illegible] [illegible] نہیں کہتے۔ "بسکہ شرمندہ ہوئے خوشش نگرویاں ہے" [illegible] بسکہ شرمندہ [illegible] ہوئے خوشش نگرویاں سے "مصرع ہوتا تو وہ عیب نہ رہتا جو پہلی اضافت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ دوسرے مصرع میں ردیف بھی درست نہیں ہے۔ "نکہتِ گل کا ہے غنچے میں نفس دزدیدہ" صاف مصرع ہوتا، لیکن پھر زمین بدل جاتی۔ شعر واضح طور سے

میرزا کا نہیں ہو سکتا، لیکن ایک بات اس میں میرزا کی روشِ تحریر کے مطابق ہے، نسخۂ نہیں غنچے لکھا گیا ہے۔

تیسرا شعر ہے:
ہے فروغِ رُخِ افروختۂ خوباں سے
شعلۂ شمع پرافشانِ بخود لرزیدن

شعلہ کی ہ پر ہمزۂ اضافت نہیں ہے۔ شاید یہی اضافت مطلع میں پہنچ گئی ہے۔ جہاں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ مصرعِ ثانی میں "پرافشانِ بخود" محلِ نظر ہے، کیونکہ یہ برائے وزنِ شعر ہے۔ "لرزیدن" کے بجائے "لرزیدہ" کا مقام ہے۔

چوتھا شعر ہے:
گلشن زخم کھلاتا ہے جگر میں ہر سال
گرہ غنچہ ہے سامانِ چمن بالیدن

گرہ کی ہ ہمزۂ اضافت سے محروم ہے۔ دونوں مصرعے اپنی اپنی جگہ بامعنی ہیں لیکن دونوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ یہ صرف دو مصرعے ہیں، شعر نہیں۔

مقطع ہے:
چمن دہر میں ہوں سبزۂ بیگانہ اسد
واں سے بیخودی و تہمتِ آرامیدن

سبزہ کی ہ پر بھی ہمزۂ اضافت نہیں۔ شعر صاف ہے لیکن سپاٹ بھی ہے۔ یہ کہنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دنیا سے میری لاتعلقی کی وجہ میری بیخودی ہے۔ لیکن لوگ سمجھتے ہیں کہ میں آرام سے بیٹھا ہوں۔ یہ مضمون ادا نہیں ہوا۔

اسی صفحے پر غزل نمبر ۱۲۸ کے چار شعر ہیں۔ جن میں سے باقی تین شعر آئندہ صفحے پر ہیں۔ ... شعر متداول دیوان میں ہے۔ باقی تین شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گیان چند نے ... درج کیے ہیں۔ متداول دیوان میں دو شعر اسی زمین میں صفحہ ۱۸۱ پر درج ہیں ... اپنا لیے نسخۂ بھوپال کا حوالہ دیا گیا ہے۔

گیان چند نے دوسرا مطلع یہ ہے:

ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معمارِ چمن

قالبِ گل میں ڈھلی ہے خشتِ دیوارِ چمن

"مخطوطے" میں مصرعِ اول میں "فصلِ گل" کے بجائے "اس موسم" ہے۔ اور یہ اصلاح غیر ... ہے۔

... کے ورق ۳۴ الف اور "عرشی" کے صفحہ ۶۷ پر غزل نمبر ۱۲۹ ہے، جس میں پانچ شعر ہیں۔ یہ "کلام"

پہلی بار اس "مخطوطے" میں میرزا سے منسوب کیا گیا ہے۔ اسلئے عین میں اسے نو دریافت قرار دیا گیا ہے۔ الف کے مؤلف شاید اسے اس "مخطوطے" کے علاوہ بھی کہیں دیکھ چکے ہیں۔ اسلئے الف میں اسے نو دریافت قرار نہیں دیا گیا ہے۔ مطلع یہ ہے:

منقار سے رکھتا ہوا ہم چاک قفس کو

تا گل زجگر زخم میں ہے راہ نفس کو

اس نو دریافت کلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عین اور الف میں، دوسرے مصرع کے مختلف الفاظ میں اضافتیں لگا کر مصرع مختلف طریقوں سے پڑھا گیا ہے۔ آیئے اب مطلع کو دیکھیں۔

یہ مطلع غزل کا نہیں، ہزل کا ہے۔ میرزا اپنی شوخی اور بذلہ سنجی کے باوجود ہزل نہیں کہتے تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ شاعروں نے خود کو طائر باندھا ہے۔ بے بال و پری کا شکوہ کیا ہے۔ اڑنے سے پیشتر رنگ زرد ہونے، یا اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہونے، قفس میں بند کئے جانے، آشیانے پر بجلی گرنے سارے تلازمے استعمال کئے ہیں۔ اور غالب [illegible] سے مستثنیٰ نہیں [illegible] لیکن چونچ شاید پہلی بار لگائی گئی ہے۔ شاید اسلئے کہ میرزا کا [illegible] "چونچ کا [illegible]" [illegible] "تا دل [illegible] جگر" کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ "تا گل ز جگر" چونکہ سمجھا نہیں گیا ہے، اسلئے بے معنی ترکیب [illegible]۔

دوسرا شعر ہے:

بے باک ہوا اذن تکلم بہ بازار محبت

سمجھا ہوا زرہ جوہر شمشیر عسس کو

مصرع اول میں "بہ بازار محبت" نامناسب ہے۔ بے باکی بازار میں نہیں، [illegible] دکھائی جاتی ہے۔ یہ مضمون بھی بازار کی نہیں [illegible] کا ہے۔ [illegible] غلطی کی وجہ [illegible] شعر میرزا کا نہیں ہو سکتا۔

تیسرا شعر ہے: [illegible] دو گر [illegible] نموش

پیوند [illegible] [illegible] کو

مصرع اوّل میں "زندانِ خموشی" کا تصوّر بیسویں صدی کے بعد کی پیداوار ہے جب مغربی اثرات اردو میں آئے، مصرع ثانی میں "افسردۂ دزدیدہ نفس" کی ترکیب محلِ نظر ہے۔

چوتھا شعر ہے:

پیدا ہوئے ہیں ہم الم آبادِ جہاں میں

فرسودنِ پائے طلب و دستِ ہوس کو

پائے طلب کو گھسنا تو سمجھ میں آتا ہے۔ دستِ ہوس کو گھسنے سے کیا مراد ہے؟ یہ شعر بھی میرزا کا نہیں ہو سکتا۔

مقطع ہے:

نالاں ہو اسد تو بھی سرِ راہ گذر پہ

کہتے ہیں کہ تاثیر ہے فریادِ جرس کو

مصرع اوّل میں "سرِ راہ گذر پہ" کا ٹکڑا محلِ نظر ہے۔ میرزا اس طرح کبھی نہیں لکھتے: نہ الفاظ کی نشست میرزا کی ہے اور نہ مضامین میرزا کے ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں اتنی واضح ہیں کہ یہ غزل میرزا سے منسوب نہیں کی جا سکتی۔

اسی صفحے پر غزل نمبر ۱۳۰ کا مطلع اصلاح سے پہلے یوں لکھا تھا۔

اگر وہ آفتِ نظارہ جلوہ گستر ہو

ہلالِ ناسنک دیدہ ہائے اختر ہو

دوسرے مصرع میں "ناسنک" کو کاٹ کر "ناخنک" بین السطور میں اس کے نیچے لکھا گیا ہے۔ متن کے مولف نے "حواشی" میں وضاحت کی ہے کہ پہلے ناخنہ لکھا تھا۔ اس کے بعد اصلاح میں پہلے ناخنہ کی ہ کو ک بنایا۔ پھر یہ [illegible] کر کے نیچے ناخنک لکھا۔ محدب شیشے سے جانچ پر متن کے مولف کی بات درست پائی گئی۔ [illegible] تب [illegible] تھی۔ [illegible] "ہلالِ ناخنہ" لکھا گیا تھا تو مصرع یوں تھا:

ہلالِ ناخنہ دیدہ ہائے اختر ہو

یہ مصرع ناموزوں ہے۔

اس قیاس کیلئے مصرع یوں تھا:

ہلال دیدۂ ناسنک دیدہ ہا سے اختر ہو

یہ قیاس بہت قوی ہے، کہ کاتب نے خنک کو سنک پڑھا۔ اس سے یہ شبہ بھی ہوتا ہے کہ "مخطوطہ"، اصلاحات معکوس کے بعد نسخۂ عرشی سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ ٹائپ سے چھپا ہے۔ اور ٹائپ کا حرف پڑھنے کی مشق نہ ہو، تو ایسا اکثر ہو جاتا ہے۔ کاتب سے کتابت کی غلطی یوں بھی ہوتی ہے۔ کچھ فطرت بشری، کچھ اس کی اپنی فطرت، جب ٹائپ کے حروف نقل کرنا ہوں، تو ایسی غلطیوں کا ہو جانا کچھ امر قدرتی ہی ہے۔

بہرحال اصلاح کے بعد مطلع کی قرأت وہی ہو گئی ہے، جو گ۔م میں ص۲۶ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالہ سے دی گئی ہے۔

اگر وہ آفت نظارہ جلوہ گستر ہو

ہلالِ ناخنکِ دیدہ ہا سے اختر ہو

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

عجب نہیں پئے تحریرِ حالِ گریۂ چشم

کہ سطحِ آب پہ ہر موج نقش مسطر ہو

گ۔م میں مصرعِ ثانی یوں ہے:

بروئے آب جو ہر موج نقش مسطر ہو

"مخطوطے" میں اصلاح غیر ہے۔ ثبوت اس کا مقطع میں موجود ہے، یوں بھی مخطوطے کے مصرع میں بعد کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ اگلے صفحے پر مقطع میں ایک اصلاح ہے۔ اصلاح سے پہلے یہ یوں لکھا گیا تھا:

اسد بہ گوشۂ چشم عنایت اے آقا

کہ یہ سرشکِ چشم زادہ نتدہ گوہر ہو

دوسرا مصرع اس بری طرح ناموزوں ہے، کہ میرزا کی زبان سے نکل سکتا تھا۔ اور نہ ان کے قلم سے۔ اس مصرع میں زاو فتادہ کی تراکاٹ کر چشم سے پہلے ز لکھدی گئی، اور مصرع یوں ہوگیا: (اس عمل میں او فتادہ کا الف بھی قلمزد ہوگیا)

کہ یہ سرشک ز چشم او فتادہ گوہر ہو

پہلا مصرع، جیسا اصلاح سے قبل لکھا گیا تھا۔ وہ میرزا نہیں لکھ سکتے تھے۔ اسلئے اس مقطع کو الحاقی شعر سمجھنا چاہیئے۔ ن، ش (گ م) میں مقطع یوں ہے:

صدف کی ہے ترے نقشِ قدم میں کیفیت

سرشکِ چشم اسد کیوں نہ اس میں گوہر ہو

الف کے ورق ۳۴ ب اور نتین کے ص ۶۸ پر غزل نمبر ۳۲ ہے جس میں سات شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۶۷ اور ص ۶۸ پر درج ہے۔ تین شعروں میں اصلاحِ غیر کی وجہ سے قرأت مختلف ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

دل در کفِ تغافلِ ابروے یار تو نیپ

آئینہ ایسے طاق پہ گم کر کر تو نہ ہو

گ م میں مصرعِ اولیٰ یہ ہے:

دل دے کفِ تغافلِ ابروے یار میں

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

زلفِ خیال نازک و اظہار بے قرار

یارب بیانِ شوق تماشائے گفتگو نہ ہو

گ۔تم میں مصرعِ ثانی یہ ہے

یارب بیان شانہ کشِ گفتگو نہ ہو

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

تمثالِ ناز جلوہ گرِ نقشِ اعتبار

ہستی عدم ہے آئینہ گر روبرو نہ ہو

گ۔تم میں مصرعِ اول یہ ہے:

تمثالِ ناز، جلوۂ نیرنگِ اعتبار

نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے باب میں یہ غزل نہیں چھوٹی گئی ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی اختلافِ نسخ معلومہ نسخوں میں نہ ہو، لیکن دوسری صورت بھی ممکن ہے۔ "مخطوطے" میں قرأت کے اختلاف پر اسی وقت کچھ عرض کیا جاسکتا ہے۔ جب مختلف نسخے مہیا ہوں، جو اس وقت نہیں ہیں۔ "مخطوطے" کے مصرعے بھی میرزا کے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ کوئی شہادت نہیں ہے۔ اگر غزل کے اشعار میں اختلافِ نسخ ہے، تو یہ دیکھنا ہوگا کہ کس نسخے میں کیا صورت ہے۔

الف کے ورق ۳۴ ب اور عبن کے ص ۶۸ پر غزل ع ۱۳۳ ہے۔ اس میں نو شعر ہیں۔ ان میں سے ۳ (ن، ع) نوائے سروش کے حصے میں ص ۱۹۴ پر ہیں اور باقی گنجینۂ معنی کے حصے میں ص ۶۷ پر ہیں۔ متداول دیوان کے اشعار نسخۂ بھوپال کے حوالے سے گنجینۂ معنی کے اشعار نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل کیے گئے ہیں۔

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

حسد پیمانہ ہے دل عالم آب تہ شا ہو

کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

متداول دیوان میں اس کی قرأت یہ ہے:۔ حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو

کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

"مخطوطے" میں مصرع اول نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی قرأت کا حامل ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

بہم بالیدنِ سنگ وگلِ صحرا یہ کیفیت

کہ تارِ جادہ ہا کہسار کو زنارِ مینا ہو

گ م میں یہ شعر یوں ہے:

بہم بالیدنِ سنگ وگلِ صحرا یہ چاہے ہے

کہ تارِ جادہ بھی کہسار کو زنارِ مینا ہو

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

حریفِ وحشتِ نازِ نسیمِ عشق جب آؤں

کہ مثلِ غنچہ عجزِ یک گلستاں دل مہیا ہو

گ م میں مصرعِ ثانی میں "سازِ غنچہ" ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

بجائے دانہ خرمن یک بیاباں بیضۂ قمری

مجھے تمنا وہ نسخہ ہے کہ جس سے خاک پیدا ہو

گ م میں مصرع ثانی میں ہے "مرا حاصل"

ان تینوں شعروں میں جو اختلافِ نسخ ہے۔ اس کی نشاندہی نسخۂ عرشی میں اختلاف نسخ کے باب میں نہیں کی گئی ہے۔ اس لئے یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ "مخطوطے" میں اصلاح غیر ہے، اگرچہ سب مصرعے میرزا کے رنگ میں ہیں۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

مرے کیا سازِ جنبش دہ تماشا رنگِ آگاہی

جبیں تو بے دماغِ بودنِ خوابِ زلیخا ہو

گ ت م میں مصرعِ اولیٰ یہ ہے:

کرے کیا سازِ بینش وہ شہیدِ دردِ آگاہی

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی منسوخ قرأت ہے۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

جنونِ عیش ہے یارب سر و سامانِ آزادی

کروں یک گوشۂ دامن تر گرآبِ ہفت دریا ہو

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل یوں ہے (ن ع ص ۲۴۵)

بقدرِ حسرتِ دل چاہیئے عیشِ معاصی بھی

سنہ اول دیوان میں مصرع یوں ہے:

بقدرِ حسرتِ دل چاہیئے ذوقِ معاصی بھی

"مخطوطے" میں، مصرعِ اوّل میں "سر و سامانِ آزادی" کے کوئی معنی نہیں، اسلیئے یہ مصرع میرزا کا نہیں ہو سکتا، مصرع اپنی جگہ پر بامعنی ہے، لیکن دوسرے مصرع سے دست و گریبان نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں ساتواں شعر یوں لکھا گیا تھا:

دے جوں شمع بہرِ دعوتِ نظّارہ لا، یعنی

نگہ لبریزِ اشک و سینہ معمورِ تمنّا ہو

اصلاح سے "دے" کو "وہ دل" کیا گیا ہے۔ اس اصلاح کے بعد قرأت گ ت م کے مطابق ہو گئی ہے۔
اختلافِ نسخ کے باب میں صفحہ ۱۴ پر "نسخۂ عرشی" میں اس شعر کے مصرعِ اول کے بارے میں یہ اندراج ہے:

"ق (نسخۂ بھوپال) دل ہوا شمع"

خفیف کماں عرض کرتا ہے کہ یہ طباعت کی غلطی ہوگی۔ ضمیمۂ ناشر میں اس کا ذکر نہیں ہے جبکہ گ ت م میں مصرع یوں لکھا ہے (جو "مخطوطے" میں بھی بعد اصلاح قرأت ہے)

وہ دل جوں شمع بہرِ دعوتِ نظارہ لا یعنی

اس قرأت کے بعد اختلافِ نسخ میں مندرجہ بالا اندراج کے کوئی معنی نہیں۔ اندراج یہ کرنا مقصود ہوگا ———— " دلے جوں شمع "

اگر حقیر کمال کا قیاس درست ہے، تو "مخطوطے" کی اصلاح سے پہلے کی قرأت نسخۂ بھوپال میں کیسے پہنچی۔ اس سے ایک ہی نتیجہ نکلے گا، کہ "مخطوطہ" کھرا نہیں ہے، کیونکہ وہ قرأت جو میرزا نے ۱۲۳۱ھ میں اصلاح سے منسوخ کی ہوتی۔ وہ ایک اور نسخے سے ہوتی ہوئی نسخۂ بھوپال تک کیسے پہنچی؟

"مخطوطے" میں آٹھواں شعر یوں ہے:

اگر وہ سرو جاں بخشِ خرامِ اشتہار آوے
کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

متداول دیوان میں مصرعِ اول یوں ہے:۔

اگر وہ سرو قد گرمِ خرامِ ناز آجاوے

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع درج ہے۔

شیخ محمد اکرام نے (ارمغانِ غالب ص ۶۹) شعر اسی طرح لکھا ہے، جیسا کہ متداول دیوان میں ہے۔ نسخۂ مالک رام میں بھی اس کی یہی قرأت ہے، (ص ۱۴۵)

اختلافِ نسخ سے قطع نظر، حقیر کمال کو مصرعِ ثانی کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔

"کفِ ہر خاکِ گلشن، شکلِ قمری نالہ فرسا ہو" اس میں خاک کا لفظ سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ "کفِ ہر خاک" لکھا ہوا ہے۔ کفِ ہر ذرہ، کفِ ہر ذرۂ خاک، یہ سب درست، لیکن کفِ ہر خاک! حقیر کمال نہیں سمجھتا کہ میرزا نے یہاں پر خاک لکھا ہوگا۔ یہ کوئی دلیل نہیں ہے، کہ میرزا کے زمانے میں چھپے ہوئے نسخوں میں یہ لفظ ہے۔ میرزا کے عہد کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں سے ایک بھی اغلاط سے پاک نہیں ہے۔ کوئی قیاسی اصلاح مقصود نہیں ہے۔ خاک کے بجائے چاک یہاں زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چاک فارسی میں پھولوں کے ٹوکرے کو بھی کہتے تھے۔ ہر شاخ جیسے پھولوں سے لدی ہو، چاک ۔ استعارہ ہوسکتا ہے۔ نقطوں کا غلط لگایا جانا ناممکن بات نہیں۔

ہر احتیاط کے باوجود طباعت کا شیطان ہر کتاب میں پہنچ جاتا ہے۔
صحیفوں کی طباعت میں کتنی احتیاط کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود غلطیاں ان میں بھی راہ پا لیتی ہیں۔
برٹش میوزیم میں انجیل کا ایک نسخہ ہے، جسکو "بدمعاشِ انجیل" کہتے ہیں، کیونکہ دس اوامر سے میں سے
ایک ہے: "تم حرامکاری نہیں کرو گے" طباعت میں نہیں چھوٹ گیا ہے، گویا حرامکاری کرنا احکام
میں سے قرار پایا۔ ایک جلد برٹش میوزیم کے لئے باقی رکھی گئی، باقی جلدیں تلف کر دی گئیں۔ اگر
انجیلِ مقدس میں طباعت کی غلطی ہو سکتی ہے۔ تو میرزا کے دیوان میں چاک کی جگہ خاک بھی لکھا جاسکتا
ہے، چھپ سکتا ہے۔
حقیر کمالِ اہلِ علم اور غالب شناسوں کو دعوتِ غور و فکر دیتا ہے، یہاں یہ لفظ چاک ہے، خاک
نہیں ہو سکتا۔ اس بنیاد پر رائج قرأت غلط قرار پاتی ہے اور "مخطوطے" کے بخطِ غالب ہونے کا دعوی مسترد
ہوتا ہے۔ "مخطوطے" میں مقطع خاص توجہ چاہتا ہے۔ کیونکہ اس میں اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اصلاح سے پہلے
مقطع یوں تھا:

نہ دیکھیں روئے یک دل سرد غیر از شمعِ کافوری

خدایا اسقدر بزمِ اسدؔ گرمِ تماشا ہو

گ۔م میں مقطع کی یہی قرأت ہے۔
"مخطوطے" میں "اسقدر بزمِ اسد" کاٹ کر "بزمِ غالب اسقدر" کے الفاظ لکھے ہیں۔ اور دوسرا
مصرع یوں ہو گیا ہے:

خدایا بزمِ غالب اسقدر گرمِ تماشا ہو

اب سوال یہ ہے، کہ اگر یہ اصلاح میرزا نے کی تھی، تو پھر اصلاح کالعدم کیسے ہو گئی اور نسخۂ بھوپال اور
نسخۂ شیرانی میں، اس اصلاح سے قبل کا مصرع کیسے ہے؟ اس کا صرف ایک منطقی جواب ہے
اصلاح میرزا نے نہیں کی تھی۔ اصلاح چونکہ اسی قلم کی ہے، جس قلم کا مخطوطہ ہے۔ اسلئے یہ نتیجہ ناگزیر
ہے، کہ مخطوطہ بھی غالب کے خط میں نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ غلطی سے آسی کے اس مقطع کو
بھی غالب کا مقطع بنا دیا گیا۔ "مخطوطے" کا جعلی ہونا ثابت ہے۔
الف کے ورق ۳۵ الف اور عین کے ص ۶۹ پر غزل نمبر ۱۳۴ کے مطلع کے مصرعِ ثانی میں اصلاح ہے۔
اصلاح سے پہلے مطلع یوں لکھا تھا:

مبادا بے تکلف فصل کا برگ و نوا گم ہو

خوشا عالم کہ در طوفانِ مے موجِ صبا گم ہو

مصرع ثانی میں "خوشا عالم کہ در طوفانِ ہے" یہ الفاظ نسبتاً خفی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ یہی الفاظ قلمزد ہیں، اور انکی جگہ نسبتاً موٹے قط کے قلم سے نئے الفاظ فراہم کئے گئے ہیں اور مصرع یوں ہو گیا ہے:

مگر طوفانِ سے میں پیچشِ موجِ صبا گم ہو۔

اصلاح کے بعد مطلع کی قرأت گ ـ م کے مطابق ہو گئی ہے۔ جس میں یہ غزل صـ۱۶ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہے۔

قلمزد الفاظ نسبتاً خفی خط سے کیوں لکھے گئے تھے۔ کیا یہ مصرع مخطوطے میں لکھتے وقت ناقل کو معلوم تھا کہ یہ الفاظ بعد میں کاٹے جانا ہیں؟

تیسرے شعر کے دوسرے مصرع میں بھی اصلاح ہے اور اصلاح کے بعد اس کی قرأت گ ـ م کے مطابق ہو گئی ہے۔ اصلاح سے قبل شعر کا یہ روپ تھا۔

نہیں جز دردِ تسکینِ نگو ہشہا سے بے درداں

بموجِ گریۂ صد خندۂ دنداں نما گم ہو

دوسرا مصرع اصلاح کے بعد یوں ہوا

کہ موجِ گریہ میں صد خندۂ دنداں نما گم ہو

سوال یہ ہے کہ میرزا "بموجِ گریۂ صد خندۂ دنداں نما گم ہو" لکھتے، جس کے کوئی معنی نہیں۔ اس حقیر کمان کا قیاس ہے، کہ مخطوطے میں لکھوانے کے لئے یہ مصرع یوں گڑھا گیا ہوگا۔ "بموجِ گریہہا صد خندۂ دنداں نما گم ہو" لیکن کتابت کی غلطی سے اس کا حلیہ اور بگڑ گیا۔ "گریہہا" کا "گریۂ" لکھ دیا۔ جس طرح یہ مصرع پہلی بار "مخطوطے" میں لکھا گیا تھا۔ وہ میرزا کا مصرع نہیں ہو سکتا اسلئے الحاقی ہے:

گ ـ م میں چوتھا شعر ہے:

ہوئی ہے ناتوانی بیدماغِ شوخیٔ مطلب

فرو ہوتا ہے یہ رجب میں لئے دستِ دعا گم ہو

اس شعر کو اصلاح سے قبل اس طرح مخطوطے میں نقل کیا گیا۔

دماغِ سنگ بر سر کوفتن کو عجزِ تسلیمی

جبیں میں در لباسِ سجدہ لئے دستِ دُعا گم ہو

مخطوطے" میں مصرعِ ثانی وہ ہے، جو نسخۂ بھوپال میں ہے، مصرعِ اول الحاقی ہے، اصلاح کے بعد اس کو گ۔م کے مطابق کر دیا گیا۔

چھٹے شعر میں بھی ایک مصرع قلمزد کر کے نیا مصرع فراہم کیا گیا ہے، شعر یوں تھا:

صفائے موجِ گوہر بلا گردانِ تمکینی

عرق بھی جن کے عارض پر بہ تکلیفِ حیا گم ہو

پہلا مصرع کسی بھی صورت میں میرزا کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ ناموزوں ہے، پھر اس کا دوسرے مصرع سے کوئی ربط نہیں ہے۔ دوسرے مصرع میں "جن کے عارض . . ." ہے، کن کے عارض؟ پہلے مصرع میں اس سوال کا جواب نہیں ہے۔ "موجِ گوہر" کی جگہ "موجۂ گوہر" ہوتا، تو مصرع موزوں ہو جاتا۔ کیا یہ بات باور کی جا سکتی ہے، کہ میرزا نے "موجۂ گوہر" کی جگہ "موجِ گوہر" لکھا ہوگا۔ لطف کی بات یہ ہے، کہ "موجِ گوہر" بہت صاف "مخطوطے" میں لکھا ہے، لیکن عرشی کے حواشی میں "موجۂ گوہر" پڑھا گیا ہے۔

اصلاح کے بعد مصرع گ۔م کے مطابق کیا گیا ہے۔ اصلاح کرنے والا قلم وہی ہے، جس نے اصلاح سے قبل کا مصرع لکھا تھا۔ ظاہر ہے وہ میرزا کا قلم نہیں تھا۔ یہ بات ایک بار پھر ثابت ہوئی کہ "مخطوطہ" خطِ غالب نہیں، اور اس میں الحاقی "مال" موجود ہے۔ یہ بات بھی توجہ چاہتی ہے، کہ منسوخ مصرع میں بلا گردان اور تمکینی کے درمیان ایک انچ کے قریب خالی جگہ ہے۔

الف کے ورق ۳۵ الف اور عرشی کے ۶۹ پر غزل نمبر ۱۳۵ ہے۔ گ۔م میں یہ غزل ص ۶۸ اور ص ۶۹ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہے۔ مطلع اور اس کے بعد کے شعر میں معمولی سی لفظی ہیر پھیر ہے۔

الف کے ورق ۲۵ ب اور عرشی کے صفحے پر غزل ۱۳۶ ہے، جس کا مطلع ہے:

اشک چکیدہ . . . رنگ پریدہ

ہر حرف . . . ہول . . . از خود رمیدہ

یہ غزل غالب کے کلام کے طور پر پہلی بار اس مخطوطے میں درج ہے۔ الف میں اس کو "نودریافت" نہیں تسلیم کیا گیا ہے، عین کے حواشی میں اسے "نودریافت" بتایا گیا ہے۔

مطلع کو دیکھئے دونوں مصرعے اپنی جگہ بامعنی ہیں، لیکن دونوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے، کہ اسی وجہ سے اس کو اگلے انتخاب سے خارج کردیا گیا، لیکن یہ کوئی معقول جواز اس بات کا نہیں ہے، کہ یہ میرزا کا کلام ہے۔ میرزا ایسے صاف مصرعے جو اپنی جگہ بامعنی ہوں، لیکن ایک دوسرے سے ربط نہ رکھتے ہوں، مطلع میں کیوں رکھتے:

گو یاد مجکو کرتے ہیں خوباں

لیکن بسانِ دردِ کشیدہ

ورنہ اردو غزل میں غالب تک، بلکہ غالب کے بعد بھی صرف عاشق کی قسمت میں کبھار ہا، معشوق اس سے محفوظ رہا۔ یقیناً۔ یہاں دردِ زہ کی طرف اشارہ نہیں ہے، کیونکہ یہ موضوع جدید شاعروں نے بھی چھونے کی کوشش نہیں کی۔ علم الامراض میں درد کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہ کس قسم کا درد ہے؟ یہ شعر غالب کا نہیں ہوسکتا۔

تیسرا شعر ہے:

ہے رشتۂ جاں فرطِ کشش سے

مانندِ نبضِ دستِ بریدہ

"فرطِ کشش" توجہ طلب ہے۔ کس کی کشش ہے؟ یہ بات نہ واضح ہے اور نہ مضمر ہے۔ یہ شعر بھی میرزا کا نہیں ہوسکتا:

ٹوٹا ہے افسوس موئے خمِ زلف

ہے شانہ یکسر دستِ گزیدہ

میرزا کے یہاں حشو و زوائد نہیں ہیں۔ "افسوس" سراسر بھرتی کا لفظ ہے۔ اور پھر مصرع کا وزن پورا کرنے کے لئے نظم کیا گیا ہے۔ اسی طرح سے "خم" کا لفظ بھی محض وزن پورا کرنے کے لئے ہے۔ اس شعر میں نہ کوئی پیکر ہے، نہ کوئی کیفیت اور نہ بیدل کا رنگ ہی اس میں ہے۔ یہ میرزا کا شعر نہیں ہوسکتا۔

خالِ سیاہِ رنگیں رخاں سے

ہے داغِ لالہ در خوں طپیدہ:

"گل رخاں" اگر بحر میں نہیں آسکتا تھا "گل چہرگاں" تو آسکتا تھا۔ "رنگین رخاں" محلِ نظر ہے۔ اس سے پہلے پتے چہرے کی تصویر اُبھرتی ہے اور یہ خوبصورتی کی نہیں، سوانگ کی علامت ہے، "رنگین قبا" درست ہے، لیکن "رنگین رخاں" کی ترکیب میرزا نہیں لکھتے۔

جوشِ جنوں سے جوں کسوتِ گل

سرتا پا ہوں جیبِ دریدہ

کیا میرزا "ز سرتا پا" کی جگہ "سرتا پا" محض بحر کی وجہ سے لکھتے؟

مقطع ہے:

یارو اسد کا نام و نشاں کیا

بیدلِ فقیرِ آفت رسیدہ

جس زمانے کی یہ غزل دکھانا مقصود ہے، وہ زمانہ لہو و لعب کا یا اس کے فوراً بعد کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں میرزا ایسا شعر کہتے؟

اس غزل میں ایک بات اور ہے، جو توجہ چاہتی ہے۔ یہ اس زمانے کی غزل بتائی جاتی ہے، جب میرزا بیدل کی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ یہ غزل سہلِ ممتنع میں، تو نہیں ہے۔ لیکن بیدلی رنگ بھی اس میں نہیں ہے، دونوں کے درمیان کی یہ کوئی شے بھی نہیں ہے۔

یہ غزل قلمزد بھی نہیں کی گئی ہے۔ یہ بات بھی توجہ چاہتی ہے، یہ سراسر الحاقی کلام ہے۔

اگلی غزل ص ۱۴۷ "ابھی عیّن میں" نو دریافت "قرار دی گئی ہے۔

یہ بھی قلمزد نہیں ہے، اور الف میں اس کا شمار "نو دریافت کلام" میں کیا ہوا ہے۔ جس طرح عبدالباری آسی مرحوم کا دریافت کیا ہوا کلام غالب کی پیروڈی ہے۔ اسی طرح یہ غزل بھی غالب کی پیروڈی معلوم ہوتی ہے۔ مطلع ملاحظہ فرمائیے:

خوشا طوطی و کنجِ آشیانہ

نہاں در زیرِ بال آئینہ خانہ

دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ دوسرے مصرع میں ایک ایسا دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل نہ پہلے مصرع میں ہے اور نہ دوسرے مصرع میں اسلئے دوسرا مصرع مضحکہ خیز ہے، دلیل کے طور پر میرزا کا یہ مصرع پیش نہیں کیا جاسکتا، "طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ" شعر میں آئینہ یہیں سے لایا گیا ہے۔

دوسرا شعر ہے: سرِ شک بر زمیں افتادہ آسا

اوٹھا یہاں سے میرا آب و دانہ (اُٹھایاں سے نہ میرا آب و دانہ)

پہلا مصرع بے معنی ہے۔ "سرشک" کسرۂ اضافت کے بجائے یائے تنکیر کے ساتھ (سرشکے) ہونا چاہیئے تھا۔ "افتادہ آسا" بھی بے معنی ترکیب ہے، املا میں بھی "اوفتادہ" نہیں "افتادہ" لکھا ہے، جو غالب کا املا نہیں ہے، دوسرے مصرع میں یہاں سے (یاں سے) مراد کیا ہے؟ ان وجوہ کی بنا پر یہ شعر بھی الحاقی ہے۔

تیسرا شعر ہے:

حریفِ عرضِ سوزِ دل نہیں ہے

زباں ہر چند ہو جاوے زبانہ

شعر کی نثر کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ لیکن کبھی کبھی شعر کو سمجھنے کی کوشش میں ایسا بھی کیا جائے تو اس میں کوئی قباحت بھی نہیں۔ "زبان ہر چند شعلہ ہو جائے (پھر بھی) حریفِ عرضِ سوزِ دل نہیں ہے۔" یہاں حریف کا لفظ بالکل غلط استعمال ہوا ہے، اور یہاں اس لفظ کا استعمال میرزا نہیں کر سکتے تھے۔ کہنا یہ تھا ـــ "سوزِ دل کا بیان پھر بھی نہیں کر سکتی"۔ یہ مضمون اس مصرع میں ادا نہیں ہوا ہے، دوسرا مضمون یہ بھی ہو سکتا تھا ـــ "سوزِ دل کا تقاضہ پیش نہیں کر سکتی" اس صورت میں عرض کا لفظ بیکار ہے:

چوتھا شعر ہے:

دلِ نالاں سے ہے بے پردہ پیدا
نوائے بربط و چنگ و چغانہ

پہلے مصرع میں "نالاں" کا لفظ بھرتی کا ہے۔

کرے کیا دعویٔ آزادیٔ عشق
گرفتارِ الم ہائے زمانہ

مصرع میں کہنا مقصود تھا کہ "عشق سے آزادی کی دعویٰ کیا کرے ؟" لیکن "آزادیٔ عشق" کا مطلب ہے عشق آزاد ہے یہ دعوے تو گرفتارِ الم ہائے زمانہ بھی کرسکتا ہے۔ اسلئے مضمون ناقص ہوتا تھا، جس کی طرف حقیر کمال نے اشارہ کیا ہے، یہ شعر بھی میرزا کا نہیں ہو سکتا۔

مقطع ہے: اسد اندیشۂ ششدر رشدن ہے
نہ پھیرئیے مہرہ ساں خانہ بخانہ

مقطع میں بھی فقیری کی بات ہے، یہ میرزا کے اُس عہد کا مزاج نہیں ہے۔

الف کے ورق ۳۶ الف اور عین کے ص۱۰ پر غزل ۱۲۸ ہے۔ نسخۂ بھوپال اور شیرانی کی یہ غزل گ م میں ص۱۰ پر ہے۔ "مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

حیرت حدِ اقلیم تمنا سے پری ہے
تا آئینۂ آئینِ گلستانِ ارم باندھ

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

آئینہ بہ آئینِ گلستانِ ارم باندھ

نسخۂ شیرانی کا مصرع یہ ہے:

آئینہ پہ آئینِ گلستانِ ارم باندھ

"مخطوطے" میں مصرعِ ثانی کی قرأت الحاقی ہے، کیونکہ "تا آئینہ" سے کسی مقام کا تعین نہیں ہوتا۔
اسی صفحے پر غزل ۱۳۹ ہے، اس میں پانچ شعر ہیں۔ یہ پانچوں شعر، اختلافِ قرأت کے ساتھ گ م میں ص۲ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔
"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

مے کدے میں ز دلِ افسردگیِ بادہ کشاں
موج مے مثلِ خطِ جام ہے بر جا ماندہ

گ م میں شعر یوں ہے:

دیکھ کر بادہ پرستوں کی دل افسردگیاں
موج مے مثلِ خطِ جام ہے بر جا ماندہ

"مخطوطے" میں مصرعِ اوّل نسخۂ بھوپال کا ہے اور مصرعِ ثانی نسخۂ شیرانی کا ہے۔ ن ع میں متن پر (اختلافِ نسخ میں) دکھایا گیا ہے۔ بر جا ماندہ نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ اس سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ نسخۂ بھوپال اس "مخطوطے" کے بعد کا نہیں ہے۔ بلکہ "مخطوطے" میں دوسرا مصرع نسخۂ شیرانی سے نقل ہوا ہے اور پہلا مصرع نسخۂ بھوپال سے نقل کیا گیا ہے۔ جب ان دونوں سے "مخطوطے" کا نقل کیا جانا ثابت ہے، تو اس میں غالب تخلص کا مقطع کیوں نہیں ہے۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

خواہشِ دل ہے زباں کو سببِ گفت و بیاں
ہے سخن گرد ز دامانِ ہوس افشاندہ

گ م میں مصرعِ ثانی یوں ہے:

ہے سخن گرد ز دامانِ ضمیر افشاندہ

نسخۂ عرشی میں گرد ہے، یہ عبارت درست نہیں ہے۔ ضمیر کے بجائے ہوس کا ہونا کسی نسخے میں نہیں ہے۔ اسلئے "مخطوطے" میں یہ الحاق غیر ہے۔

"مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:

اے اسدؔ وائے بہ بے حاصلیِ بوالہوساں

یعنی ہیں ہرزہ ازاں سو وازیں سو رانده

اسدؔ کے اس مقطع کو غالبؔ کا مقطع نہیں بنایا گیا ہے۔ پھر بھی یہ ن۔ ح (گ۔م) میں غالبؔ کے مقطع کے طور پہ ہے:

حیف بے حاصلیِ اہلِ ریا پر غالبؔ

یعنی ہیں مانده ازاں سو وازیں سو رانده

نسخۂ شیرانی کی قرأت تیسرے شعر میں موجود ہونے سے یہ بات روشن ہے، کہ اسدؔ تخلص کا مقطع غالبؔ والے مقطع پر اصلاحِ معکوس سے بنایا گیا ہے۔ اس خیال کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے۔ کہ "وائے بر" کی جگہ "وائے بہ" درست نہیں ہے۔ بَر اور بہ ہم معنی ہیں، اس کے باوجود ہر جگہ جہاں بَر ہو وہاں بہ نہیں لکھا جا سکتا۔ اور اس مقطع میں ایسا ہی ایک مقام ہے۔ یوں بھی "بہ بے حاصلی" میں اصوات سے تنافر پیدا ہوتا ہے۔

"مخطوطے" کا بخطِ غالبؔ نہ ہونا، اور شعروں میں الحاقی عبارت کا ہونا ایک بار اور ثابت ہوا۔ الفؔ کے ورق ۳۶ ب اور عینؔ کے صـ۲ پر غزل عـ۱۴۰ ہے، جس کا مطلع یوں لکھا ہے:

بسکہ مے پینے لگے بادہ کشاں پوشیده

خطِ بیانہ ہے بے نفسِ وزدیده

گ۔م میں سامنے پر اس مطلع قرأت یہ ہے:

بسکہ مے پیتے ہیں اربابِ فنا پوشیده

خطِ بیانہ ہے بے نفسِ وزدیده

میرزا نے مطلع ابتداءً ہی میں ایسا لکھا ہوگا، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ مخطوطے میں مصرعۂ اولیٰ جس طرح ہے، وہ میرزا نہیں لکھ سکتے تھے، کیونکہ "بادہ کشاں" نہ صرف زائد سا ہے۔

بلکہ پینے لگے بادہ کشاں" کا ٹکڑا ذوقِ سلیم پر بار ہے اور اگرچہ یہ شترگربہ تو نہیں ہے۔ لیکن مے اور بادہ کشاں میں شترگربہ کی سی کیفیت ہے، بادہ کشاں مے پینے لگے۔ کھانا کھانے والے، کھانا کھانے لگے، پانی پینے والے پانی پینے لگے۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی!
اس غزل کا چوتھا شعر "نو دریافت" ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

لئے دریغا کہ نہیں طبع نزاکت ساماں

ورنہ کانٹے پہ تلے ہے سخنِ سنجیدہ

یہ شعر میرزا کا نہیں ہو سکتا۔ "نزاکت ساماں" کی ترکیب محلِ نظر ہے۔ "عشرت ساماں" "جنوں ساماں" اور "محشر ساماں" کے متوازی "نزاکت ساماں" کی ترکیب درست نہیں ہے۔ پھر اس شعر میں یہ بات "بطنِ شاعر" ہی میں رہ گئی کہ کس کی طبع کے نزاکت ساماں نہ ہونے پر واحسرتاہ کہا گیا ہے؟ یہ دلیل کافی نہیں ہوگی، کہ اسی وجہ سے یہ شعر میرزا نے اگلے انتخاب میں چھانٹ دیا۔ اس مخطوطے میں یہ قلمزد بھی نہیں کیا گیا ہے۔
گ م میں مقطع یوں ہے:

واسطے فکرِ مضامینِ متیں کے غالب

چاہیئے خاطرِ جمع و دلِ آرامیدہ

مقطع کی ابتدائی شکل بھی یہی ہوگی، کیونکہ پہلے مصرع میں تعقید لفظی ہے۔ مصرع اصلاحی ہوتا، تو اس میں تعقید نہ ہوتی۔

اے اسد بہرِ رمِ آہو نشی ہائے تپش

اصلاحِ معکوس سے غالب کے مقطع کو اسد کا مقطع بنانے کی یہ ایک اچھی اور بھونڈی مثال ہے۔
اسی نسخے پر یہ غزل ۱۷۱ ہے۔ جس کا مطلع متداول دیوان میں اور باقی چھ شعر گ م میں صحیح پڑھ ہیں، "مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

حیرت نگاہ برق تماشا بہار شوخ

در کسوت ہوا پرِ بسمل ہے آئینہ

گ۔تم میں، مصرع ثانی میں "پردہ" ہوا" ہے۔ اختلاف نسخ کے باب میں "کسوت" کا لفظ کسی نسخے میں نہیں دکھایا گیا ہے۔

الف کے ورق ۲۷ الف اور عین کے ص۳۲ پر غزل ع۱۲۲ ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی دونوں میں ہے، اور دونوں نسخوں میں قرأت کا اختلاف بھی ہے۔ گ۔تم میں یہ غزل ص۳۲ پر ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع ہے:

جوشِ دل ہے نشہ ہائے فطرتِ بیدل نہ پوچھ
قطرہ سے میخانۂ دریائے بےساحل نہ پوچھ

گ۔تم میں نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے، دوسرا مصرع وہی ہے جو "مخطوطے" میں ہے، پہلا مصرع یہ ہے:

جوشِ دل ہے مجھ سے حسنِ فطرت بیدل نہ پوچھ

نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ کے باب میں ص۱۲ پر جو اندراج ہے، اس کے مطابق نسخۂ بھوپال میں مطلع یوں ہے:

جوشِ دل ہے نشہ ہائے فطرتِ بیدل نہ پوچھ

قطرہ ہی میخانہ ہے دریائے بےساحل نہ پوچھ

اس سے واضح ہوتا ہے، کہ "مخطوطے" میں پہلا مصرع نسخۂ بھوپال کا اور دوسرا مصرع نسخۂ شیرانی کا ہے۔ یہ بات کسی صورت سے قرینِ قیاس نہیں، کہ میرزا نے بیسیوں مصرعے جو ۱۲۳۱ھ سے پہلے لکھے تھے، اصلاح کر کے ۱۲۳۷ھ میں نسخۂ بھوپال میں لکھوائے اور پانچ چھ برس بعد جب نسخۂ شیرانی کی کتابت ہو رہی تھی تو اصلاحوں کو کالعدم کر کے ۱۲۳۱ھ سے پہلے کے مصرعے لکھوائے۔ یہ بات ایک بار پھر کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہے، کہ "مخطوطہ" جعلی ہے، کیونکہ اس میں نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کا مصرع موجود ہے۔

"مخطوطے میں چوتھا شعر یوں لکھا ہے:

نے صبا بالِ پری نہ شعلہ حرزِ عافیت
شمع سے جُز عرضِ افسونِ گدازِ دل نہ پوچھ

مصرعِ اوّل میں آخری دو لفظ نسخۂ بھوپال میں "سودائے جنوں" اور نسخۂ شیرانی میں "سامانِ جنوں" میں۔ "حرزِ عافیت" اصلاحِ غیر ہے۔ اور اس کا ثبوت اسی مصرع میں یہ ہے۔ ایک جگہ سے "نے" لکھا ہے اور دوسری جگہ "نہ" لکھا ہے، دوسری جگہ بھی "نے" ہونا چاہیئے تھا۔

اسی صفحے پر غزل نمبر ۱۴۳ ہے، جس کا مقطع اگلے صفحہ پر ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا کے حوالے سے گ س م میں ص۴ پر درج ہے، اور گلِ رعنا کی قرأت کی حامل ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

پروازِ یک تپِ غمِ تسخیرِ نالہ ہے
گرمیِ نبضِ خار و خسِ آشیاں نہ پوچھ

یہی "گلِ رعنا" میں اس شعر کی قرأت ہے، "گلِ رعنا" کا سالِ ترتیب ۱۲۴۵ھ ہے۔ یعنی "مخطوطے" کے مبیّنہ سالِ کتابت سے ۱۴ برس بعد "گلِ رعنا" میں ایک چھوٹا سا لفظ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی سے مختلف ہے، یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کہ ایک چھوٹے سے دو حرفی لفظ میں دو نقطے کم ہیں۔ ان دونوں نسخوں میں پہلے مصرع میں "تپ" ہے، اگر مخطوطہ کھرا ہوتا تو اس میں اپنے قریبی نسخے کا لفظ ہوتا۔ ان "دو نقطوں" کی کمی سے بھی "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا، اور نسخۂ شیرانی کے بعد کی قرأت کا حامل ہونا ثابت ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

تو عرضِ ناز کر، دلِ پروانہ ہے بہار
بے تابیِ تجلیِ آتش بجاں نہ پوچھ

گ س م میں، مصرعِ اوّل میں "تو مشقِ ناز کر" ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

غفلت متاعِ کفۂ میزانِ عدل ہیں
یا رب حسابِ سختیِ خوابِ گراں نہ پوچھ

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا،
نازِ بہارِ رفتۂ وصلِ بتاں نہ پوچھ

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

سامانِ بادشاہیٔ وصلِ بتاں نہ پوچھ

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

کہتا تھا کل وہ نامہ رساں سے بسوزِ دل
دردِ جدائیٔ اسد اللہ خاں نہ پوچھ

گلِ رعنا میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

کہتا تھا کل وہ محرمِ راز اپنے سے کہ آہ

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع ہے۔ "مخطوطہ" چونکہ بخطِ غالب نہیں ہے۔ اور بعد کے مصرعے اس میں موجود ہیں۔ اسلئے جو مصرعے معلومہ نسخوں کے مصرعوں سے مختلف ہیں۔ ان میں اصلاحِ غیر کا ہونا ظاہر ہے۔

الف کے ورق ۳۷ ب اور عین کے ص۴۲ پر غزل نمبر ۱۴۴ ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ س م میں ص۹۵ پر درج ہے۔ انھیں نسخوں کے حوالے سے اسی زمین میں ایک اور غزل گ س م میں ہے، لیکن یہ "مخطوطے" میں نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع خاص توجہ کا مستحق ہے۔ دوسرے مصرع کے شروع کے چار لفظ قلمزد ہیں۔ الف میں اصلاحی الفاظ فراہم نہیں کئے گئے ہیں، لیکن عین میں اصلاحی الفاظ ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے، جب الف کے لئے مائکرو فلم لیا گیا، تو اس وقت یہ اصلاحی الفاظ حاشیے پر نہیں تھے۔ یہ واقعہ ۱۹۶۹ء کا ہے۔ میرزا کی وفات کے سو برس کے بعد کا۔ الف کا مائکرو فلم پاکستان جانے کے بعد "مخطوطے" میں اصلاح بخطِ غالب کیسے ہوئی، کہ عین میں اسے پیش کیا جا سکا۔ ثابت ہوا، کہ یہ اصلاحی الفاظ بخطِ غالب ۱۹۶۹ء میں لکھے گئے۔

اب آئیے مطلع ملاحظہ فرمائیے: ضبط ہے اسپند جوں مردم اقامت گیر ہے
مجمرِ افسردہ بزماں دیدۂ نخچیر ہے

عینؔ میں حاشیے پر جو اصلاح ہوئی ہے، اس سے مصرعِ ثانی یہ ہوا:

مجھ پر بزمِ افسردن دیدۂ نخچیر ہے

الفؔ میں اگرچہ اصلاحی مصرع حاشیے پر نہیں ہے، لیکن مقابل کے صفحے پر نستعلیق خواندگی میں یہی مصرع لکھا ہے، جو ظاہر ہے، گ سم یا اس کے مصدر نسخوں سے حاصل کیا گیا ہے۔
چوتھے شعر میں بھی ایک اصلاح ہے، اصلاح کے بعد قرأت گ سم کے مطابق ہو گئی ہے۔

وقتِ حسن افروزیِ زینت طرازاں جائے گل

از نہالِ شمع پیدا غنچۂ گلگیر ہے

مصرع اوّل میں "گل" سے پہلے کا لفظ اس طرح کاٹا گیا ہے، کہ پڑھا نہیں جا سکتا۔ عینؔ کے حواشی میں اسے "بوئے (گل)" پڑھا گیا ہے۔ الفؔ میں تصریحات کے تحت یہ قیاس کیا گیا ہے، کہ "بہر (گل)" لکھا گیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ایک ناموزوں شعر لکھ کر اس طرح کاٹ دیا جائے، کہ پڑھا نہ جا سکے۔ تو خالص بیدلی رنگ میں شعر پڑھ لیا جائے گا۔ یہ دوسری بات ہے، کہ مختلف حضرات مختلف اشعار پڑھیں گے۔
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

گریہ سے بندِ محبت میں ہوئی نام آوری

لختِ لختِ دل نگینِ خانۂ زنجیر ہے

مصرع ثانی میں کتابت کی ایک غلطی ہے، "نگین" کی جگہ "نکین" لکھا گیا ہے۔ کیا میرزا سے اپنا ہی کلام لکھنے میں کتابت کی یہ غلطی سرزد ہوتی؟ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے۔ نسخۂ عرشی کے مطابق نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں "نگین" ہے۔
مخطوطے میں چھٹا شعر ہے: ریزشِ خوں ہے سراسر جرعہ نوشی ہائے یار

بیاں گلوئے شیشۂ مے قبضۂ شمشیر ہے

گ سم میں مصرعِ اوّل یہ ہے:
ریزشِ خونِ دفا ہے، جرعہ نوشی ہائے یار

اس غزل میں اب تک جن باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان کے پیش نظر اختلاف نسخ "مخلوطے" میں اصلاح غیر کے سبب سے ہے، (اختلاف نسخ کے تحت کسی نسخے میں مختلف قرأت نہیں دکھائی گئی ہے) اسی صفحے پر غزل نمبر ۱۴۵ ہے۔ جو میرزا سے پہلی بار منسوب ہوئی ہے۔ اسلئے "نو دریافت" ہے۔ دوسری "نو دریافت" غزلوں کے مقابلے میں اس میں الفاظ کی نشست و برخاست پُر تمکنت ہے۔ اور کسی حد تک اس پر میرزا کے لہجے کا دھوکا ہو سکتا ہے، لیکن مصرعوں میں اس طرح کا ربط نہیں ہے، جو میرزا اور ان کے معاصرین کے یہاں شعر کے مصرعوں میں ہوتا ہے۔ ان شعروں میں مضامین متاخرین کے اور مصرعوں میں ربط اس طرح کا ہے، جیسا کہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخر میں اردو غزل میں آیا۔

مطلع ہے: کرے ہے رہرواں سے خضرِ راہِ عشق جلادی

ہوا ہے موجۂ ریگِ رواں شمشیرِ فولادی

خضرِ راہِ عشق کون ہے؟ یقیناً معشوق نہیں ہو سکتا، وہ جلادی کیوں کرتا ہے اور موجۂ ریگِ رواں؟ اگر اس سے مراد سراب ہے، تو شمشیرِ فولادی کیوں ہے؟ یہ سب دربطنِ شاعر ہے۔

دوسرا شعر ہے:

نظر بندِ تصوّر ہے، قفس میں لطفِ آزادی

شکستِ آرزو کے رنگ کی کرتا ہوں صیادی

نظر بندِ تصوّر کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے، کہ آزادی کا لطف قفس میں ہے۔ شاید مطلب یہ ہے کہ قفس میں محفوظ بھی ہوں۔ اور دانہ پانی بھی مفت ہی مل جاتا ہے، لیکن دوسرے مصرع سے اس کا کوئی ربط نہیں۔ یہ کوئی بات نہیں کہ خود پنجرے میں بند ہوں، اور شکستِ آرزو کے رنگ کو لاسہ لگاکر پکڑ رہا ہوں۔ پھر یہ بات بھی نہیں کھلتی، کہ نظر بندِ تصوّر کون ہے، جس کو مخاطب کیا گیا ہے۔

تیسرا شعر ہے:

کرے ہے حسن ویراں کار روئے سادہ رویاں پر

غبارِ خط سے تعمیرِ بنائے خانہ بربادی

نہایت مبتذل مضمون ہے، کہ معشوق کی مسین بھیگنے لگی ہیں اور خط آنے لگا ہے، اسلئے اس کی خانہ بربادی

کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ یہ مضمون نہ تو غالب کے تصوّرِ عشق کے مطابق ہے اور نہ اردو غزل کی روایت کے مطابق ہے، وہ روایت، جس کی پشت پر فارسی شاعری کی صدیوں کی روایت ہے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کہ یہ مبتذل مضمون ایک اور نودریافت غزل کے ایک شعر میں بھی ہے، جو پہلے گذر چکی ہے۔ شعر یہ تھا:-

صفا و شوخیِ اندازِ حسن پا بہ رکاب

خطِ سیاہ سے ہے گردِ کارواں پیدا

ایسے شعر میرزا سے منسوب نہیں کئے جا سکتے، یہ نہایت گھٹیا اور مبتذل شعر ہیں۔

چوتھا شعر ہے:- چنار آسا عدم سے بادلِ پُر آتش آیا ہوں

تہی آغوشیِ دستِ تمنّا کا ہوں فریادی

پہلا مصرع بامعنی ہے، لیکن دوسرا مصرع مہملِ محض ہے، اسلئے پہلے مصرع سے اس کے ربط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مقطع ہے: اسدؔ از بسکہ فوجِ دردِ غم سرگرمِ جولاں ہے

غبارِ راہِ ویرانی ہے، ملکِ دل کی آبادی

دوسرے مصرع میں کہنا یہ تھا کہ "غبارِ راہِ ویرانی سے دل آباد ہے" لیکن یہ مضمون مصرع میں ادا نہیں ہوا۔ میرزا اتنے عاجز کبھی نہیں، کہ مصرع میں اپنا مافی الضمیر ادا نہ کر سکیں۔ یہ غزل میرزا کی نہیں ہو سکتی ہے، اسلئے الحاقی ہے۔

الف کے ورق ۲۰ ب اور تحسین کے ۳۲ پر یہ غزل نمبر ۱۲۶ شروع ہوتی ہے، جس میں چھ شعر ہیں۔ دو شعر اس صفحہ پر اور باقی شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال کے حوالے سے گ م میں ۹۶ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں دوسرے شعر میں ایک اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اصلاح سے پہلے شعر یوں تھا:

جنونِ وحشتِ ہستی یہ عام ہے، کہ بہار

رکھے ہے کسوتِ طاؤس میں پرافشانی

اصلاح میں، مصرعِ ثانی کا پہلا لفظ "کرے" کیا گیا ہے۔ لیکن نسخۂ بھوپال میں یہ لفظ "رکھے" ہی ہے۔ "مخطوطے" کا

بلیو پرنٹ تیار کرنے والوں سے "منصوبہ بندی" میں غلطی ہوگئی۔ انھیں "کرے" لکھ کر اصلاح میں "رکھئے" کرنا تھا۔ لیکن الٹی بات ہوگئی۔ اس سے مناسب نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

نظر بہ غفلتِ اہلِ جہاں ہوا ظاہر
کہ عیدِ خلق پہ حیراں ہے چشمِ قربانی

گستم میں بھی شعر کی یہی قرأت ہے، لیکن نسخۂ بھوپال میں، دوسرے مصرع میں "چشم" چھوٹ گیا ہے۔ مفتی انوار الحق، مرتب نسخۂ حمیدیہ نے "چشم" کا لفظ، میرزا کے اس شعر کے پیشِ نظر تجویز کیا:

رتبۂ تسلیم خلقت مشرباں عالی سمجھ
چشمِ قربانی، گلِ شاخِ ہلالِ عید ہے

جناب امتیاز علی خاں عرشی، مفتی انوار الحق صاحب کے اس قیاس کو بالکل درست سمجھتے ہیں۔ جناب مالک رام اور جناب شیخ محمد اکرام نے اپنے نسخوں میں اس شعر کو شامل نہیں کیا ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں ان کے نظریات نہیں معلوم ہوسکے۔ "چشم" کے علاوہ کوئی اور لفظ یہاں ممکن نہیں تھا ورنہ "مخطوطے" میں ضرور ہوتا۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

لکھوں وہ مصرعِ برجستہ وصفِ قامت میں
کہ سرو نہ ہوسکے جس کا مصرعِ ثانی

نسخۂ عرشی میں، مصرعِ اول کا پہلا لفظ "لکھوں" ہے۔

الف کے ورق ۳۸ الف اور تحسین کے بعد پر غزل نمبر ۱۳ ہے۔ اس میں دس شعر ہیں۔ اور دو شعر متداول دیوان میں ہیں۔ اور تحقیق میں عدد ۲۰۶ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہیں۔ سات شعر گستم نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔ گستم میں ایک شعر زیادہ ہے اسی طرح متداول دیوان میں وہ دو شعر زیادہ ہیں، جو نسخۂ بھوپال سے لیے گئے ہیں۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

دھاں رنگ ہا نہفتۂ تدبیر ہیں ہنوز
یھاں شعلۂ چراغ ہے برگِ حنا مجھے

گم میں مصرعِ اوّل یہ ہے: واں رنگہا بہ پردۂ تدبیر ہیں ہنوز

"مخطوطے" میں آٹھواں شعر ہے:

تا چند پست حوصلگی ہائے طبعِ خام
اے آرزو بلندیِ دستِ دعا مجھے

گم میں شعر یوں ہے:

تا چند پست فطرتیِ طبعِ آرزو
یارب ملے بلندیِ دستِ دعا مجھے

"مخطوطے" میں مقطع یوں ہے

ہے سستِ امتحانِ ہوس طینتی اسدؔ
اے جوشِ عشق بادۂ مرد آزما مجھے

پہلے مصرع میں اسدؔ صیغۂ غائب میں ہے اور دوسرے مصرع میں "مجھے" صیغۂ متکلم میں ہے، اور یہ طرزِ تخاطب ساقط ہے، کیونکہ اسدؔ کوئی اور ہے "بادۂ مرد آزما" کا سوال کرنے والا کوئی اور ہے۔ ردیف "اسے" ہوتی تو مقطع ٹھیک ہوتا۔ اس ہیئت میں یہ شعر میرزا نے نہیں کہا ہوگا۔ نسخۂ بھوپال میں مقطع نہیں، شعر ہے:

یکبار امتحانِ ہوس بھی ضرور ہے
اے جوشِ عشق بادۂ مرد آزما مجھے

نسخۂ بھوپال کے اس شعر اور "مخطوطے" کے ساختہ مقطع میں مضمون کا بین فرق ہے۔ ہوس کا امتحان تو بادۂ مرد آزما سے ہی ہوتا ہے۔ جب کہ یہ نسخے کے "سستِ امتحان ہوس طینتی" ہونے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ "مخطوطے" کا تناقض ابھر آتا ہے۔

"مخطوطے" میں ایک شعر غزل لکھنے کے بعد، تیسرے کالم میں اوپر اضافہ ہوا ہے:

کھلتا کسو پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

متداول دیوان میں یہ شعر یوں ہی ہے، لیکن جناب امتیاز علی خاں عرشی نے اختلافِ نسخ کے باب میں یہ اظہار کیا ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل یہ ہے

کھلتے کسو پہ کیوں مرے دل کے معاملے

(یہ واضح نہیں ہے کہ دِل کے ہے یا دَل کا)

عرشی صاحب نے اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے، کہ نسخۂ حمیدیہ کے مرتب نے اس بات کا اظہار نہیں کیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے "مخطوطے" کا بلیو پرنٹ تیار کرنے والوں نے ٹھوکر کھائی اور نسخۂ حمیدیہ کے مصرع کو نسخۂ بھوپال کا مصرع سمجھ کر "مخطوطے" میں نقل کروا دیا۔ اس میں شک نہیں "کھلتا" اور "معاملہ" صیغۂ واحد میں بعد کی قرأت ہے۔ نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ کے تذکرے "گلشنِ بے خار" میں، جو ۱۲۵۰ھ میں لکھا گیا تھا۔ غالب کے ترجمے میں یہ شعر اسی طرح ہے، جیسے متداول دیوان میں لکھا ہے۔ (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۳ء ـ نفیس اکیڈمی ـ ص۱۹۹) یہ بات کسی طرح قرینِ قیاس نہیں ہو سکتی، کہ نسخۂ بھوپال سے پہلے کے مصرع کو اصلاح کے بعد نسخۂ بھوپال میں لکھوایا گیا ہے، اور بعد میں اس اصلاح کو کالعدم کر دیا گیا۔ اس سے ہم صرف ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ "مخطوطہ" جعلی ہے۔

الف کے ورق ۳۸ ب اور عین کے ص۷۶ پر غزل نمبر ۱۴۹ ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔م میں ص۹۶ اور ص۹۷ پر نقل ہوئی ہے۔ "مخطوطے" میں شعروں کی قرأت نسخۂ بھوپال کے مطابق ہے۔ مقطع بھی اسی طرح لکھا گیا تھا، لیکن بعد میں ایک لفظ کو بدلا گیا:

ہر خامہ فیضِ بیعتِ بیدلؔ بکف اسدؔ

ہر نیستاں قلم رہِ اعجاز ہے مجھے

دوسرے مصرع کا پہلا لفظ "یک" سمجھا گیا تھا، اس کو "ہر" بنایا گیا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ آئندہ کے نسخوں میں "ہر" ہونا چاہیے، لیکن نسخۂ بھوپال میں "ہر" نہیں، بلکہ "یک" ہے۔

دراصل "مخطوطے" میں "ہر" لکھ کر اس پر "یک" لکھنے کے بجائے ناقل نے "یک" لکھ کر اس کو "ہر" بنا دیا۔ اس غلطی سے ایک اور سراغ اس بات کا ملتا ہے، کہ یہ مخطوطہ بخطِ غالب نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بہت اہم بات اس مقطع میں ہے۔ جو توجہ کی مستحق ہے، وہ یہ کہ بیدل پر رضؓ کی علامت ہے۔

اس میں شک نہیں، کہ میرزا پر بیدلؔ کا بہت گہرا اثر تھا۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی علیؔ اور ابوترابؔ پر تو کسی قسم کا کوئی نشان نہ ہو اور بیدلؔ پر رضؓ ہو، یقیناً میرزا کو بیدل کے مقابلے میں حضرت علیؓ سے زیادہ عقیدت تھی۔

ہے عجز بندگی جو علی کو خدا کہوں

ایک مقطع کا یہ مصرع آں کی ردیف میں، اسی "مخطوطے" میں ہے، علی پر ؑ کی علامت نہیں ہے، بیدلؔ پر یہ نشان ایجادِ ناقل ہے — اور ناقل میرزا نہیں ہیں۔

الف کے ورق ۳۸ ب اور متن کے صـ۲۶ پر غزل نمبر ۱۵۰ ہے۔ اس میں چھ شعر ہیں، جن میں ایک شعر "نودریافت" ہے۔ باقی شعر اس غزل میں ہیں، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے لسم میں صـ۱۶ اور صـ[illegible] پر نقل ہوئی ہے۔

دوسرا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

ہمیشہ مجھ کو طفلی میں مشقِ تیرہ روزی تھی

سیاہی ہے مرے ایام میں لوحِ دبستاں کی

مصرعِ اول میں "طفلی میں" کے بعد "بھی" چھوٹ گیا۔ اس صفحے پر دو اصلاحیں ہیں۔ اسی غزل کے مقطع [illegible] کا بنایا گیا ہے۔ اگر واقعی یہ میرزا کی بیاض ہوتی اور انھوں نے نظرِ ثانی کے وقت [illegible] اصلاحیں کی تھیں تو یہ بھی [illegible] انھیں بڑھایا۔

تیسرا شعر "نودریافت" ہے:

بہ زلف [illegible] رخش ہے شب بیدار [illegible]

زبانِ شانہ سے تعبیر خواب پریشاں کی

اس غزل [illegible] ہے، جو بے معنی ہے۔

بہ زلفِ مہوشاں رہتی ہے شب بیدار ــــ کیا؟

شانہ؟ ــــ لیکن شانہ مذکر ہے، کنگھی مؤنث ہے۔

زبانِ شانہ؟ ــــ لیکن زبان کا شب بیدار رہنا کیا معنی؟ زبان چپ رہ سکتی ہے، کترنی کی طرح چل سکتی ہے، خاموش رہ سکتی ہے۔

پھر بہ کا استعمال محلِ نظر ہے، کیا مہوشاں رات بھر کنگھی چوٹی کرنے کے شغل میں گذارتے تھے؟ رات بھر کنگھی چوٹی کرتے تھے تو "گاہجوں" کا پہلو کب گرم کرتے تھے؟ یا مہوشاں کنگھی اپنے بالوں میں لگا کر سوتے تھے؟ (غالب کے عہد میں ایسی کنگھی ایجاد نہیں ہوئی تھی) یا مہوشاں کی زلفوں میں عاشق کے دل جوؤں اور لیکھوں کی طرح کثرت سے تھے کہ رات بھر کنگھی کر کے دل نکالے جاتے تھے؟ یا مہوشاں کنگھی بالوں میں لگا کر سو گئے اور کنگھی کی نیند اچاٹ ہو گئی، اور رات بھر جاگتی رہی؟ ان تمام امکانات میں زبان کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

ــــ ایک بات اور بھی ہے۔ مہوشاں بہت سے، زلف ایک اور کنگھی بھی ایک۔ شعر کے دونوں مصرعوں میں کوئی ربط بھی نہیں ہے۔ یہ شعر سراسر الحاقی ہے اور غزل میں اس الحاقی شعر کی موجودگی اس بات کا ناطق ثبوت ہے کہ یہ میرزا کی بیاض نہیں ہے، اور ان کے خط میں ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مقطع پہلے اسد تخلص کا حامل تھا:

بیادِ گرمیِ صحبت برنگِ شعلہ دہکے ہے
چھپاؤں کیونکہ سوزش اے اسد داغِ نمایاں کی

مصرعِ ثانی میں اصلاح کی گئی ہے، اور وہ نسخۂ بھوپال کے مطابق کیا گیا ہے:

چھپاؤں کیونکہ غالب سوزشیں داغِ نمایاں کی

اسی صفحے پر پچھلی غزل میں اسد تخلص کا مقطع ہے۔ اگر اسد تخلص سے میرزا کو کوئی چڑ تھی تو اس کو کیوں نہیں بدلا۔ الحاقی شعر کی موجودگی سے یہ بہت محتاط اندازہ ہوگا کہ میرزا نے اس مقطع میں غالب تخلص نہ ڈالا ہوگا۔ "مخطوطے" میں اسد کے ساتھ مصرع اصلاحِ معکوس کے بعد لکھا گیا تھا۔

الف کے ورق ۳۰ ب۔ ۳۹ الف اور عین کے ص۶ اور ص۸ پر غزل ۱۵۱ ہے۔ مطلع اور دو شعر متداول دیوان میں اور باقی چار شعر نسخۂ بھوپال / نسخۂ شیرانی میں ہیں۔ جو نسخۂ ع میں گنجینۂ معنی کے حصے میں ہیں (ص۶ اور ص۸)

"مخطوطے" میں جس طرح سے یہ شعر درج ہیں ان کا تقابل معلوم نسخوں سے کرنے سے بڑے دلچسپ نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

مروّج دیوان میں مطلع یوں ہے:

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی

نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذّت زندگانی کی

"مخلوطے" میں مصرعِ اولیٰ یوں ہے:

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گو شادمانی کی

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے مطابق "گو" ہے۔ مروّج دیوان میں یہ لفظ پہلے مطبوعہ دیوان تک "گو" ہی تھا۔ بعد میں یہ "گر" سے بدلا گیا۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

نہ کھینچے سعیِ نقشِ نارسا زلفِ تمنّا کو

پریشاں تر ہے موئے خامہ سے تدبیر مانی کی

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

نہ کھینچ اے سعیِ دستِ نارسا زلفِ تمنّا کو

اختلاف۔ نسخے کے باب میں ص۱۱۱ پر (ن ع) سے یہ اظہار کیا گیا ہے کہ نسخۂ شیرانی میں "دستِ سعی نارسا" ہے۔ "مخطوطے" میں "نہ کھینچے" سے الجھن ہوتی ہے۔ اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ میرزا نے اس طرح یہ لفظ لکھے ہوں گے۔ بعید از امکان نہیں، بلکہ یہی امکان ہے کہ ناقل نے یہ شعر کسی مسودے سے نقل نہیں کیا ہے، بلکہ کوئی بول رہا تھا اور وہ لکھ رہا

تھا۔ اور اسی لئے یہ غلطی ہوگئی۔ کاتب سے ایسی غلطی نہیں ہوتی۔ ریڈیو میں سترہ برس کے تجربے میں ایسی غلطیاں مسودوں میں اکثر دیکھنے میں آئی ہیں، جن کی نقلیں دو ناقلوں نے بنائی ہیں۔ اس طرح کہ ایک بولتا گیا اور دوسرا لکھتا گیا۔ سیاح کو سیاہ، تمثیل کو تمسیل کئی نقلوں میں دیکھا، حالانکہ اصل میں املا ٹھیک تھا (آگے ایسی ہی ایک غلطی اس "مخطوطے" میں اور آئے گی۔ جہاں کثافت کو کسافت لکھا گیا ہے، اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے) اس غلطی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ناقل میرزا کے علاوہ کوئی اور تھا۔ نقش بھی الحاقی لفظ ہے جو اس مصرع میں اصلاحِ غیر سے آیا ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

گماں ہم بھی رگ و پے رکھتے ہیں انصاف بہتر ہے

نہ کھینچے طاقتِ خمیازہ تہمت ناتوانی کی

گ م میں مصرعِ اول میں پہلا لفظ کہاں ہے۔ گماں نسخۂ شیرانی میں ہے، اس بات کی نشاندہی نسخۂ عرشی میں، اختلافِ نسخ کے باب میں ص۲۱۱ پر کی گئی ہے۔ نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت "مخطوطے" میں موجود ہونا "مخطوطے" کے جعلی دستاویز ہونے کا ایک اور ثبوت ہے:

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

تکلف برطرف، فرہاد اور اظہارِ سبک دستی

خیال آساں تھا لیکن خوابِ خسروِ گرانی کی

گ م میں مصرعِ اول یہ ہے:

تکلف برطرف فرہاد اور اتنی سبک دستی

پچھلے شعر میں "مخطوطہ" نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کا مصرع لئے ہوئے ہے اس کا بجنسہٖ غالب نہ ہونا ثابت ہے۔ اس مصرع کے سلسلے میں احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ "مخطوطے" میں اظہار کو اصلاحِ غیر سمجھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ "مخطوطے" کے جعلی کروانے کے پیش نظر

جہاں جہاں اس میں معلومہ نسخوں سے قرأت کا اختلاف ہے، وہاں اصلاحِ غیر کے علاوہ کچھ اور سمجھا بھی نہیں جا سکتا۔

"مخطوطے" میں مقطع میں ایک اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اصلاح کے بعد یہ گ۔م کے مطابق ہوگیا ہے اصلاح سے پیشتر مقطع یوں تھا:

اسدؔ کو بوریئے میں دھر کے پھونکا موجِ ہستی میں

فقیری میں بھی باقی ہے شرارت نوجوانی کی

مصرعِ اوّل کا آخری لفظ "میں" کاٹ کر "نے" کیا گیا ہے۔ اصلاح سے پہلے مصرع جس طرح لکھا گیا تھا وہ کسی طرح میرزا نہیں لکھ سکتے تھے۔

الف کے ورق ۳۹ الف اور عین کے "ص۱" پر غزل ر۱۵۳ ہے جو بشمولِ مطلع و مقطع سات شعروں پر مشتمل ہے۔ مطلع اور دو شعر متداول دیوان میں ہیں۔ تین شعر گ۔م میں "ص" پر ہیں۔ یہ شعر "مخطوطے" میں پہلی [illegible] میرزا سے منسوب کیا گیا ہے، اس لئے نو دریافت [illegible] ہے۔ "الف" میں اسے نودریافت قرار نہیں دیا [illegible] ہے۔ شعر یہ ہے:

تھکا جب قطرۂ بیدست و پا بالا دویدن سے

زبہرِ یادگاری ہا گرہ دیتا ہے گوہر کی

اس شعر کے الحاقی ہونے میں شک نہیں۔ جس طرح عبد الباری آسی صاحب نے غالب کے لئے شعر تصنیف کئے تھے۔ اسی طرح یہ شعر بھی گڑھا گیا ہے۔ ایک تو یہ شعر غزل کے باقی شعروں سے الگ ان معنوں میں بھی ہے کہ "فارسی زدہ" ہے، دوسرے یہ کہ اس میں "فارسی" جس طرح استعمال ہوئی ہے وہ محلِ نظر ہے۔ اور تیسرے یہ کہ اس میں نہ معنی آفرینی ہے اور نہ مضمون خیالی جو میرزا کے "بیدلی دور" کا خاصہ سمجھا جاتا ہے۔

پہلے شعر کے مضمون کو لیجئے:

جب قطرۂ بے دست و پا اوپر دوڑنے سے تھکا تو "یادگاریہا" کے لئے گوہر کی گرہ دیتا ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قطرہ کس رقیق کا ہے؟ پانی کا، خون کا، شراب کا، آنسو کا (یا قارورے کا — قارورے کو پہلی بار ایک نو دریافت رباعی میں نظم ہونے کا شرف اسی مخطوطے میں ملا ہے) رقیق اور بھی ہو سکتے ہیں۔ یہاں خون کے قطرے سے بھی معنی نکلتے ہیں، اور پانی کے قطرے سے بھی — لیکن دونوں معنی بڑی کھینچ تان کے بعد نکلتے ہیں۔

۱۔ جب خون کا بے دست و پا قطرہ بالا دو یدن سے تھکا (تو) بہر یادگار یہاں گوہر کی گرہ دیتا ہے — یہ آنسو کا استعارہ ہوا۔

۲۔ جب پانی کا بے دست و پا قطرہ (بھاپ بن کر) اوپر دوڑا۔ اور تھکا (تو نیساں بن کر گرتا ہے) اور بہرِ یادگار یہاں گوہر کی گرہ دیتا ہے۔

ایک تیسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں، جس کا تعلق نسل کشی سے ہے، لیکن اس میں بالا دو یدن کے کوئی معنی نہیں ہوں گے۔

شعر کا با معنی ہونا ضروری ہے۔ لیکن صرف معنی دار ہونا شعر کا وصف نہیں، اس میں خیال کیا ہے؟ شاعر نے کیا کہا ہے؟ اور کیوں کہا ہے؟ اور کس بات کی یادگار، کس واقعے کی یادگار؟ ان سوالوں کا کوئی جواب اس شعر میں نہیں ہے۔

یادگار یہاں کو کافی نہیں سمجھا گیا — ز بہرِ یادگار یہاں بھی لکھا گیا۔ یہاں "ز" کیوں جوڑا گیا ہے؟ — کیا "بہرِ یادگار" کافی نہیں تھا۔ کہ "ز بہرِ یادگار یہاں" لکھا گیا؟ کافی تو تھا — لیکن بحر پوری کرنا تھی۔ میرزا قافیہ پیمائی کو نہیں، مضمون آفرینی کو شعر سمجھتے تھے، لیکن یہاں قافیہ پیمائی کے ساتھ حشو و زوائد سے پُر معیوب بات ہے ——
یہ شعر ان مکروہات کے ساتھ میرزا کہہ سکتے تھے؟ یہ شعر الحاقی قرار پاتا ہے۔ اس بنا پر یہ دعویٰ کہ یہ "مخطوطہ بخطِ غالب" ہے، ایک بار اور مسترد ہوتا ہے۔

غزل کے چھٹے شعر میں قلم کی ایک لغزش ایسی ہے، جو میرزا سے نہیں ہو سکتی تھی۔ شعر یہ ہے:

۶ غرورِ لطفِ ساقی نشۂ بیباکیٔ مستاں
نمِ دامانِ عصیاں ہے طراوت موجِ کوثر کی

دوسرے مصرع میں عصیاں کے بجائے کچھ اور لکھا گیا تھا۔ جس میں "ع" نہیں تھا۔ دوسری

بات یہ ہے کہ "داماں" کو "دامانِ" لکھا گیا تھا، اور اس پر اضافت کا ہمزہ لگا دیا گیا تھا۔ اس باریک ہمزہ کو بعد میں، ایک باریک قلم سے "صیاں" کے ص کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

یہ بات بھی بعید از امکان نہیں کہ "اصیاں" الف سے لکھا گیا ہو۔ الف بہت باریک "ز" ادھوری ترامی طرح بھی اس "مخطوطے" میں ہے۔ اسی پر "ع" ملا کر بعد میں "عصیاں" کیا گیا ہو۔ الف اور عین، دونوں نسخوں میں یہ بات بہت واضح ہے کہ "عصیاں" میں "ع" نہیں لکھا گیا تھا۔ یہ بعد کا اضافہ ہے۔

ظاہر ہے یہ غلطی میرزا سے نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ بھی ایک ثبوت ہے "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے کا۔

اس غزل کا دوسرا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے؛

رگِ لیلا کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے

اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی

"لیلا" کا املا توجہ کا مستحق ہے: پچھلی غزلوں میں موسیٰ اور عیسیٰ ہے۔ اگر وہاں موسا اور عیسا نہیں ہے تو یہاں لیلا کیسے ہے۔ ن س میں "لیلیٰ" ہے، جو ظاہر ہے، نسخۂ بھوپال کا املا ہوگا۔ نسخۂ سالک رام (ص۱۰۹) اور نسخۂ اکرام۔ ارمغانِ غالب (ص۵۰) پر بھی املا لیلیٰ ہے۔ "مخطوطے" میں "خرشید" نہیں "خورشید" ہے۔ "لیلا" کا املا "مخطوطے" کے جعلی ہونے کی ایک اور شہادت ہے۔

مصرعِ ثانی میں "بووے" لکھا ہے۔ متداول دیوان کے تینوں نسخوں میں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ لفظ "بووے" ہے "مخطوطے" میں یہ اصلاحِ معکوس نہیں، بلکہ کتابت کی غلطی ہے اور ظاہر ہے کتابت کی غلطی میرزا سے سرزد نہیں ہو سکتی تھی۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے؛

پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا

ہوئی گرمیِ مجلس سے روانی دَورِ ساغر کی

متداول دیوان کے نسخوں میں مصرعِ ثانی یہ ہے؛

ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

اس غزل میں الحاقی شعر کی موجودگی کے پیشِ نظر "مخطوطے" میں جہاں معلومہ نسخوں سے اختلافِ نسخ ہے۔ اصلاحِ غیر کے علاوہ کچھ اور سمجھنا احتیاط کے منافی ہے۔

الف کے اوراق ۲۹ الف اور ب پر اور عینی کے صفحات ۷۷ اور ۷۸ پر غزل ۱۵۱ ہے۔ جس کا ایک شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۶۵ پر یوں نقل ہوا ہے:

ظاہر ہے طرزِ قید سے صیّاد کی غرض

جو دانہ دام میں ہے سو اشکِ کباب ہے

"مخطوطے میں دوسرا مصرع یوں ہے:

جو دانہ دام میں ہے سرشکِ کباب ہے

غزل کے باقی پانچ شعر "نودریافت" ہیں۔

اب آئیے ذرا "نودریافت" اشعار پہ ایک نظر ڈالیں۔ مطلع ہے:

آنکھوں میں انتظار سے جاں پرشتاب ہے

آنا ہے آ وگرنہ یہ پا در رکاب ہے

اس "مخطوطے" میں دونوں جگہوں پر "ر" (پیش) لگایا گیا ہے۔ پہلے مصرع میں اگر "پُر" ہوتا، تو اس پر "ر" ہوتا۔ اب "جاں پُرشتاب" پڑھیے، یا "جاں پُرشتاب" دونوں صورتوں میں وہ مطلب ادا نہیں ہوتا جو اس مصرع کا ہونا چاہیئے۔ یعنی آنکھوں میں دم اٹکا ہوا ہے۔ یا آنکھوں میں روح اٹکی ہوئی ہے۔ حیرت ہے کہ میرزا ایسا قادر الکلام شاعر ایک مصرع میں اپنی بات ادا نہ کر سکے۔ بڑی آسانی سے پہلا مصرع یوں ہو سکتا تھا:

اٹکی ہوئی ہے آنکھوں میں جاں، اضطراب ہے

یا

اٹکا ہوا ہے آنکھوں میں دم، اضطراب ہے

پہلے مصرع میں "انتظار" کے لفظ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، بلکہ یہ وزن پورا کرنے کیلئے ہے یہ مطلع میرزا کا ہو سکتا ہے — یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

دوسرا شعر دیوانِ غالب میں موجود ہے اور اس کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے

تیسرا شعر ہے:

حیراں ہوں دامنِ مژہ کیوں جھاڑتا نہیں

خطِ صفحۂ عذار پہ گردِ کتاب ہے

"دامنِ مژہ" کی ترکیب بالکل لغو ہے۔ مژہ کو "برش" سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے، لیکن "برش" اس وقت استعمال نہیں ہوتے تھے۔ کھینچ تان کر "جھاڑو" سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے اگر مژہ سے صفائی کرنا تھی لیکن اس میں بھی دو قباحتیں ہیں۔ کتاب پر نہ جھاڑو دی جاتی ہے اور نہ اس پر جھاڑو پھیری جاتی ہے دوسرے یہ کہ مژہ پر سے آنسو ٹپکتے ہیں اس لئے مژہ سے دھلائی کرائی جا سکتی تھی۔ لیکن خشک جھاڑو نہیں دلائی جا سکتی۔

عجیب بات ہے، نو در یافت غزلوں میں "خط" کا مضمون ضرور ہوتا ہے۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ شعر میرزا کا نہیں ہے۔

اگلا شعر ہے:

جوں نخلِ ماتم ابر سے مطلب نہیں مجھے

رنگِ سیاہ نیل غبارِ سحاب ہے

دونوں مصرعوں میں دو الگ الگ بیان ہیں، اور ان میں کوئی ربط نہیں ہے۔ ایک مصرع میں "ابر" اور دوسرے میں "سحاب" لکھ دینے سے کوئی رشتہ دونوں مصرعوں میں پیدا نہیں ہوتا، سیاہ رنگ ماتم کا نشان ہے۔ اس سے بھی کوئی ربط دونوں مصرعوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ شعر میرزا سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

پانچواں شعر ہے:

ممکن نہیں کہ ہو دلِ خوباں میں کارگر

تاثیرِ جستنِ اشک سے نقش بر آب ہے

یہ اس غزل کا سب سے چرپٹ شعر ہے، کیونکہ اس میں میرزا کا "بیدلی" رنگ دکھانے کی کوشش میں معانی و مطالب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

"نقش برآب" کو "نقش برآب" بہ کسرۂ اضافت باندھا گیا ہے۔ وزن پورا کرنے کے لئے اضافت کی ضرورت نہیں تھی" نقشے" بہ یائے تنکیر لکھا جا سکتا تھا۔
شعر میں یہ بات کہی گئی ہے: "تاثیر جستن یعنی تاثیر کی تلاش۔ اشک سے (اشکوں سے نہیں) نقش بر روئے آب ہے (اس لئے) یہ ممکن نہیں کہ دل خوباں میں کارگر ہو سکے" کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ میرزا کا "بیدلی" دور وہ تھا، جب ان کے ذہن پر فارسی اور اس کی قواعد کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ زبان اور بیان کی ان غلطیوں کے علاوہ مضمون کو دیکھئے: "تاثیر جستن" خود اپنا الگ وجود نہیں رکھتی، پھر اشک کہاں سے آ ٹپکا۔ اس شعر میں کوئی مضمون ہی نہیں۔
مقطع ہے:

دیکھا اسدؔ بدیدۂ باطن، کہ ظاہرا
ہر ایک ذرہ غیرتِ صد آفتاب ہے

۱۲۳۱ ہجری سے پہلے کی یہ غزل دکھانا مقصود ہے۔ اس زمانے میں میرزا "ہر یک" لکھتے تھے۔ پہلے مصرع میں "ظاہرا" کا لفظ نہ صرف بھرتی کا ہے بلکہ اس سے مضمون پامال ہو گیا ہے
پہلا مصرع اگر یوں ہوتا۔

دیکھے اسدؔ بہ دیدۂ باطن تو یہ کھلے

تو اس شعر پر میرزا کے شعر ہونے کا گمان ہو سکتا تھا، لیکن ظاہرا نے معنے باطل کر دیئے، کیونکہ ظاہرا ہر ایک ذرہ غیرت صد آفتاب نہیں ہوتا۔ شاید جگر مرادآبادی کا مصرع ہے:

جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

اس حقیر کمالؔ کا خیال ہے کہ میرزا کے لئے یہ مقطع، جگر کے مصرع سے "فیضان" حاصل کر کے لکھا گیا ہے۔
جو باتیں عرض کی گئی ہیں، ان کی بنا پر یہ مقطع میرزا کا نتیجۂ فکر قرار نہیں دیا جا سکتا۔
الف کے ورق ۳۹ ب اور عین کے ص۲ پر غزل ۱۵۵ ہے، جس میں شمول مطلع و مقطع پانچ شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۹۶ پر

نقل ہوئی ہے:

"مخطوطے" میں مطلع ہے:

بے خود زبسکہ خاطرِ بیتاب ہوگئی

مژگانِ واکشادہ رگِ خواب ہوگئی

گ تم میں مصرعِ ثانی میں "مژگانِ بازماندہ" ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

موجِ تبسم از لبِ آلودۂ مسی

آئینہ دارِ تیغِ سیہ تاب ہوگئی

گ تم میں شعر یوں ہے:

موجِ تبسمِ لبِ آلودۂ مسی

میرے لئے تو تیغِ سیہ تاب ہوگئی

مصرعِ ثانی جو "مخطوطے" میں ہے۔ اگر میرزا کا ہوتا تو اصلاح سے وہ اس کو رد نہ کرتے۔ جو نسخۂ بھوپال میں درج ہوا ہے۔ کیونکہ "تو تیغ" میں "ت" کی دو آوازیں سامعہ پر کوئی خوش گوار اثر مرتب نہیں کرتیں۔ اس بنا پر یہ نتیجہ جائز طور پر اخذ کیا جائے گا، کہ اس غزل میں جو مصرعے "مخطوطے" میں معلومہ نسخوں سے مختلف ہیں، ان میں اصلاحِ غیر کی کارفرمائی ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

رخسارِ صاف سے جو دیئے جلوہ ہائے نور

زلفِ پری وشاں شبِ مہتاب ہوگئی

اس شعر میں دو باتیں محلِ نظر ہیں۔ اور ان کی وجہ سے دونوں مصرعے میرزا سے

منسوب نہیں کئے جا سکتے۔ "رخسارِ صاف" سے مراد شاید "گورے گال" ہیں جن پر خط نہیں ہے۔ صاف سے خط نہ ہونے کے معنی تو نکلتے ہیں، "گورے گال" کا مفہوم اس سے نہیں نکلتا۔ "دیجئے جلوہ ہائے نور" کا ٹکڑا بھدا ہے۔ نہ اس میں جمالیاتی اعتبار سے کوئی خوبی ہے اور نہ بیان کی کوئی خوبی ہے۔ "جلوہ" میں نور شامل ہے۔ "جلوہ ہائے نور" غریب ترکیب ہے۔

مصرعِ ثانی میں "زلفِ پری وشاں" کا شبِ مہتاب ہو جانا کوئی بات اس لئے نہیں ہوئی کہ پریوں کے بال سنہرے ہونے کی روایت ہے۔ "رخسارِ صاف" سے سیاہ زلفوں کا تضاد ہو سکتا ہے سنہرے بالوں کو شبِ مہتاب ہونے کے لئے "گورے گالوں" کے مقابلے میں سیاہ فام چہرے کے مقابلے میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ شعر میرزا کا اس قرأت کے ساتھ نہیں ہے۔

نسخۂ بھوپال میں شعر یوں ہے:

رخسارِ یار کی جو ہوئی جلوہ گستری

زلفِ سیاہ بھی شبِ مہتاب ہو گئی

(گ تم میں مصرعِ اوّل میں ہوئی کی جگہ کھلی ہے، جو نسخۂ شیرانی کی قرأت ہوگی۔)

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

یک لمحہ انتظار کی طاقت نہ لا سکی

اے جانِ بر لبِ آمدہ بیتاب ہو گئی

گ تم میں، مصرعِ اوّل یہ ہے:

بیدادِ انتظار کی طاقت نہ لا سکی

نسخۂ عرشی کی طرح، الف کی نستعلیق خواندگی میں مصرعِ ثانی میں "اے جانِ بر لبِ آمدہ" لکھا ہے۔ جان میں کسرۂ اضافت لگانا درست نہیں ہے۔

"یک لمحہ" ضرورت سے زیادہ مبالغہ ہے اور شاعرانہ مبالغہ کی حد سے بہت آگے نکل جاتا ہے اس لئے میرزا یہ نہیں لکھتے

مقطع میں اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اصلاح سے اسد تخلص کا مقطع، غالب تخلص والا بنا دیا گیا ہے۔ اصلاح سے پہلے مقطع یوں تھا:

ازبسکہ اشک سوکھ گئے چشم میں اسد
آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہو گئی

اصلاح سے مصرع اوّل یوں کیا گیا ہے:

غالب زبسکہ سوکھ گئے اشک چشم میں

گ ر م میں یہ مصرع یوں ہے:

غالب زبسکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک

کوئی وجہ نہیں، کہ میرزا نے اسد کا مقطع لکھا ہوتا تو اس کو غالب کا مقطع بناتے۔ آخر پچھلی "نوریافت" غزل میں "اسد" کا مقطع ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ "پچھلی نوریافت" غزل میں جو واحد شعر نسخۂ بھوپال میں ہے اس میں "سواشکِ کباب" تھا، جس کو "مخطوطے" میں "سرشکِ کباب" کیا گیا ہے۔ اور نسخۂ بھوپال میں یہاں "چشم میں سرشک" ہے، اس کو "اشک چشم میں" دکھایا گیا ہے "مخطوطے" میں یہ کھلی ہوئی اصلاح غیر ہے۔ ورنہ میرزا کے ذہن میں تنزل تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور یہ حقیر اتنی بڑی بات فرض کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۱۲۱ شروع ہوتی ہے۔ جس کے کچھ شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ مطلع اور مقطع متداول دیوان میں ہیں۔ باقی چار شعر نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گل رعنا کے حوالے سے گ ر م میں ص۲۰ پر نقل ہوئے ہیں۔ "مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

بسملِ اشک، لختِ دل ہے دامن گیر مژگاں کا
غریقِ بحر جویائے خس و خاشاکِ ساحل ہے

گ ر م میں مصرع اوّل میں "دامن گیر مژگاں کا" ہے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

بہا ہے یہاں تک اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر
کہ چشم تر میں ہر یک پارۂ دل پائے در گل ہے

گ م میں بھی شعر کی یہی قرأت ہے، لیکن نسخۂ بھوپال میں، مصرعِ ثانی میں "ہر یک" کی جگہ "ہر اک" ہونا، اختلافِ نسخ (ن ع ص ۱۱۹) میں دکھایا گیا ہے۔ گویا "ہر یک" نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا میں ہے
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

نکلتی ہے تپش میں بسملوں کی برق کی شوخی

زبس دل میں خیالِ گرمیٔ اندازِ قاتل ہے

گ م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

غرض اب تک خیالِ گرمیٔ رفتارِ قاتل ہے

اختلافِ نسخ کے باب میں کوئی اندراج اس شعر کے سلسلے میں نہیں ہے۔
"مخطوطے" میں مقطع کا مصرعِ اوّل پہلے یوں تھا:

اسدؔ وہ گل کرے جس گلستاں میں جلوہ فرمائی

پھر اس کو قلم زد کر کے دوسرا مصرع فراہم کیا گیا اور مقطع یوں ہوا:

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالبؔ

چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے۔

اصلاح کے بعد مقطع کی قرأت وہی ہو گئی ہے، جو متداول دیوان میں ہے۔ نسخۂ عرشی، نسخۂ مالک رام اور نسخۂ اکرام (ارمغانِ غالب) میں مقطع اسی طرح ہے۔ نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے باب میں کوئی اندراج نہیں ہے۔ لیکن نسخۂ مالک رام میں (ص ۱۹۱) دوسرے مصرع کے سلسلے میں فٹ نوٹ میں یہ اندراج ہے:

ح (نسخۂ حمیدیہ) غنچۂ دل؛ غنچۂ گل

یہ فٹ نوٹ ضرورت سے زیادہ مختصر ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ نسخۂ حمیدیہ میں، نسخۂ بھوپال کی پہلی قرأت جو درج ہے۔ اس میں "غنچۂ گل" کے بجائے "غنچۂ دل" تھا۔ اگر یہ درست ہے تو "مخطوطے" میں متداول دیوان کی قرأت "غنچۂ گل" کا ہونا، "مخطوطے" کے ... اور ثبوت ہے

قطع نظر اس بات کے، اسد کے مقطع کو غالب کا مقطع بنایا جانا، نہ صرف مذاق بلکہ بڑی مصنوعی بات ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ اگر اسد کے مقطعوں کو غالب کے مقطعے بنانا میرزا کا منشا تھا تو بہت سے مقطعے چھوڑ کیوں دیئے؟

میرزا نے چونکہ اسد تخلص ترک نہیں کیا تھا۔ اس لئے اگر یہ اسد تخلص کا مقطع ہوتا تو اسی کو برقرار رکھتے۔ یہ غالب تخلص کا مقطع ہے اس لئے یہ باور کیا جانا چاہیئے کہ انھوں نے اس میں غالب ہی تخلص ڈالا ہوگا۔ اور اسد والا مصرع جو مخطوطے میں دکھایا گیا ہے وہ اصلاح معکوس ہے۔

الف کے ورق ۵۰ الف اور عابدی کے ص۹۱ پر ناقل سے ایک اور غلطی ہوئی ہے جس سے "مخطوطے" کا نسخۂ عرشی سے نقل ہونا ثابت ہے۔ (ن ع گ م) میں ص۸۰ پر غزل ص۲۲۴ کا چھٹا شعر نسخۂ بھوپال نسخۂ شیرانی اور گل رعنا کے حوالے سے یوں نقل ہوا ہے:

درونِ جوہرِ آئینہ، جوں برگِ حنا، خوں ہے

بتاں نقشِ خود آرائی، حیا تحریر بہتر ہے

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع یوں ہے:

بتاں نقشِ خود آرائی حیا، تعمیر بہتر ہے

ایک تو قافیہ تحریر کے بجائے تعمیر لکھا گیا ہے، جو کتابت کی غلطی ہے۔ اور یہ صرف کاتب کر سکتا تھا۔ نسخۂ مالک رام میں ص۲۵۶) قافیہ "تحریر" ہے۔ گ م میں اس سے قبل کے شعر میں تعبیر کا قافیہ ہے۔ "مخطوطے" کے کاتب کی نظر بہک گئی اور اس نے تعبیر کو تعمیر پڑھ کر لکھ دیا۔ یہ قیاس قیاسِ محض یا بے بنیاد قیاس نہیں ہے۔ دراصل یہ شعر یوں ہے:

درونِ جوہرِ آئینہ، جوں برگِ حنا، خوں ہے۔

بتاں، نقشِ خود آرائے حیا تحریر بہتر ہے

نسخۂ عرشی اور نسخۂ مالک رام میں علامات اوقاف درست نہیں ہیں۔ دونوں نسخوں میں خود آرائی لکھا ہے۔ لیکن دراصل یہ "خود آرائے" ہے۔ ۂ زائد ہے۔ نسخۂ عرشی میں جہاں اضافت

کے لئے ی استعمال ہوتی ہے۔ وہاں عام طور سے یائے معروف لکھی گئی ہے۔ جیسے مثلاً پر اگر ۴ دوسرے شعر، جس میں عصائی خضر چھپا ہے۔ یا مثلاً پر پانچویں شعر میں خانہ ہائے منعماں کی جگہ خانہ ہائی منعماں چھپا ہے۔ یہ طریقہ سارے نسخے میں ہے۔

اس شعر میں خود آرائی کے بجائے خود آرائی چھپ گیا ہے۔ اور یہی غلطی مخطوطے میں در آئی ہے اور وہاں بھی خود آرائی، ہمزہ کے ساتھ لکھا ہے۔

شعر کی جو قرأت نسخۂ عرشی، نسخۂ مالک رام اور "مخطوطے" میں ہے۔ اس سے شعر کے کوئی معنی نہیں نکلتے۔ "نقش خود آرائے حیا تحریر" ایک ترکیب ہے۔ اس شعر کے مخاطب "بتاں" ہیں جو آئینہ کے سامنے ہیں۔ جس طرح برگِ حنا کے اندرون خون ہے۔ اسی طرح آئینہ کے جوہر میں بھی خون ہے۔ خون سے بہتر وہ تحریر ہے، جو نقش خود آرائے حیا ہے۔ یعنی حیا کی سرخی (جو چہرے پر تحریر ہے) تحریر کی جگہ تعمیر، جس طرح "مخطوطے" میں ہے اس سے اس شعر کے معنے گنجلک ہو جاتے ہیں۔

مقطع میں اصلاح ہے، پہلے یوں لکھا گیا تھا؛

تمنا ہے اسد قتل رقیب و سجدۂ شکر ہے

دعائے دل بمحراب خم شمشیر بہتر ہے

الف میں تصریحات کے تحت مصرع اولیٰ کی پہلی قرأت یہی درج ہے۔ یہ مصرع ساقط الوزن ہے اور یہ میرزا اپنے قلم سے نہیں لکھ سکتے تھے۔

عین میں حواشی کے تحت درج ہے کہ "سجدۂ شکری" پہلی قرأت تھی۔ گویا مصرع یوں تھا؛

تمنا ہے اسد قتل رقیب و سجدۂ شکری

یہ مصرع بھی میرزا کا نہیں ہو سکتا۔

مخطوطے میں شکر کے بعد کے لفظ کو کا بنا دیا گیا ہے۔ شکر کا پر رقم اور سجدہ پر ح (نقطے کے بغیر) ہے لیکن سجدہ کی ہ پر سے اضافت کا ہمزہ قلمزد نہیں کیا گیا ہے۔
مصرع یوں ہو گیا ہے؛

تمنا ہے اسد قتل رقیب و شکر کا سجدۂ

ہزاجسرانی کے بعد بھی یہ میرزا کا مصرع اس وقت ہوگا۔ جب سجدہ پر سے
اضافت کا ہمزہ تلفظ کیا جائے، لیکن بات نہیں ختم نہیں ہوتی۔ نسخۂ عرشی میں جو اندراج اختلافِ نسخ
کے باب میں ص۱۹۸ پر ہے۔ اس کے مطابق "مخطوطے" میں مصرعِ اوّل وہ ہے۔ جو نسخۂ شیرانی میں ہے
اس اندراج کے مطابق نسخۂ بھوپال میں "تمنا ہے اسد" نہیں "تمنا سے اسد" ہونا ظاہر ہے۔ اگر یہ
اندراج درست ہے تو "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کا مصرع ہونا اس کے
جعلی ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔

اسی صفحے پر غزل ص۱۵۹ ہے، اس میں چھ شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے
سے گ۔م میں ص۱۰۱ پر درج ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

گدازِ سعیٔ بینش شست وشوے نقشِ خودکامی

سراپا شبنم آئینِ یک نگاہِ پاک باقی ہے

گ۔م میں، مصرعِ اوّل نسخۂ بھوپال کے مطابق یوں ہے:

گدازِ سعیٔ بینش شست وشو سے نقشِ خودکامی

نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے باب میں (ص۴۱۲) یہ اندراج ہے کہ "شست وشوئے
نقش" نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے، گویا "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کا مصرع

اسی طرح "مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہوا ترکِ لباسِ زعفرانی دلکشا، لیکن

ہنوز آفت لبِ یک خندہ یعنی چاک باقی ہے

گ۔م میں مصرعِ ثانی نسخۂ بھوپال کے مطابق یوں ہے:

ہنوز آفت نسب یک عقدہ یعنی چاک باقی ہے

اختلافِ نسخ کے باب میں (ن ع ص۴۱۳) یہ اظہار ہے کہ "خندہ" نسخۂ شیرانی میں ہے

ان دونوں شعروں میں نسخۂ بھوپال کی بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت "مخطوطے" میں ہونا، اس کے کھوٹے ہونے کی مزید شہادتیں ہیں۔

ن ع میں پانچواں شعر ہے:

چمن زارِ تمنا ہوگیا صرفِ خزاں لیکن

بہارِ نیم رنگِ آہِ حسرتناک باقی ہے

"مخطوطے" میں مصرعِ اولیٰ یوں ہے:

چمن زارِ تمنا درخزاں پیچیدہ ہے لیکن

"مخطوطے" میں مصرع سریحاً بھونڈی اصلاحِ معکوس کے بعد لکھا گیا ہے۔ میرزا "پیچیدہ" یہاں پر استعمال نہیں کرتے۔ "چمن زارِ تمنا ہوگیا نذرِ خزاں لیکن" یا "چمن زارِ تمنا درخزاں تاراج ہے لیکن" یا اسی قسم کا کوئی مصرع ہوتا، تو میرزا کے رنگ کا دھوکا بھی ہوسکتا تھا۔

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

نہ حیرت چشمِ ساقی کی، نہ صحبت دورِ ساغر کی

اسد محفل میں میری گردشِ افلاک باقی ہے

"اسد محفل میں میری" کے الفاظ قلم زد کر کے "میر محفلمیں غالب" (میری محفل میں غالب) کے الفاظ [illegible] کے قلم سے [illegible] اصلاح کے بعد مقطع کی قرأت نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی قرأت کے مطابق ہوگئی ہے۔ قیاس غالب ہے کہ میرزا نے جب یہ غزل لکھی تھی۔ تو اس میں غالب تخلص ہی ڈالا ہوگا۔ اسد والا مصرع اصلاحِ معکوس کے بعد لکھا گیا ہے "اسد محفل میں میری" کے ٹکڑے میں، میں اور میری کو ساتھ ساتھ پڑھنے سے خوشگوار صوتی ترمرتب نہیں ہوتا۔ اگر اسد ہی والا مصرع میرزا لکھتے تو اس کی کئی صورتیں ہوسکتی تھیں، مصرع یوں بھی ہوسکتا تھا:

ابھی بزمِ اسد میں گردشِ افلاک باقی ہے

الف کے ورق ۲۸ ب اور ۲۹ الف کے صفحہ پر غزل ۲۰ ہے جس میں سات شعر ہیں۔ ان میں چھ

نسخۂ بھوپال میں ہیں۔ تین متداول دیوان میں اور تین گم ہیں، صفحہ ۹ پر، جو فٹ نوٹ کے مطابق نسخۂ شیرانی میں بھی ہیں۔

دوسرا شعر گم میں یوں ہے:

بحلقۂ خمِ گیسوئے راستی آموز

دہانِ مار سے گویا صبا نکلتی ہے

"مخطوطے" میں پہلا مصرع یوں ہے:

بحلقۂ خمِ گیسو ہے راستی آموز

"مخطوطے" میں جو مصرع ہے، وہ نسخۂ شیرانی کے مطابق ہے۔ "گیسوئے راستی آموز" نسخۂ بھوپال میں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ۱۲۳۱ھ سے پہلے جو مصرع میرزا نے لکھا، وہ اصلاح کے بعد نسخۂ بھوپال میں لکھا گیا۔ اور پھر اس اصلاح کو کالعدم کر کے ۱۲۳۱ھ سے قبل کا مصرع نسخۂ شیرانی میں لکھوایا گیا۔ ایسی اتنی مثالیں "مخطوطے" میں ہیں، کہ یہ کھرا ہوتا تو میرزا کے ذہن میں فتور ثابت تھا۔

چوتھا شعر نودریافت ہے:

بہارِ شوخ و چمن تنگ و رنگِ گل دلچسپ

نسیم باغ سے پا در حنا نکلتی ہے

بظاہر بڑا شگفتہ شعر ہے، لیکن چمن کے تلازموں کے باوجود دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ "پا در حنا" کی ترکیب محلِ نظر ہے۔ اور یہاں کوئی معنی بھی نہیں دیتی۔

"مخطوطے" میں [illegible] ہے:

نشاطِ [illegible] سے آئی ہے شبنم

صبا بہ غنچہ کی خلوت میں جا نکلتی ہے

نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے باب میں صفحہ ۲۵۴ پر اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں پہلا مصرع یہ ہے:

فشارِ تنگیٔ صحبت سے ہوتی ہے شبنم

موتی کے بجائے آتی، نسخۂ حمیدیہ میں ہے۔ نسخۂ حمیدیہ کا زمانۂ ترتیب نسخۂ شیرانی کے سو برس بعد کا ہے۔ اس کی قرأت "مخطوطے" میں ہونا یہ تو ثابت ہی کر دیتا ہے، کہ "مخطوطہ" یقیناً ۱۳۴۲ ہجری (۱۹۲۸ء) کے بعد کا ہے۔ اس سے اس کا بخطِ غالب نہ ہونا ثابت ہے۔

مقطع کی قرأت مخطوطے میں اور گ۔م میں یکساں ہے:

اسدؔ کو حسرتِ عرضِ نیاز تھی دمِ قتل

ہنوز یک سخن بے صدا نکلتی ہے

اس حقیر کا یہ خیال ہے، کہ مصرع ثانی کا پہلا لفظ ہنوز نہیں، کچھ اور ہوگا، جو شاید نسخۂ بھوپال (نسخۂ حمیدیہ) اور نسخۂ شیرانی میں غلط نقل ہوا ہے۔ اور یہ غلطی نسخۂ عرشی تک پہونچی ہے۔

"سخن بے صدا" کی تذکیر کے بارے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں، اور اس بات کے بارے میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں، کہ میرزا اسے تانیث کے صیغے میں نظم نہیں کرتے۔ ہو سکتا ہے مصرع یوں ہو:

سو وہ زیک سخن بے صدا نکلتی ہے

یا

ستو زیک سخن بے صدا نکلتی ہے

جائز طور پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ مصرع یوں ہو "سو وہ بیک سخن بے صدا نکلتی ہے"۔ مصرع لکھنے میں غلطی کے امکانات یہ ہو سکتے ہیں:

سوز یک سخن بے صدا نکلتی ہے (سو کے بعد وہ چھوٹ گیا اور سو کو ہنوز لکھ دیا گیا)
ستوز یک سخن بے صدا نکلتی ہے (ستو کو ہنوز لکھ دیا گیا)
سو و بیک سخن بے صدا نکلتی ہے (وہ کی ہ چھوٹ گئی ہے۔ سو کو ہنوز لکھ دیا گیا، بیک کو یک لکھ دیا گیا)

نسخۂ عرشی میں یہ شعر کھٹکتا تھا۔ خاص طور سے اس وجہ سے بھی کہ جنابِ عرشی نے غالب پر کام کرنے میں ایک عمر صرف کی ہے اور بڑی جانفشانی، لگن اور گہری نظر سے، چھان پھٹک کر یہ

نسخۂ ترتیب دیا ہے۔ اگر یہ "مخطوطہ" واقعی میرزا کے خط میں ہوتا، تو اس میں اس شعر کی قرأت وہی نہیں ہوتی، جو نسخۂ عرشی میں ہے۔ مخطوطے اور نسخۂ عرشی میں اس شعر کے الفاظ ایک ہونا اس بات کی جانب واضح اشارہ ہیں کہ "مخطوطے" کا ماخذ نسخۂ عرشی یا اس کے مصدر نسخے ہیں۔

اسی صفحہ پر غزل ۱۳ کے پانچ شعر ہیں۔ مطلع اور تین شعر متداول دیوان میں ہیں۔ اور مقطع "گنجینۂ معنی" میں ہے۔ (نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے)

دوسرا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

بہ پیچ تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ

نگاہ خفتہ سر رشتۂ سلامت ہے

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں مصرع ثانی اسی طرح ہونا، اختلافِ نسخ (ن ع ص ۲۹۴) کے باب میں اندراجات سے ظاہر ہے، لیکن مصرع اول میں "پیچ و تاب" ہے۔ "پیچ تاب" نسخۂ رام پور میں لکھا گیا ہے۔ اگر یہ اندراج درست ہے، اور نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں "پیچ و تاب" ہے تو پھر یہ بھی "مخطوطے" کے کھوٹے ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۱۳۲ شروع ہوتی ہے، اس میں سات شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گنجینہ میں ص ۶۲ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں دو مطلعے، اور تیسرے شعر کا مطلع اول اسی صفحے پر ہیں۔ باقی غزل اگلے کے ورق ۱۴ الف اور عین کے ص ۱۴ پر ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

بلبل تصویر ہوں بیتاب اظہار تپش

جنبش نال قلم جوش پر افشانی ہے مجھے

گ م میں بھی اس شعر کی یہی قرأت ہے، لیکن اختلافِ نسخ کے باب میں ص ۲۱۴ پر جو اندراج اس شعر کے متعلق ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ قرأت نسخۂ شیرانی کی ہے۔ مصرع ثانی کی قرأت نسخۂ بھوپال میں مخطوطے میں "تا بہ پر افشانی" کے بجائے "پر افشانی" ہے۔ "مخطوطے" کے مخطوط عالیہ ہونے کی سند دینے والے کس حد تک یہ باور کر سکتے ہیں، کہ میرزا نے نسخۂ بھوپال میں جو مصرع اصلاح کر کے لکھوایا، نسخۂ شیرانی میں اصلاح کو منسوخ کر کے پہلے کی قرأت پر واپس

آگئے۔ یا تو میرزا کے دماغ میں فتور ہونے پر ایمان لانا پڑے گا یا پھر "مخطوطے" کو "بخطِ غالب" بتانے والوں اور ان کے گواہوں کی نیتوں میں فتور ہونے پر ایمان لانا پڑے گا۔ دونوں کے بیچ کی کوئی بات ممکن نہیں ہے۔

الف کے ورق ۱م الف اور عین کے صہ۱ پر "غالب" کے جیبیّہ خط میں حاشیے پر ایک یادداشت ہے:

لعل خاں تاریخ اول صفر ۱۲۳۵

دریاچہ

عجب

یہ بات آگے آئے گی، کہ ترقیمے میں "مخطوطے" کی کتابت کا دن تاریخ اور وقت سب کچھ ہے لیکن سنہ لکھنے سے رہ گیا ہے۔ تقویم سے ۱۲۳۱ ہجری کا سال معلوم کر لیا گیا، اور اس کی تصدیق لعل خاں کے ڈھائی روپے ماہوار پر کسی عہدے پر فائز ہونے کی تاریخ سے کرائی گئی ہے۔

"مخطوطے" کا "بخطِ غالب" نہ ہونا حاشیے کی اس یادداشت سے ثابت ہے اول صفر ملاحظہ فرمائیے، تاریخوں کے سلسلے میں اوّل اور ثانی وغیرہ نہ پہلے لکھتے تھے اور نہ اب لکھتے ہیں۔

میرزا کے خطوط موجود ہیں، خطوں کا مجموعہ اردوئے معلیٰ، جو ۱۸۹۹ء میں مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا تھا اور جس کی اشاعت کی نگرانی خود خواجہ الطاف حسین حالی نے کی تھی۔ وہ سامنے ہے۔ اس میں ایک خط بھی ایسا نہیں ہے، جس میں میرزا نے اول، ثانی وغیرہ تاریخ کے لئے لکھا ہو۔

صہ۳۱۱ پر ایک خط یوں شروع ہوتا ہے، صبح یکشنبہ یکم مارچ ۱۸۶۲ء صاحب

پرسوں تمہارا خط آیا۔

صہ۳۲۳ پر ایک خط پہ یکم جنوری ۱۸۶۴ء کی تاریخ ہے۔

صہ۱۸۴ پر حکیم سید احمد حسن مودودی کے نام خط یکم ستمبر ۱۸۶۶ء کو لکھا گیا۔

"مرقعِ غالب" میں پرتوی چند صاحب نے میرزا کے جو خط، میرزا ہی کی تحریر میں فوٹو آفسٹ سے شائع کئے ہیں، ان میں سے صرف دو خط نواب کلب علی خان کو پہلی تاریخوں کو لکھے گئے تھے اور دونوں میں اوّل نہیں، یکم ہے۔

ایک خط یکم محرم الحرام ۱۲۸۲ ہجری کو لکھا گیا تھا۔
دوسرا خط ..... روز یکشنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۶ء کو لکھا گیا تھا۔

مندرجہ بالا دونوں تاریخیں میرزا کے ہاتھ کی تحریریں ہیں۔
میرزا نے مہینے کے شروع کے لئے "اوائل" استعمال کیا ہے، لیکن پہلی تاریخ کو کہیں اول نہیں لکھا ہے، ہر جگہ یکم لکھا ہے۔ کلیات نثر مطبوعہ ۱۲۸۴ھ مطبع نولکشور میں بھی کسی خط میں اول تاریخ درج نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں اول صفر کی تاریخ چونکہ اسی خط میں دکھائی گئی ہے جس خط میں یہ "مخطوطہ" لکھا گیا ہے۔ اس لئے یہ بات کسی شک وشبہ کے بغیر پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ "مخطوطہ" بخط غالب نہیں ہے۔

زمانہ کتابت کے سلسلے میں ڈرامہ پیدا کرنے کی کوشش نے "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا ایک اور ناطق ثبوت خود ہی فراہم کر دیا۔ اگر حاشیے پر اول تاریخ نہ بھی لکھی جاتی، تو بھی جن باتوں کی نشاندہی پچھلے صفحات میں کی گئی ہے، اُن سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ "مخطوطہ" میرزا کا لکھا ہوا نہیں بلکہ اُن کی نظر سے بھی نہیں گذرا تھا۔

حاشیے کی اس تحریر میں صرف اول کا لفظ ہی قابل گرفت نہیں، بلکہ حاشیے پر ایسی غیر اہم یادداشت کا درج ہونا نفاست کے منافی ہے۔ جو میرزا کی طبع کا خاصہ تھی یہ نسخہ دو مربعوں میں بڑے اہتمام سے لکھا گیا ہے اور میرزا کی افتاد طبع کو ملحوظ رکھ کر یہ اہتمام کیا گیا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس پر بیڑہ مارنے کے لئے ایسی یادداشت اس پر لکھی جاتی، اگر میرزا کی بیاض ہوتی اور انھوں نے خود لکھی ہوتی؟ کسی اور ورق پر کوئی اور یادداشت نہیں ہے۔ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ ۱۹ برس سے ۲۴ برس کی عمر تک چار یا پانچ برسوں میں میرزا کی زندگی صرف یہی ایک اہم تاریخ تھی، جب انھوں نے لعل خاں کو [illegible] کی ملازمت کے عہدے پر فائز کیا؟ اگر تاریخ لکھنا ہی تھی تو بیاض کے شروع یا آخر میں، پشتے کے اوراق پر لکھنے کے بجائے اندر کے ایک صفحہ پر کیوں لکھی ـــــ جس پر ان کا کلام تھا۔ آخر بیاض کا ۱۲۳۱ ہجری میں تیار ہونا دکھایا گیا ہے، اگر تاریخ اتنی اہم تھی تو اس کو ڈھونڈنے کے لئے ساری بیاض کی ورق گردانی ضروری ہوتی کیونکہ صفحات پر نمبر درج نہیں ہیں۔

ایک اور اہم بات ہے، گھروں میں کام کرنے کے لئے جو لوگ ملازم رکھے جاتے تھے۔ [illegible] شروع ہوا اور تنخواہ دے دی گئی اگر تاریخ لکھنا اتنا ہی ضروری سمجھا گیا تو یہ لکھنے کا کیا جواز ہے؟ کیا ملازم رکھتے وقت یہ بات طے کر لی تھی کہ اگلے کئی برسوں تک تنخواہ نہیں دینا ہے ـــــ اور اس تاریخ اور سال

سے حساب کرنے میں آسانی ہوگی؟ اگر یہ بات تھی، تو پھر اس بیاض کو انھوں نے اپنے پاس سے کب اور کیوں جدا کیا؟ دوسرے قرض خواہوں کا حساب اس بیاض میں کیوں نہیں ہے؟ اگر سودا سلف قرض آتا تھا، تو اجناس کی مقدار، نرخ اور رقومات بھی اس بیاض میں کیوں نہیں لکھی گئیں؟ (اگر چنے کی دال اور ہلدی کے ساتھ ساتھ اولڈ ٹام کے بھاؤ بھی لکھے ہوتے تو اس کی "تاریخی" اہمیت اور بڑھ جاتی)

پھر ترقیمے میں تو سنہ لکھنا بھول گئے، حالانکہ اس کا نشان انھوں نے لکھا، لیکن یہاں سنہ لکھا (معلوم نہیں اتنی اہم تقریری کا دن، اور وقت کیوں نہیں لکھا گیا) بہرحال "مخطوطہ" بنانے والوں نے ترقیمے کی کمی پوری کرنے کے لیے حاشیہ پر لعل خاں کی تقرری جس طرح دکھائی ہے وہی غالب کی طرف سے صفائی کی شہادت ہے، کہ میں بے قصور ہوں، یہ میری تحریر نہیں ہو سکتی۔

اسی صفحے پر غزل ۱٦۳ کا چوتھا شعر "مخطوطہ" میں یوں ہے:

حسرتا اے ضبطِ سوزش، حیرتا اظہارِ حال
داغ بے مُہرِ دہن جوں چشمِ قربانی مجھے

پہلا مصرع بے معنی ہونے کی حد تک گنجلک ہے۔ اگر حسرتا ہے، تو حیرتا بھی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن بات پھر بھی نہیں بنتی۔ "حسرتا اے ضبطِ سوزش، حیرتا اظہارِ حال"۔ سے مصرع کی صورت نکھرتی اور کھینچ تان کے میرزا کے دلی رنگ میں سما جاتا۔ یہ مصرع میرزا کا نہیں ہے۔ میرزا کا مصرع وہ ہے جو نسخۂ عرشی میں متن پر ہے:

ضبطِ سوزِ دل ہے وجہِ حیرتِ اظہار

نسخۂ بھوپال، اور نسخۂ شیرانی میں بھی مصرع اسی طرح ہے۔

غزل کا پانچواں شعر "مخطوطہ" میں اس طرح لکھا ہے:

شوخ ہے مثلِ حباب از پوست بیروں آمدن
ہے گریباں گیرِ فرصت ذوقِ عریانی مجھے

کھال سے باہر آنا حباب کی طرح شوخ (بات) ہے۔ میرا ذوقِ عریانی فرصت کے لئے گریباں گیر ہے۔ مضمون بہت واضح ہے۔ "کھال" (پوست) کا مصرف سمجھ میں نہیں آتا۔
کھال سے باہر آنا یا پوست سے باہر آنا کوئی محاورہ بھی نہیں ہے۔ کھال کھینچنے کا تصور بھی یہاں کوئی مدد نہیں دیتا۔ گ م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ شعر نقل ہوا ہے:

شوخ ہے مثلِ حباب از خویش بیروں آمدن

ہے گریباں گیرِ فرصت ذوقِ عریانی مجھے

اپنے آپ میں سے باہر آنا یعنی خود پرستی اور ظاہر داریوں کو ترک کرنا حباب کی طرح شوخ ہے مجھ میں جو ذوقِ عریانی ہے، یعنی اپنے اصل روپ کو آشکار کرنے کا جو ذوق ہے، وہ فرصت کا گریباں پکڑے ہوئے ہے، یعنی فرصت میسر نہیں، ورنہ میں اپنے آپ کو اسی طرح آشکار کر دیتا جیسے حباب خود کو، خود میں سے آشکار کرتا ہے۔
غالب کا اصل شعر یہی ہے اور یہی اس کی پہلی شکل بھی ہوگی۔ مخطوطے میں پہلا مصرع ایک لفظ تبدیل ہو جانے کی وجہ سے غالب کا نہیں رہا۔
ایک ہی زمین میں دو غزلیں (م۱۴۳ اور م۱۴۴) پانچ پانچ شعروں کی ہیں۔ ان میں سے نو شعر گ م میں ص۹۰ اور ص۹۱ پر ہیں جو نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا کے حوالے سے نقل ہوتے ہیں۔ ایک شعر متداول دیوان میں ہے:

پا بدامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد

خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

گ م اور مخطوطے میں کچھ مصرعوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے، پہلی غزل کے تیسرے شعر میں جہاں "تیغِ یار" ہے، وہاں گ م میں "تیغِ ناز" ہے۔
دوسری غزل کا مطلع ہے:

باعثِ واماندگی ہے عمرِ فرصت جو مجھے

کر دیا ہے پا بہ زنجیرِ رمِ آہو مجھے

دوسرا مصرع پہلے یوں لکھا گیا تھا، جیسا کہ الف میں تصریحات کے تحت اور عین میں حواشی کے تحت اعتراف بھی کیا گیا ہے:

پائے وحشت میں ہے زنجیرِ رم آہو مجھے

پچھلے الفاظ کچھ چھیلے گئے ہیں اور کچھ ان پر لکھا گیا ہے —— اور مصرع اس طرح کر دیا گیا ہے جیسا کہ گ م میں ہے۔ الف میں ذرا کم چھیل چھال ہے، اس لئے چھیلے ہوئے الفاظ کے دھندلے خطوط نظر آتے ہیں۔ لیکن عین میں چھپائی اتنی ہے، کہ چھیلے الفاظ غائب ہیں۔ پھر بھی غائب الفاظ پڑھ لئے گئے ہیں۔ کمال ہے "پائے وحشت میں ہے زنجیرِ رم آہو مجھے" ایسا بیہودہ مصرع ہے کہ اس کو کوئی ہوشمند میرزا سے منسوب نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے "مخطوطہ" ردیف وار بیاض ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، کہ میرزا نے اپنا ابتدائی کلام غیر مردّف بیاض سے نقل کیا تھا، تو کیا میرزا نے "صرف" پائے وحشت میں ہے زنجیرِ رم آہو مجھے" نظم کیا تھا بلکہ اس کو اپنی ابتدائی بیاض میں لکھا تھا۔ اور پھر اس "مخطوطے" میں نقل بھی کیا؟ یہ بات حلق سے نیچے نہیں اتر سکتی۔ اس سے یہ بات ایک بار اور واضح ہوتی ہے، کہ جہاں، جہاں "مخطوطے" میں شعروں کی قرأت نسخۂ بھوپال کی قرأت سے مختلف ہے، وہاں اصلاحاتِ معکوس کی کار فرمائی ہے۔

مقطع میں سازِ کی جگہ محو کیا گیا ہے۔ اگر اس کی تصدیق کسی اور ماخذ سے نہ ہوتی ہو۔ تو یہ بھی اصلاح غیر ہے۔

الف کے ورق ۱۴ ب اور عین کے ص ۲۸ پر غزل ۱۶۵ ہے جو بشمولِ مطلع و مقطع چھ شعروں پر مشتمل ہے۔ مطلع ایک شعر اور مقطع متداول دیوان (نوائے سروش ص ۲۱۴) اور تین شعر گ م میں ص ۴۸ پر ہیں۔ گ م کے اشعار کے لئے نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کا اور متداول دیوان کے اشعار کے لئے نسخۂ بھوپال کا حوالہ دیا گیا ہے۔

متداول دیوان میں مطلع ہے:

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یارب مجھے

سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے

"مخطوطے" میں پہلا مصرع یوں ہے جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کی قرأت کے مطابق ہے:

یاد ہے شادی میں عقدِ نالۂ یارب مجھے

متداول دیوان میں چوتھا شعر ہے :

طبع ہے مشتاقِ لذتہائے حسرت کیا کروں

آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے

"مخطوطے" میں اس کو مقطع دکھایا گیا ہے :

طبع ہے مشتاقِ لذتہائے حسرت اے اسد

آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے

پچھلی شہادتوں کی بنا پر یہ بات بعید از حقیقت نہ ہوگی کہ اسد کا یہ مقطع اس لئے بنایا گیا ہے کہ غزل میں غالب کا مقطع ہے اور غالب کا مقطع دکھایا نہیں جا سکتا تھا۔

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے

عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

غزل ۱۲۶، جو مخطوطے کے بائیں صفحے پر شروع ہوتی ہے (عین ۱۲۸ اور الف ورق ۱۲۹ ب) اور اگلے صفحے پر ختم ہوتی ہے، اس میں بشمولِ مطلع و مقطع پانچ شعر ہیں۔ گ م ص۹۹ اور صدا پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے جو غزل درج ہے، اس میں ایک شعر زیادہ ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع یوں ہے :

کاوشِ دزدِ حنا پوشیدہ افسوں ہے مجھے

ناخنِ انگشتِ خوباں لعلِ و اژدر ہے مجھے

نسخۂ بھوپال میں دوسرے مصرع میں "لعلِ و اژدر" ہے۔ "لعل" نسخۂ شیرانی میں ہے۔ یہ دو ہی نسخے تھے جن، نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت "مخطوطے" میں ہے۔ ظاہر ہے کہ مخطوطے کے جعلی ہونے کا ثبوت ہے۔

دیکھ کر جوشِ جوانی کی ترقی بھی کہاں ہے

دید کی امید کا [illegible] اژدر ہے مجھے

مخطوطے میں شعر یوں ہے :

حسرت اے آغاز و انجام سیہ شام شباب

ماہ کی مانند کاہش روز افزوں ہے مجھے

" مخطوطے " میں شعر جس طرح ہے، میرزا اس طرح نہیں لکھ سکتے تھے "ماہ کی مانند کاہش روز افزوں ہے مجھے" صرف اس وقت کہا جا سکتا ہے، جب چاند صرف گھٹتا ہی ہو ۔ چودھویں کو چاند پورا ہوتا ہے ۔ پہلی سے چودھویں تک چاند (ماہ) بڑھتا رہتا ہے، چودھویں کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتا ہے، اس لئے یہ بے ہودہ مصرع میرزا سے منسوب نہیں کیا جا سکتا ۔ پہلا مصرع بھی میرزا نہیں کہہ سکتے تھے "سیہ شام" بھرتی کے الفاظ ہیں ۔

مخطوطے میں تیسرا شعر ہے :

ہو گئے ہم یک دگر گردش پریشانی سے جمع

گردش جام تمنا دور گردوں ہے مجھے

گ م میں مصرع اوّل میں " ہم یک دگر " کے بجائے " باہم دگر " ہے، اور یہی میرزا کا مصرع ہے

مقطع گ م میں یوں ہے :

غنچگی ہے ہر نفس پیچیدن فکر، اے اسد

واشگفتنہائے دل در رہن مضموں ہے مجھے

" مخطوطے میں دوسرا مصرع یوں ہے :

واشگفتنہائے دل در رہن مضموں ہے مجھے

" مخطوطے " کا مصرع گ م کے مصرع سے یقیناً بہتر ہے، اور اس میں شک نہیں کہ " مخطوطے "

میں اصلاحی مصرع ہے، جو بعد کا ہے "مخطوطے" میں، نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے اور گ م میں نسخۂ بھوپال کی۔ "مخطوطہ" اگر واقعی نسخۂ بھوپال کا پیش رو ہوتا، تو اس میں نسخۂ بھوپال کی قرأت ہوتی۔ یہ بات قطعاً بعید از امکان ہے کہ نسخۂ شیرانی کا مصرع میرزا نے پہلے لکھا تھا، اور نسخۂ بھوپال والا بعد میں۔ "مخطوطے" کا جعلی ہونا ثابت ہے۔

الف کے ورق ۲۴ الف اور عین کے ص ۲۴ پر غزل ۱۶۸ ہے جس میں سات شعر ہیں۔ یہ ساتوں شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۱۹ پر ہیں۔ صرف ایک شعر میں اختلافِ نسخ ہے۔

گ م میں تیسرا شعر یوں ہے:

جلوۂ بینش پناہ، بخشش ہے ذوقِ نگاہ

کعبۂ پوشش سیاہ مردمکِ احرام ہے

"مخطوطے" میں کعبہ کے بعد کا لفظ ضرورت سے زیادہ روشنائی اور ایک غیر معمولی نقش سے چھپایا گیا ہے، اور اس کے نیچے اصلاحی لفظ کسوت لکھا ہے۔ الف میں تصریحات کے تحت خاموشی اختیار کی گئی ہے، لیکن عین میں حواشی کے تحت درج ہے: "پہلے مُلبَّس تھا اسے قلم زد کر کے نیچے کسوت لکھ دیا گیا ہے (مُلبَّس میں ب پر تشدید دی ہے)" قلم زد لفظ محدب شیشے کی مدد سے بھی پڑھا نہیں جا سکتا۔ لیکن عین کے مؤلف نے یہ بھی پڑھ لیا کہ لفظ "مَلبَس" (لباس، پوشاک) نہیں ہے، بلکہ "مُلبَّس" (پوشاک پہنے ہوئے) ہے۔ حقیر کمال کا خیال ہے کہ ناقل نے غلطی سے "پوشش" ہی لکھ دیا تھا۔ اس کو بڑی حرفت سے اس طرح کاٹا گیا کہ پڑھا نہ جا سکے اور اس پر یہ اصلاح دی گئی۔ اس اصلاح نے اس مخطوطے کو بے حد مخدوش بنا دیا ہے، اور عین میں حواشی کے تحت نہ پڑھے جا سکنے والے قلم زد لفظ کو پڑھ لیا جانا اس کو اور مشکوک بنا دیتا ہے۔ ناموزوں مصرعے تک اس طرح قلم زد ہیں کہ صاف پڑھے جا سکتے ہیں۔ اس ایک لفظ کو اس طرح کاٹنے اور اس پر ایک "فریادی" کی اتنی نیپ بنانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے، سوائے اس کے کہ "پوشش" نہ پڑھا جا سکے، اور اصلاحِ معکوس کا راز فاش نہ ہو۔

اسی صفحے پر غزل ۲۹ شروع ہوتی ہے، جس کے تین شعر اس صفحے پر ہیں اور چار شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ غزل کا مطلع ہے:

بسکہ سودائے خیالِ زلف وحشت ناک ہے

تادلِ شب آبنوسی شانہ آسا چاک ہے

یہ غزل گ۔م میں صہ ۱۰۶ اور ص ۱۰۷ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ہے۔ مخطوطے اور گ۔م میں اشعار کی ترتیب اور قرأت میں کوئی فرق نہیں ہے، اور یہ واقعی حیرت کی بات ہے الف کے ورق ۲۱۴ ب اور عین کے صہ ۱۸۰ پر غزل ۱۰۸ ہے۔ جابجا اس کی قرأت گ۔م میں صہ ۲۰۸ پر اسی غزل کی خواندگی سے مختلف ہے۔ مخطوطے میں ایک شعر زائد ہے، جسے کو دریافت قرار دیا گیا ہے؛

نقشِ صد سطرِ تبسم ہے برآبِ زیرِ کاہ

حسن کا خط پر نہاں خندیدنی انداز ہے

شعر کے معنی کیا ہیں ۔۔ گھانس پھونس کے نیچے جو پانی ہے، اس پر تبسم کی سیکڑوں سطریں نقش ہیں۔ حسن کا خندیدنی انداز خط پر نہاں ہے۔ معشوق کے خط سے زیادہ مولوی کی داڑھی پر یہ شعر ہے کیونکہ گھانس پھونس کی طرح داڑھی معشوق کے چہرے پر نہیں ہوتی۔ پھر "خط پر نہاں" کوئی زبان نہیں ہے۔ میرزا ہرگز نہ لکھتے۔ "خط میں نہاں" درست اور "خط پر نہاں" غلط ہے۔ جب پر اور میں دونوں ہموزن لفظ ہیں، تو میرزا کو کون سی مجبوری تھی کہ پر لکھتے۔ یہ تو دریافت شعر بھی "خط" کا مضمون لئے ہوئے ہے۔

آئیے استعارے سے جو معنے نکلتے ہیں، ان کا بھی تجزیہ کر لیں۔

کاہ، یعنی گھانس پھونس، یعنی معشوق کی داڑھی کے نیچے جو آب یعنی ومک ہے اس میں تبسم کی سیکڑوں سطریں نقش ہیں، خط پر خندیدنی انداز نہاں ہے، سوال یہ ہے کہ میرزا محبوب کے "خط" کو گھانس پھونس کہتے؟ پھر یہاں بھی "خط پر نہاں" میں پر کا استعمال غلط ہے۔ اور یہ غلطی میرزا نہیں کر سکتے تھے اس بنا پر یہ "تو دریافت شعر کلامِ غالب" میں اضافہ نہیں، بلکہ الحاقی قرار پاتا ہے۔ جب یہ شعر الحاقی ہے تو "مخطوطے" میں ساری اصلاحیں الحاقی ہیں اور یہ مخطوطہ بخطِ غالب نہیں۔

آئیے شعر یہ شعر غزل کو دیکھیں۔

مطلع میں اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اصلاح سے پہلے مطلع یوں تھا،

چشمِ خوباں مے فروشِ نشۂ زارِ ناز ہے

سرمہ دودِ نیمجوشاں شعلۂ آواز ہے

دوسرا مصرع مہمل ہے اور میرزا سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات کسی صورت سے قرینِ قیاس نہیں کہ میرزا نے یہ مصرع اس طرح موزوں کیا ہوگا۔ غیر مروّف بیاض میں لکھا ہوگا۔ اور پھر پہلی نام نہاد ردیف دار بیاض میں بھی لکھا۔ دوسرا مصرع اصلاح سے یوں کیا گیا ہے:

سرمہ گویا دودِ موجِ شعلۂ آواز ہے

نسخۂ بھوپال میں مصرع اوّل یہی ہے اور مصرعِ ثانی یہ ہے:

سرمہ گویا موجِ دودِ شعلۂ آواز ہے

"مخطوطے" میں قرأت کا فرق اصلاحِ غیر کی وجہ سے ہے۔
تیسرا شعر گ ـ م کے مطابق ہے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

سرنوشتِ اضطراب انجامِ الفت نہ پوچھ

نالِ خامہ، خار در پیراہنِ آغاز ہے

گ ـ م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

نالِ خامہ خار خارِ خاطرِ آغاز ہے

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع نسخۂ بھوپال کے مطابق ہے
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:
نالۂ دل نغمہ ریزاں ہے بمضرابِ خیال
رشتۂ پامیال نوا سامانِ بندِ ساز ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے :

نغمہ ہے کانوں میں اس کے نالۂ مرغِ اسیر

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع ہے ۔
"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے :

شرم ہے وضعِ تامّل انتخابِ یک نگاہ

اضطرابِ چشم بر پاد وختہ غمّاز ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے :

شرم ہے طرزِ تلاشِ انتخابِ یک نگاہ
اختلافِ نسخ کے باب میں اس شعر کے سلسلے میں کوئی اندراج نہیں ہے ۔ اگر "مخطوطے" کا مصرع نسخۂ بھوپال میں نہیں ہے، تو پھر الحاقی ہے ۔
"مخطوطے" میں مقطع یہ ہے :
شوخیِ اظہار کو جز وحشتِ مجنوں اسد — بسکہ لیلائے سخن محمل نشینِ راز ہے
گ م میں مقطع یہ ہے :
شوخیِ اظہار غیر از وحشتِ مجنوں نہیں — لیلیِ معنی اسد محمل نشینِ راز ہے
اگرچہ نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے باب میں نسخۂ بھوپال کی قرأت کی پوری نشاندہی نہیں کی گئی ہے اور اندراج کسی حد تک گمراہ کن ہے ۔ لیکن اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ "مخطوطے" میں مقطع نسخۂ بھوپال کے مطابق ہے ۔ "مخطوطے" میں لیلا کا املا قابلِ توجہ ہے، جو میرزا کا اس وقت کا املا نہیں ۔
الف کے ورق ۳۴ الف اور عین کے ص ۵۰ پر غزل ۱۰ ہے ۔ اس میں سات شعر ہیں، یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۸۲ پر درج ہے ۔ "مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے :
زلف سے شب درمیاں دادن نہیں ممکن دریغ
ورنہ صد محشر بہ رہنِ صافیِ رخسار ہے

نسخۂ بھوپال کی قرأت یہ ہے:

زلف سے شب درمیاں دادن نہیں ممکن دریغ
ورنہ صد محشر بہ رہنِ صافیِ رخسار ہے

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

در خیال آبادِ سودائے سرِ مژگانِ دوست
صد رگِ جاں جادۂ صحرائے نشتر زار ہے

نسخۂ شیرانی میں یہ شعر نہیں ہے۔ نسخۂ بھوپال میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

صد رگِ جاں جادہ آسا وقفِ نشتر زار ہے

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

بسکہ ویرانی سے کفر و دیں ہوئے زیر و زبر
گردِ صحرائے حرم در کوچۂ زنّار ہے

گ م میں مصرعِ ثانی میں "در" کی جگہ "تا" ہے۔
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

اے سرِ شوریدہ ساماں عشق و پاسِ آبرو
یک سرِ حرفِ سودا و یک سومنت دستار ہے

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اول یہ ہے:

اے سرِ شوریدۂ نازِ عشق و پاسِ آبرو

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے: وصل میں دل انتظارِ طرفہ رکھتا ہے مگر
بہرِ تاراجِ تمنا فتنہ درکار ہے

یہاں دوسرا مصرع صاف اور واضح طور سے میرزا کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ "فتنۂ درکار" یہاں غلط ہے۔ اور میرزا تو ہرگز "فتنۂ درکار" نہیں لکھتے۔ "بہر تاراج تمنا فتنہ بادرکار ہے" ہوتا تو غلط نہ ہوتا۔ "فتنۂ درکار" یہاں مہمل ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ الحاقی مصرع ہے۔ میرزا کے مصرع پر اصلاح معکوس سے بنایا گیا ہے۔ اصلاح غیر ثابت ہے، اور اس کی وجہ سے جہاں معلوم نسخوں سے اختلافِ نسخ ہے، وہاں اصلاح غیر ہے۔ گ م میں مصرع یہ ہے،

فتنۂ تاراج تمنا کے لئے درکار ہے

اسی صفحے پر غزل ۱۲۵ ہے، (جس کا مقطع اگلے صفحہ پر ہے) اس میں بشمولِ مطلع و مقطع سات شعر ہیں۔ مطلع اور شعر متداول دیوان (نوائے سروش) میں ص۲۱۱ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں تین شعر اور مقطع گ م میں ص۳۰ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔

"مخطوطے" میں ایک "نو دریافت" شعر ہے؛

از دلِ ہر دردمند سے جوشش بیتابی زدن
اے ہمہ بے مدعائے یک دعا ہو جائیے

پہلے مصرع کا آخری لفظ مصدر "زدن" بے محل ہے۔ عاجز کمال کا خیال نہیں کہ میرزا "زدن" کا ایسا استعمال کرتے۔ بجائے مصدر کے حال مطلق یا امر کا صیغہ ہونا چاہئے، ایسا نہیں ہے اس لئے یہ "نو دریافت" شعر الحاقی قرار پایا ہے۔ اس سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں، وہ واضح ہیں۔

یوں تو کئی مقامات پر مخطوطے میں الفاظ کی ہیرا پھیری ہے۔ لیکن ایک جگہ ایک لفظ لکھنے سے رہ گیا ہے۔ متداول دیوان میں شعر یوں ہے؛

بیضہ آسا تنگ بال و پر ہے یہ کنج قفس
از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

"مخطوطے میں پہلے مصرع میں "کنج قفس" سے پہلے کا "یہ" چھوٹ گیا ہے۔ متن میں حواشی کے مصنف اور الف میں "تصریحات" کے تحت اس بات پر اصرار کیا گیا ہے کہ جو لفظ چھوٹ گیا ہے

دو یہ ہے۔ نستعلیق خواندگی میں الف میں شعر یوں پڑھنے کی سعیٔ بلیغ کی گئی ہے۔

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کُنجِ قفس

از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

الف اور عین دونوں میں صاف تنگ میں ت کے دو نقطے ہیں۔ ننگ نہیں تنگ لکھا ہے (کاف پر ایک کشش ہے) الف اور عین میں تنگ کو ننگ اور چھوٹے ہوئے لفظ کو پر کے بجائے یہ اس لئے پڑھنے پر زور دیا گیا ہے کہ نسخۂ حمیدیہ میں مصرع یوں ہے:

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کُنجِ قفس

(ن ع، اختلافِ نسخ ص ۳۵۳)

الف اور عین کے مرتبین کا اس طرح متفق ہو کر تنگ کو ننگ اور چھوٹے ہوئے لفظ کو پر نہیں بہ پڑھنا اور ہے سے پہلے نہیں چھوٹے ہوئے لفظ کو ہے کے بعد رکھنا علت سے خالی نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں حضرات واقف تھے کہ نسخۂ حمیدیہ کا مصرع لکھا گیا ہے؟

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

یاد رکھیے ناز ہائے رفتۂ دل بردگی

آشیانِ طائرِ رنگِ حنا ہو جائیے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

یاد رکھیے ناز ہائے التفاتِ اوّلیں

اختلافِ نسخ کے باب "ا" ن ع میں کسی اور نسخہ میں "مخطوطے" کا مصرع نہیں دکھایا گیا ہے الحاقی کلام "مخطوطے" میں موجود ہے۔ (۳) ایسے تمام مصرعے، جو معلومہ نسخوں میں نہ ہوں اصلاحِ غیر کا نتیجہ قرار پاتے ہیں)۔

الف کے ورق ۳۴ ب اور عین کے ص ۲۶ پر غزل ۱۴۳ کا مطلع ہے:

کوشش ہمہ بیتابِ تردّدشکنی ہے

صد بخشش دل یک مژدہ پر ہم زدنی ہے

یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ ت م میں ص۵۱ اور ص۱۱۱ پر ہے۔ "مخطوطے" میں ایک آدھ مصرع میں ایک آدھ لفظ کی ہیرا پھیری ہے، لیکن ایک شعر خاص طور سے اپنی طرف توجہ کھینچ لیتا ہے۔ الف میں دوسرا شعر یوں لکھا ہے:

آئینہ و شانہ ہمہ دست و ہمہ زانو

اے حسن مگر حسرتے پیماں شکنے ہے

حسرتے میں ت کے نقطے اس طرح سے اس خط سے مل گئے ہیں۔ جس سے تے شروع ہوتی ہے۔ اور بظاہر نقطے نظر نہیں آتے۔

اب عین پر ایک نظر ڈالیے:

آئینہ و شانہ ہمہ دست و ہمہ زانو

اے حسن مگر حسرت پیماں شکنے ہے

حسرت میں ت کے نقطوں کا کردار وہ نہیں ہے، جو "مخطوطے" میں ہر جگہ دو نقطوں کا ہے ہلکی سی لکیر ہے۔ اور اس بات میں شک نہیں یا تو الف کا مائکرو فلم لئے جانے کے بعد حسرتے کو کھرچ کر دو نقطوں کی علامت کے طور پر تے کے آغاز کا حصہ ذرا سا چھوڑ دیا گیا ہے یا پھر سفیدہ لگا کر حسرتے کو حسرت بنا دیا گیا ہے، تاکہ شعر کی قرات نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے مطابق ہو جائے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ الف میں ایک طرح سے تحریف کی گئی ہے، اور وہ ایسے کہ مقابل کے صفحے پر جہاں نستعلیق میں خواندگی دی گئی ہے، حسرتے کے بجائے یہ لفظ حسرت بہ کسرۂ اضافت لکھا گیا ہے۔

ارباب نظر اس تحریف سے مناسب نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ مرزا یہاں حسرتے نہیں لکھ سکتے تھے۔ اس "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا قطعی طور سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اس تحریف سے الف اور عین کے مرتبین کے کام کے بارے میں بھی مناسب نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

رامش گر ارباب وفا نالۂ اسپند
عیشِ ابد، از عوضِ بیروں تاختنی ہے

گ م میں مصرع اوّل میں "نالۂ زنجیر" ہے۔
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

دی لطف ہوا نے بجنوں طرفہ نزاکت
تا آبلہ پروازِ تنک پیرہنی ہے

گ م میں دوسرے مصرع میں "دعوائے تنک پیرہنی" ہے۔
اختلاف نسخ کے باب میں (ن ع میں) کسی نسخے میں ان مصرعوں کی وہ قرأت نہیں دکھائی گئی ہے، جو "مخطوطے" میں ہے۔ اس لئے "مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر، صرف اس کی بنیاد پر ان مصرعوں کو مرزا کے مصرعوں کا اصل روپ نہیں سمجھا جا سکتا۔
اسی صفحے پر غزل ۱۲ ہے۔ مطلع کے بعد کا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

ہے شعلۂ شمشیر فنا حوصلۂ انکار
اے داغِ تمنا سپر اندا ختنی

گ م میں (ص ۱۱۱) مصرع اوّل میں "حوصلہ پرواز" ہے، جو نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے، نسخۂ بھوپال کا مصرع "مخطوطے" میں ہے۔
گ م میں مقطع یوں ہے:

ہے سادگی ذہن تمنائے تماشا
جائے، کہ اسد رنگِ چمن باختنی ہے

الف اور عین میں دوسرا مصرع یوں لکھا ہے:
ہر جائیگا اسد رنگ چمن باختنے ہے

الف میں تعریحات کے تحت درج ہے: "پہلے یوں لکھا تھا۔ ہر جا کہ اسد"۔ یہ محض تاویل ہے اسے یوں تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کہ جا اور کہ کے درمیان، آدھے قط کا فاصلہ ہے۔ کیا اتنی جگہ خالی چھوڑی جا سکتی تھی، جب کہ با خفتی کا با چمن کے ن کے اوپر لکھا ہوا ہے۔

عین میں حواشی کے تحت درج ہے: "ہر چند اسد' پھر اسے چھیل کر، جا بکہ اسد' بنا دیا۔" سوال یہ ہے، کہ کس نے چھیل کر ایسا کیا؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے، کہ الف میں ہر کی رکم چھپلی ہوئی ہے اور عین میں زیادہ۔ دوسری بات یہ ہے، کہ اگر میرزا اچھلائی کرتے، تو ہر کو بھی یقیناً چھیل دیتے تیسری بات یہ ہے، کہ جا کو مٹا کر چند لکھا جائے، تو چند اور کہ کے درمیان کئی نقطوں کا فاصلہ باقی بچے گا۔ اور اس مصرع میں الفاظ کے درمیان فاصلے نہیں ہیں۔ صرف قافیہ اور ردیف کے درمیان تین نقطوں کا فاصلہ ہے۔

غزل ۱۷۵ کا مطلع اور ایک شعر الف کے ورق ۴۳ ب اور عین کے ص۶۵ پر اور باقی پانچ شعر الف کے ورق ۴۴ الف اور عین کے ص۶۶ پر ہیں۔ یہ اشعار اسی ترتیب سے گ م میں، نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص۱۱۲ اور ص۱۱۳ پر نقل ہوئے ہیں۔

دوسرا شعر گ م میں یوں ہے:

شرمِ آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں ہے

آب گردیدن روا لیکن چکیدن منع ہے

"مخطوطے" میں پہلا مصرع یوں ہے:

شرمِ آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں تھا

طوفاں بھی لکھا ہے۔ اور تھا میں ایک شوشہ بھی زیادہ ہے، اصلاحِ معکوس کے وقت غلطی ہوگئی ہے۔ اختلافِ نسخ کے باب میں ص۱۹۱ پر ن ع میں یہ اظہار کیا گیا ہے کہ نسخۂ شیرانی میں "طوفاں تھا" لکھا ہے۔ عرشی صاحب نے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے، کہ شاید "تھا" تہا (تھا) کی جگہ لکھا گیا ہے، نقطے کی غلطی نسخۂ شیرانی میں ہوئی ہے۔ "مخطوطے" میں نہ اوپر ت کے نقطے ہیں اور نہ نیچے ب کا نقطہ ہے، یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا، اس نتیجے سے مفر نہیں کہ "مخطوطہ" کھرا نہیں ہے۔ اور اس میں نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے تحت جو اندراج ہے، وہ بھی "مخطوطے"

کا بلیو پرنٹ تیار کرنے والوں کے سامنے تھا۔ چنانچہ نہ انھوں نے بہا لکھا اور نہ تہا لکھا۔ بلکہ نقطے "مجہول" کر کے مسئلہ حل کر دیا۔ "مخطوطے" کا جعلی ہونا، اور نسخۂ عرشی سے مدد لے کر اس کا لکھا جانا ثابت ہے۔

تیسرا شعر مخطوطے میں یوں لکھا گیا ہے:

بے خودی فرماں روائے حیرت آبادِ جنوں

زخم دوزی جرم و پیراہن وزدیدن منع ہے

خوب اصلاحِ معکوس دی گئی ہے "پیراہن دریدن" کی جگہ "پیراہن وزدیدن" لکھا گیا ہے اور مصرع ساقط الوزن ہو گیا ہے۔ یقیناً میرزا کے قلم سے سہواً بھی "دریدن" کی جگہ "وزدیدن" نہیں نکل سکتا تھا۔ زخم سینا جرم اور پیراہن پھاڑنا منع ہے، لیکن یہاں زخم سینا جرم اور پیراہن چرانا منع ہو گیا ہے، پیراہن تو بڑی ہوشمندی میں چرایا جاتا ہے۔ جنوں میں ایسا کون کر سکتا ہے۔ یہ اصلاحِ معکوس یقیناً ہوشمندی کے عالم میں نہیں "بخطِ غالب" بیاض تیار کرنے کے جنون میں دی گئی ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ اس صفحے پر دو غزلیں اور ہیں۔ اور ان کے شروع میں م بنائے گئے ہیں۔ گویا یہ دکھانا مقصود ہے کہ میرزا نے اگلے نسخے کے لئے جب زیرِ نظر "مخطوطے" پر نظرِ ثانی کی، تو جن غزلوں کو دوبارہ پڑھنے کے بعد منتخب کیا، ان پر م لگایا، اور جن شعروں میں خامی پائی، اُن پر اصلاح کی۔ صفحہ پر یہ پہلا شعر ہے، اور اس میں انھوں نے "پیراہن وزدیدن" رہنے دیا؟ حقیر کمال اتنی بڑی غلطی غالب سے منسوب کرنے سے معذور ہے اور اس مخطوطے کے بخطِ غالب ہونے کے دعوے کو مسترد کرتا ہے۔ نسخۂ مجلد پالا اور الف کے ورق ۴۴ الف اور عابدی کے صدہ پر غزل ملتی ہے۔

نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ غزل گنجم میں ص ۱۱۳ پر درج ہے۔

مطابق "مخطوطہ" یا ایسا لکھا ہے:

چار سوئے عشق میں صاحب دوکانی مفت ہے

نقد ہے داغِ دل اور آتش زبانی مفت ہے

دکان اور دکانی میں، تو لکھنا غالب کا املا نہیں ہے۔ "املائے غالب" کے باب میں جناب امتیاز علی خاں عرشی نے "مکاتیبِ غالب" میں ص ۱۴۱ پر لکھا ہے:

"ایک شعر میں دوکان تحریر ہوگیا تھا، اس کا بھی واؤ کاٹ دیا ہے"۔
بحث کے لئے یہ بات کہی جاسکتی ہے، کہ نسخۂ بھوپال، ۱۲۳۷ ہجری میں تمام ہوا تھا، زیر نظر "مخطوطہ" ۱۲۳۱ھ میں لکھا گیا تھا۔ املا کے سلسلے میں میرزا نے اس وقت یہ نظریہ قائم نہ کیا ہو، اور ثبوت میں اسی مجہول "مخطوطے" کو پیش کر دیا جائے، لیکن یہ درست نہ ہوگا، میرزا نے دکان کے سلسلے میں املا میں کوئی اصلاح نہیں کی ہے۔ فارسی لغات میں لفظ دوکان نہیں، دکان ہے، میرزا عبدالقادر بیدل کے دیوان میں بھی زدہون کا یہی املا ہے۔

صبح نفس متاعِ جہانِ ندامتیم

ناچیدہ رفتہ است لغارت دکانِ ما

خود اسی "مخطوطے" میں (الف ورق ۵۹ الف اور جبن ص ۱۱۹ پر) یہ شعر ہے:

دکانِ ناوکِ تاثیر ہے از خود تہی ماندن

سراسر عجز ہوکر خانۂ مانندِ کماں خالی

اس میں دکان (واو کے بغیر) ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جس غزل میں یہ شعر ہے، وہ "نودریافت" ہے۔ اور کلامِ غالب کے طور پر پہلی بار اس "مخطوطے" میں پائی گئی ہے۔ پچھلی شہادتوں کی بنا پر "نودریافت کلام" "الحاقی" ہے۔ اس "نودریافت" غزل میں تو غالب کا املا ہے، لیکن جس کلام کے شعرِ غالب ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں اس میں غالب کا املا نہیں۔ اس سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غالب کا کلام نقل کرنے میں غلطی ہوئی، اور اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ کوئی بول رہا تھا اور ناقل "لکھ رہا تھا۔ اپنے املا کے مطابق۔ ناقل، اپنی عادت کے مطابق" دوکان (واو کے ساتھ) لکھ گیا۔ یہ بات اس ایک چھوٹے سے زائد واؤ سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے۔ اور اس کا ایک اور ثبوت مقطع میں ہے، جو "مخطوطے" میں یوں لکھا گیا ہے:

مال وجاہ ودست وپاے زرخریدہ ہیں اسد

پس بہ دلہاے دگر راحت رسانی منت ہے

نسخۂ بھوپال میں مصرع اوّل یہ ہے :

مال وجاہ دوست وپاپے زرِ خریدہ میں اسدؔ

"مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کا مصرع لکھا گیا ہے، یہ ثبوت اس بات کا ہے، کہ مخطوطہ جعلی ہے۔
الف کے ورق ۴۴ الف اور ب کے صفحے پر ہی غزل نمبر ۱۰۱ ہے۔ تین شعر (دو مطلعے اور ایک شعر) اس صفحے پر، اور چار شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ یہ غزل گ۔م میں ص ۱۱۴ اور ص ۱۱۵ پر ہے۔ یہ غزل ایک بہت دلچسپ مطالعہ پیش کرتی ہے۔ دوسرے شعروں میں گ۔م اور "مخطوطے" کے درمیان قرأت کا جو فرق ہے، اس سے قطع نظر اس غزل میں درج دوسرا مطلع خاص توجہ چاہتا ہے : پہلا مطلع ہے :

بیتابیِ یادِ دوست ہم رنگِ تسلی ہے

غافل تپشِ مجنوں محمل کشِ لیلی ہے

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ ثانی ہے :

موجِ تپشِ مجنوں، محمل کشِ لیلی ہے

"مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے، جو "مخطوطے" کے جعلی ہونے کی شہادت ہی نہیں، ثبوت بھی ہے۔

دوسرے مطلع کو چھوڑ کر باقی اشعار کے قافیے ہیں۔ ساقی، خالی، شادی، گیتی اور معنی۔

اب دوسرا مطلع ملاحظہ فرمائیے :

کلفت کشیِ ہستی، بدنامِ دو رنگی ہے

(یاں) یہاں تیرگیِ ایام خالِ رخِ زنگی ہے

(گ۔م کے دوسرے مصرع میں تیسرا لفظ ایام کے بجائے اختر ہے)
"مخطوطے" میں پہلے مصرع میں کشی کو کش لکھا گیا تھا۔ کش کو کشی بنایا گیا ہے مرزا نے اپنے شعروں میں کشی کی جگہ کش لکھے نہیں۔

لیکن اس سے قطع نظر، دوسرے مطلع میں ایک اور بڑی بات ہے۔ اس مطلع کے قافیے رنگی اور زنگی ہیں۔ اس لئے یہ مطلع اس غزل کا نہیں ہے، جس میں یہ لکھا گیا ہے اور جس کے قافیے ہیں، تسلی، بسلی، ساقی، خالی، شادی، گیتی اور معنی۔ اگر یہ مطلع پہلے ہوتا تو کہا جا سکتا کہ یہ دوسری غزل کا متفرق مطلع ہے۔ لیکن اس مخطوطے میں کوئی اور متفرق شعر نہیں ہے۔

گ م میں بھی یہ غزل کا دوسرا مطلع ہے اور یہ غزل چونکہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل ہوئی ہے، اس لئے قیاس ہے کہ ان نسخوں میں بھی یہ دوسرا مطلع ہوگا۔ وہ دونوں نسخے چونکہ غالب کے خط میں نہیں ہیں، اگرچہ ان کا غالب کی نظر سے گزرنا اور غالب کا اپنے قلم سے ان میں اصلاح و اضافہ کرنا ثابت ہے، لیکن ان کو غلطیوں سے پاک نہیں قرار دیا جا سکتا۔ عرشی صاحب نے ن ع کے دیباچے میں غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

حقیر کمال کا قیاس ہے، اور بے بنیاد نہیں کہ میرزا نے ایک غزل زنگی، رنگی، تنگی کے قافیوں میں اور دوسری اس غزل کے متذکرہ بالا قافیوں میں لکھی ہوگی، پہلی غزل [illegible] صرف مطلع انتخاب میں رکھا اور باقی شعر قلمزد کر دیئے۔ میرزا کے کاتب نے اس مطلع کو دوسری غزل میں ڈال دیا۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی سے یہ غلطی نسخۂ عرشی تک پہونچ گئی۔ یہ غلطی اس "مخطوطے" میں بھی موجود ہے، جس کے لئے یہ دعوے کیا گیا ہے کہ نسخۂ بھوپال کے مصدر کا بھی پیش رو ہے۔ اگر یہ مخطوطہ واقعی بخطِ غالب ہوتا اور ان کی غیر مرتب بیاض کی ردیف وار نقل ہوتا، تو اس میں زنگی، تنگی، رنگی، جنگی، سنگی وغیرہ قافیوں میں پوری غزل ہوتی، جس میں مطلع کے علاوہ باقی شعر قلمزد ہوتے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ غزلیں بھی ہوتیں، جن کے شعر عیار الشعرا، اور عمدہ منتخبہ میں نمونے کے طور پر درج ہیں، لیکن جن غزلوں کے یہ شعر ہیں، وہ غزلیں سوائے ایک "زبان پیدا" کے نہ اس "مخطوطے" میں ہیں، اور نہ کسی اور نسخے میں ہیں، اور وہ غزل بھی الحاقی ہے۔

غالب اس مطلع کو حسنِ مطلع کے طور پر اپنے قلم سے اس غزل میں نہیں لکھ سکتے تھے، کیونکہ اس غزل میں ڈال دینے سے ایطائے جلی پیدا ہوتا ہے اور ایطا کو میرزا بہت معیوب سمجھتے تھے۔

اس مطلع کے اس غزل میں موجود ہونے سے "مخطوطے" کا بخطِ غالب ہونا رد ہو جاتا ہے۔

* "مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے۔

وہمِ تپش ہستی، ایجادِ سیہ مستی

تسکیں دو صد محفل یک ساغرِ خالی ہے

گ م میں، مصرعِ اوّل میں "وہمِ طربِ ہستی" ہے۔
"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

ہووے نہ غبارِ دل، تسلیم زمیں گیراں

مغرور نہ ہو ناداں ستر تا سرِ گیتی ہے

ن ح میں اختلافِ نسخ کے باب صد ۱۵۱ پر جو اندراج ہے، اس کی رو سے نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

ہووے نہ غبارِ دل تسلیم زمیں گیری

"مخطوطے" میں جو مصرع ہے، وہ نسخۂ شیرانی کا ہے۔ وہ مصرع میرزا ہی کا کیوں نہ ہو، ۱۲۳۱ھ کی بیاض کے لئے یقیناً الحاقی ہے۔ "مخطوطے" کا جعلی ہونا ایک بار اور ثابت ہے۔ چنانچہ جہاں بھی اس میں مصرعے، معلومہ نسخوں سے مختلف ہیں، ان میں اصلاح غیر ثابت ہے۔ ایسی ہی ایک اصلاح غیر مقطع میں ہے۔ جسے غالب کے مقطع سے، اسد کا مقطع بنایا گیا ہے:

ہوں وقتِ سخن گوئی ہر صورت اسد معذور

یہاں زورقِ خودداری طوفانِ معنے ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

رکھ فکرِ سخن میں تو معذور مجھے غالب

"مخطوطے" میں جو الحاقی مصرع ہے، اس میں "ہر صورت" اور "سخن گوئی"، دونوں ذوق پر بارِ گراں ہیں۔ اور میرزا سے توقع نہیں کہ وہ ایسا ڈھیلا مصرع لکھتے۔
الف کے ورق ۹۴ ب اور عین کے صد ۳۰ پر غزل ۱۹۱ ہے۔ اس میں پانچ شعر ہیں۔ مطلع اور ایک شعر متداول۔ دیوان میں اور باقی تین شعر گ م میں صد پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی

کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔

"مخطوطے" میں مطلع ہے:

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
غنچوں کے شگفتن میں آغوش کشائی ہے

دیوان میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

"مخطوطے" کا مصرع نسخۂ بھوپال میں نہیں ہے، اس لئے اس کا پہلا ٹکڑا، جو مختلف ہے الحاقی ہے

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
داغوں کا نظر آنا خود چشم نمائی ہے

دیوان میں دوسرا مصرع ہے:

جو داغ نظر آیا، اک چشم نمائی ہے

دیوان میں بعد کے نسخوں کا مصرع ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

آئینہ نفس سے ہو حیران کدورت ہا
یعال جوشش غبار دل سامان صفائی ہے

گ م میں شعر یہ ہے:

آئینہ نفس سے بھی ہوتا ہے کدورت کش
عاشق کو غبار دل اک وجہ صفائی ہے

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہنگام تصور ہوں دریوزہ گر بوسہ
یہ کاسۂ زانو ہے یا جام گدائی ہے

گ تم میں مصرعِ ثانی یہ ہے؛

یہ کاسۂ زانو بھی اک جامِ گدائی ہے

"مخطوطے" میں مقطع اصلاح سے قبل یوں لکھا گیا تھا؛

وہ دیکھ کے حسن اپنا ہوتا ہے اسد مغرور

صد جلوۂ آئینہ یک صبحِ جدائی ہے

اصلاح سے مصرعِ اوّل یوں کیا گیا؛

وہ دیکھ کے حسن اپنا مغرور ہوا غالب

اصلاح کے بعد مقطع گ تم کے مطابق ہو گیا۔

غالب والے مقطع کو اسد کا مقطع بنا کر لکھنا تو اس "مخطوطے" کے کردار میں شامل ہے۔ لیکن دوسری اصلاحاتِ معکوس کیوں کی گئی ہیں۔ "مخطوطے" کے جعلی کردار کے پیشِ نظر ان میں کوئی اصلاح میرزا کی تصور نہیں کی جائیگی۔

غزل ۱۰۰ کے سات شعر ولا... صفحے پر ہیں، مقطع اگلے صفحے پر ہے

یہ غزل نسخۂ بھوپال ... لے سے گ تم میں صفحہ ۱۰۸ اور صفحہ ۱۰۹ پر نقل ہوئی ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے؛

تمثالِ تماشا ہا، اجمالِ تمنا ہا

عجزِ عرقِ شرم اے آئینہ حیرانی

گ تم میں، دوسرے مصرع میں "عجز" کسرۂ اضافت کے ساتھ ہے۔

عجزِ عرقِ شرم اے آئینہ حیرانی

نسخۂ مالک رام میں (صفحہ ۲۵۹) بھی مصرع اسی طرح لکھا ہوا ہے، جیسا گ تم میں ہے۔

"مخطوطے" میں "عجز سے" بیائے مجہول درست نہیں ہے۔ یقیناً میرزا اس طرح اپنے قلم سے نہیں لکھتے عجز کمال کو وہ قرأت بھی درست نہیں معلوم ہوتی، جو جناب امتیاز علی خان عرشی اور جناب مالک

رام نے اپنے نسخوں میں درج کی ہے۔ حقیر کی رائے میں مصرع یہ ہوگا۔

عجز اے عرقِ شرمے اسے آئینہ حیرانی

"مخطوطے" میں مصرع بہر صورت غلط ہے، اور یہ بھی ایک ثبوت ہے اس کے خطِ غالب نہ ہونے کا۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

پروازِ تپش رنگے گلزار ہمہ تنگے

خوں ہو قفسِ دل میں اے سعیِ پرافشانی

نسخۂ عرشی اور نسخۂ مالک رام میں، دوسرے مصرع میں "ذوقِ پرافشانی" ہے۔

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

گلزارِ تمنا ہوں، گلچینِ تماشا کو

صدنالہ اسد بلبل دربندِ زباندانی

نسخۂ عرشی اور نسخۂ مالک رام میں مصرعِ اول یہ ہے:

گلزارِ تمنا ہوں، گلچینِ تماشا ہوں

"مخطوطے" میں اصلاحِ غیر واضح ہے، کیونکہ "گلزارِ تمنا ہوں" کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ اگر "گلچینِ تماشا ہوں" نہ ہو اور مصرع "کو" پر ختم ہو۔ ہاں اگر مصرع یوں ہوتا:

گلزارِ تمنا کو، گلچینِ تماشا کو

تو پھر مقطع بامعنی ہوتا۔ اس اصلاحِ غیر کی وجہ سے، پانچویں شعر میں "سعی" کا الحاق ہوتا ہے۔

الف کے ورق ۵۴ الف اور عین کے ص۵۹ پر غزل ۱۸۱ ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۸۵ پر ہے۔ لیکن زیرِ نظر "مخطوطے" اور گ م میں بعض شعروں کی قرأت میں نمایاں فرق ہے۔ "مخطوطے" میں دوسرا شعر یوں ہے:

ہجا وصل سے شوقِ دلِ حریص زیادہ　　　لبِ قدح پہ کفِ بادہ جوشِ تشنہ لبی ہے

عینؔ میں دوسرے مصرع میں "لبِ قدح بہ کفِ بادہ" ہے، لیکن الفؔ میں بہ کو پہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے، جو صاف ظاہر ہے۔ بہ کے ساتھ تو یہ مصرع غلط ہے۔ جس خط میں یہ لکھا گیا ہے اس کو خطِ غالبؔ بتایا گیا ہے۔ یہ صریحاً غلط ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے؛

خوشا خیالِ کسانے کہ محوِ بیخبری ہیں

حصولِ یاس والم رزقِ مدّعا طلبی ہے

پہلے مصرع کا تیسرا لفظ کسانے پڑھئے، کسانی پڑھئے، یہاں نہ صرف بے محل ہے بلکہ کسان ہندی کا لفظ ہے اس لئے میرزا "خیالِ کسانے" نہیں لکھتے۔ آخر عمر میں وہ "پرچۂ ہنڈوی" بھی لکھتے تھے۔ لیکن صرف خطوں میں۔ ایسی کوئی بھی ترکیب ان کے دیوان میں نہیں ہے "کشادے" یا "گشادے" کا لفظ ہوتا تو بھی مصرع بامعنے ہوتا۔ پھر دوسرے مصرع میں کیا کہا گیا ہے؟ یاس والم کا حصول مدّعا طلبی کا رزق ہے!

حصول اس میں زائد لفظ ہے۔ اسی طرح پہلے مصرع میں "خوشا" بے محل ہے۔ میرزا یہ مصرع نہیں لکھ سکتے تھے یہ اصلاحِ معکوس ہے۔ الفؔ اور عینؔ میں ایک فرق بھی ہے۔ عینؔ میں کسانے صاف لکھا ہے لیکن الفؔ میں کبانے بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ بؔ کا نقطہ بھی موجود ہے۔

گ۔ م میں شعر کی قرأت یہ ہے؛

خوشا دہ دل کہ سراپا طلسمِ بیخبری ہو

جنون ویاس والم، رزقِ مدّعا طلبی ہے

یادی النظر میں "جنون ویاس والم" کی وجہ سے ردیف جمع کے صیغے میں "ہیں" ہونا چاہئے لیکن یہاں ہے فصیح ہے۔ جیسے میری قسمت میں "دال روٹی ہے" یا کھانے میں حلوہ پوری تھا۔ شاید اسی کو درست کرنے کے لئے "مخطوطے" میں "حصول" کا لفظ داخل کیا گیا۔

چوتھا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے؛

چمن میں کس کی یہ برہم ہوئی ہے بزمِ تماشا

کہ برگ لالہ و گل شیشہ ریزہ طلبی ہے

ریزہ کی ۃ پر اضافت کا مزہ نہیں ہے، جو ہونا چاہئے تھا۔ "برگِ لالہ و گل" سے پنکھڑی مراد نہیں لی جاسکتی۔ حالانکہ یہاں پنکھڑی مراد ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ مضمون اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ ایک "پنکھڑی" کا مفہوم ادا کرنے والے الفاظ ہوں۔ ان باتوں کی بنا پر دوسرا مصرع میرزا کی تخلیق نہیں ہے۔ اور اس میں اصلاحِ غیر کا ہونا ظاہر ہے۔

گ م میں شعر یوں ہے:

چمن میں کس کی یہ برہم ہوئی ہے بزمِ تماشا

کہ برگ برگِ سمن شیشہ ریزۂ حلبی ہے

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع اصلاحِ معکوس سے اسی کی مسخ شدہ شکل ہے۔

"مخطوطے" میں مقطع کی یہ قرأت ہے:

اسد کو کیوں نہ امیدِ لطفِ بندہ نوازی

علیؑ ولی اسد اللہ جانشینِ نبیؐ ہے

حضرت علیؑ کے ولی اور جانشینِ نبیؐ ہونے سے لطفِ بندہ نوازی کی امید اسد کو کیوں ہو؟ پہلے مصرع میں یہ مضمون ضروری تھا کہ "اسد" علیؑ کا غلام ہے، یا علیؑ کا مداح ہے۔ دوسری بات اور بہت ہی اہم ہے کہ علیؑ پر علیہ السلام کی علامت (ؑ) ہے لیکن نبی پر ؐ کی علامت نہیں ہے، علی کی توقیر اس وجہ سے ہے کہ وہ جانشینِ نبی ہیں۔ اس لئے نبی کی ذات علی سے زیادہ محترم ہے۔ اور میرزا سے یقیناً اس کی توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ علی پر ؑ لکھتے اور نبی کے ساتھ ؐ نہ لکھتے خاص طور سے جب وہ لفظ "محمدؐ" کے ہر حرف پر جان نچھاور کرتے تھے۔ "دستنبو" کے سرورق پر "محمد اسد اللہ خاں" مصنّف کا نام لکھے جانے کے بارے میں تفتہ نے جو خط میرزا کو لکھا تھا، اس کے جواب میں میرزا نے لکھا تھا "سنو صاحب! لفظ مبارک م ح م د کے ہر حرف پر میری جان نثار ہے، مگر چونکہ یہاں سے ولایت تک حکام کے ہاں یہ لفظ یعنی محمد اسد اللہ خاں نہیں لکھا جاتا، میں نے بھی موقوف کر دیا ہے۔" یہ خط ہے ۱۸۵۸ء یعنی ۱۲۷۴ھ کا۔ "محمد" میرزا کے نام کا جزو تھا

چنانچہ تیسری مہر "محمد اسد اللہ خان" نام کی ہے، اور وہ اسد اللہ الغالب کے بعد کی مہر ہے۔ "گل رعنا" کا جو نسخہ ان کی تحریر میں ہے، اس میں انھوں نے اپنے دستخط "محمد اسد اللہ" کئے ہیں۔ اس شہادت کی بنا پر یہ بات مسلّمہ ہے کہ انہیں لفظ "محمد" سے بڑی عقیدت تھی۔ اور یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ علی پر محمد لکھتے اور بنا پر م نہ لکھتے۔ یہاں بھی "مخطوطے" کا بخط غالب نہ ہونا ثابت ہے۔

اس صفحے پر غزل ۱۲۱ ہے، اس میں چھ شعر ہیں۔ چار شعر اس صفحے پر، اور دو اگلے صفحے پر، نسخۂ بھوپال کے حوالے سے یہ غزل گ۔ تم میں صفحہ پر ہے۔ "مخطوطے" میں مطلع ہے:

دلا غلط ہے تمنائے خاطر افروزی

کہ بوسۂ لبِ میگوں میں ہے گلو سوزی

دوسرے مصرع میں "میگوں" کا لفظ محلِ نظر ہے۔ "میگوں" کے معنی ہیں شراب کے رنگ کا، یعنی ہلکا سرخ یا سرخی مائل" اور اگرچہ لب کے رنگ کو بھی "میگوں" کہہ سکتے ہیں۔ لیکن کہتے نہیں ہیں۔ "میگوں" آنکھ کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے، جب آنکھوں میں گلابی ڈورے ہوں تو ان کو "میگوں" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ رنگ کے علاوہ کیفیت کا اظہار بھی اس سے ہوتا ہے۔

گ۔ تم میں دوسرا مصرع یہ ہے:

کہ بوسۂ لبِ شیریں ہے اور گلو سوزی

"مخطوطے" میں دوسرا شعر یہ ہے:

طلسمِ آئینۂ زانوئے فکرِ خود بینی

ہنوز حسن کو ہے سعیِ جلوہ افروزی

گ۔ تم میں شعر یوں ہے:

طلسمِ آئینۂ زانوئے فکر ہے غافل

ہنوز حسن کو ہے سعیِ جلوہ افروزی

قیاسی اصلاح مقصود نہیں ہے، لیکن حقیر کمالؔ کا خیال ہے کہ مصرعِ اوّل جیسا کہ گ م میں ہے، کتابت کی ایک غلطی کا شکار ہے۔ "آئینۂ زانوئے" کی ترکیب ٹھیک ہے۔ لیکن "زانوئے فکر" غلط ہے۔ اگر نسخۂ عرشی کے مصدر نسخوں، یعنی نسخۂ بھوپال، نسخۂ حمیدیہ میں بھی "زانوئے فکر" ہے تو وہاں بھی کتابت کی غلطی ہے۔ مصرع یوں درست ہے، کیونکہ اسی طرح شعر کے معنی ہوتے ہیں:

طلسمِ آئینہ، زانوئے فکر ہے غافل

زانو کے معنی ہیں جونک۔

دراصل میرزا کے منسوخ کلام پر پوری توجہ نہیں دی گئی ہے، حالانکہ اس کی ترتیب کے سلسلے میں مفتی انوار الحق (مرتبِ نسخۂ حمیدیہ) ڈاکٹر سید عبداللطیف (مرتبِ لطیف ایڈیشن) شیخ محمد اکرام (مرتبِ غالب نامہ وارمغانِ غالب) اور جنابِ امتیاز علی خاں عرشی (مرتبِ نسخۂ عرشی) نے بڑی محنت اور عرق ریزی کی۔ لیکن کئی مقامات پر نسخۂ بھوپال کی کتابت کی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ کچھ کی طرف عرشی صاحب نے اپنے نسخے کے دیباچے میں اشارہ بھی کیا ہے۔ یہ ایسی واضح غلطی ہے جس کا عرشی صاحب یا دوسرے غالب شناسوں کی نظروں سے اوجھل رہنا باعث تعجب ہے۔

اس میں شک نہیں کہ "مخطوطے" میں یہ شعر نسخۂ بھوپال کی قرأت پر اصلاح معکوس سے بنایا گیا ہے "زانوئے فکر" کی موجودگی اور قافیہ کو اندوزی سے افروزی بنایا جانا اصلاح غیر ہے۔ اور یہ دونوں باتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ شعر کی یہ قرأت الحاقی ہے۔ جس بنیاد پر شعر میں یہ تبدیلیاں کی گئی ہیں، وہ بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ "زانوئے فکر" میرزا کی ترکیب نہیں ہے۔
"مخطوطے" میں چوتھے شعر کی قرأت نسخۂ عرشی کے مطابق ہے۔

بہ پرفشانیِ پروانہ چراغِ مزار

کہ بعدِ مرگ بھی ہے لذّتِ جگر سوزی

پہلے مصرع کا پہلا لفظ "بہ" نہیں "یہ" ہونا چاہیے۔ نسخۂ عرشی میں طباعت کی یہ غلطی نسخۂ بھوپال (نسخۂ حمیدیہ) سے آئی ہے، یا صرف اسی نسخے میں ہے یہ بات تحقیق طلب ہے، لیکن [illegible]

صاف اس بات کا مقتضی ہے کہ پہلا مصرع "یہ" سے نہیں "یہ" سے شروع ہو۔ اس حقیر کمال کو اس بارے میں کوئی شک نہیں، اور ارباب نظر اس بات سے اتفاق کریں گے۔ "مخطوطہ" اگر بخطِ غالب ہوتا تو اس میں بھی "یہ" کے بجائے "یہ" کا لفظ ہوتا۔ ایسا نہیں ہے اور یہ "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے کی ایک شہادت ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

تپش آ کیا، نہ ہوئی عشق یک پر افشاندن

رہیں شعلے سے شرمندۂ نو آموزی

گر ہم میں مصرعِ اوّل میں "مشقِ پرفشانی" [illegible] ہے "مخطوطے" میں "پہلے کی قرات [illegible] کے لئے قیاسی اصلاح غیر ہے۔

[illegible] کے ورق ۵۴ ب اور عرشی کے ۹۰ پر غزل [illegible] جس میں شعروں مطلع و مقطع چھ شعر ہیں گر ہم میں یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے [illegible] اور ۹۶ پر نقل ہوئی ہے۔ اس میں ایک شعر زیادہ ہے۔ [illegible] "مخطوطے" [illegible] شعروں کی قرات [illegible] ہے [illegible] شعر کے پہلے مصرع میں اختلاف [illegible] لکھا گیا ہے:

بہ کسوتِ عرقِ شرم قطرہ زن ہے نیاں

مباد حوصلہ معذورِ [illegible] طلب ہے

"مخطوطے" میں پہلا مصرع "بخطِ غالب" یوں لکھوایا گیا ہے:

تپش سے شرم بقدرِ چکیدن عرق

پہلا مصرع [illegible] مہمل ہے [illegible] گر [illegible] معنی [illegible] تو یہاں پر عرق [illegible] اور اس [illegible] کرنا [illegible] عرقِ النفعال [illegible] یا عرق [illegible] ہے بغیر [illegible] کے حساب سے شرم تپش [illegible] مصرعِ غالب بیان تمام ہے [illegible] اہلِ علم [illegible] (موزوں) غالب تسلیم نہیں کریں گے [illegible] کی وجہ سے "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا [illegible]

اسی صفحے پر غزل (۱۰۵) شروع ہوتی ہے۔ آٹھ میں سے تین شعر اس [illegible]
اس صفحے پر ہیں غزل کا باقی حصہ اگلے ورق پر ہے۔ گ م میں یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی [illegible]
حوالے سے صفحہ ۱۱۱ پر نقل ہوئی ہے۔ "مخطوطے" اور نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے مطالعہ سے بڑے
مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ "مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں لکھا ہے:

نوائے بلبل و گل، پاسبانِ بے دماغی ہا

بیک مژگانِ خوباں صد چمن خوابیدنی جانے

گ م میں پہلا مصرع یوں ہے:

نوائے بلبل و گل، پاسبانِ بے دماغی ہے

اختلافِ نسخ کے باب میں (ن ع میں) ہے کی جگہ ہا ہونا کسی نسخے میں نہیں
دکھایا گیا ہے۔ اگر پہلے شعروں کی قرأت میں اختلاف اور اصلاحات معکوس کی وجہ سے ثابت نہ ہو چکا
ہوتا تو یہ بات باور کی جا سکتی ہے، کہ میرزا نے پہلے ہا لکھا ہوگا بعد میں ہے کر دیا۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر یوں ہے:

زہے شب زندہ دارِ انتظارستاں، کہ وحشت سے

مژہ در پیچکِ مہ سوزنِ آسا چیدنی جانے

گ م میں دوسرا مصرع یوں ہے:

مژہ پیچک میں مہ کی سوزن آسا چیدنی جانے

گ م میں نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع ہے۔
"مخطوطے" میں پانچواں شعر یہ ہے:

خوشا شوقِ [illegible] [illegible] زنداں [illegible] آیا ہے
نگاہِ شیر [illegible] چوں جوہر آئینہ دزدیدنی جانے

گ ـم میں، مصرعِ اول میں "خوشا تی" ہے، جو نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی قرأت دکھائی گئی ہے۔

اب "مخطوطے" میں ساتواں شعر ملاحظہ فرمائیے:

لوائے طائرانِ آشیاں گم کردہ آتی ہے
تماشاے کہ رنگ رفتہ برگردیدنی جانے

گ ـم میں دوسرا مصرع یوں ہے:

تماشائے کہ رنگِ رفتہ برگردیدنی جانے

"مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے، جب کہ گ ـم میں نسخۂ بھوپال کا مصرع ہے اس سے ایک بار پھر واضح ہو جاتا ہے، "مخطوطہ" نسخۂ بھوپال سے پہلے کا نہیں، بلکہ نسخۂ شیرانی کے بعد کا ہے اور یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے، کہ مخطوطہ جعلی ہے۔

الف کے ورق ۶۸ الف اور عکس کے ص۱۹۱ پر غزل ۱۸۶ ہے جس میں سات شعر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ ـم میں ص۱۱۱ اور ص۱۱۲ پر درج ہے، "مخطوطے" میں مطلع ہے:

گلستاں یک تماشا پیشِ پا افتادہ مضموں ہے
اگر باندھے کفِ پا پہ حنا آئینہ موزوں ہے

گ ـم میں مطلع یوں ہے:

گلستاں بے تکلف پیشِ پا افتادہ مضموں ہے
جو تو باندھے کفِ پا پہ حنا آئینہ موزوں ہے

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

عدم وحشت سراغ و بیت آئینہ بند ویرانی
دماغِ دو جہاں پر سنبل و گل یک شبیخوں ہے

"گ م" میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

عدم وحشت سراغ وہستی آئینہ بندِ رنگینی

حقیر کمالؔ کو شک ہے کہ میرزا نے مصرع ثانی اس طرح سے لکھا ہوگا، جیسا کہ نسخۂ عرشی اور "مخطوطے" میں ہے۔ میرزا نے مصرع یا تو یہ لکھا ہوگا:

دماغِ دو جہاں پر سنبل و گل یک شبِ خوں ہے

یا پھر اس طرح لکھا ہوگا:

دماغِ دو جہاں پر سنبل و گل ایک شب خوں ہے

دوسری صورت میں زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ "یک شبے خوں" نسخۂ عرشی کے مصدر نسخوں میں کتابت کی غلطی ہے۔ اس غلطی کا "مخطوطے" میں بخطِ غالب دکھایا جانا غالب کے ساتھ گلی مذاق ہے۔ "مخطوطے" میں "یک شبیخوں" کی موجودگی اس کے بخطِ غالب نہ ہونے کی شہادت ہے۔
"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

فنا کرتی ہے زائل سرنوشت کلفت اظہاری

سحر از بہرِ شست و شوے داغِ ماہ صابوں ہے

نسخۂ عرشی میں مصرعِ اوّل کے آخر میں "کلفت ہستی" ہے۔
مقطع "مخطوطے" اور گ م میں یکساں قرأت کا حامل ہے:

اسد ہے آج مژگانِ تماشا کی حنابندی

چراغانِ نگاہ و شوخیِ اشکِ جگر گوں ہے

نسخۂ عرشی میں، مصرعِ ثانی جس طرح لکھا ہے، وہ ساقط الوزن ہے کیونکہ شوخی پر کسرۂ اضافت نہیں ہے شاید اسی کے اتباع میں الف کی نستعلیق خواندگی میں بھی یہ اضافت نہیں دکھائی گئی ہے معلوم نہیں اس اضافت کے بغیر یہ مصرع موزوں کیسے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شوخی کی ی کے نیچے کسرۂ اضافت یا اس پر ہمزۂ اضافت دینا ضروری ہے۔ اس سے قطع نظر

اس شعر میں قافیہ غلط لکھا ہے۔ قافیہ اوّلیں نہیں، خوں ہے۔
مصرع یوں چاہیے:

پیدا ہوا ہے نگہ و شوخیِ اشک جگر خوں ہے

اگر نسخۂ عرشی میں یہ طباعت کی غلطی ہے تو "مخطوطے" میں یہ مقطع نسخۂ عرشی سے نقل ہوا ہے اگر یہ غلطی نسخۂ عرشی کے مصدر نسخوں میں ہے، تو یہ وہاں کتابت کی غلطی ہے۔ "مخطوطے" میں یہ غلطی ہونا بہر حال اس بات کا بیّن ثبوت ہے، کہ یہ "بخطِ غالب" نہیں ہے۔

الف کے ورق ۱۶۹ ب اور عرشی کے صفحہ ۲۳۹ پر غزل ۱۰۷ ہے، اس میں چھ شعر بشمولِ مطلع و مقطع ہیں یہ غزل گ م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے صفحہ ۱۰ پر درج ہے۔

دوسرے شعر کا پہلا مصرع دونوں نسخوں میں الگ الگ ہے، غزل کے باقی شعروں کی قرأت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دوسرے شعر میں جو اختلافِ نسخ ہے وہ ایک انتہائی دلچسپ بات کی طرف اشارہ کرتا ہے نسخۂ عرشی میں یہ شعر یوں چھپا ہے

بسکہ ہیں صیاد راہِ عشق میں محوِ کمیں

جادۂ رہ سر بسر مژگانِ چشمِ دام ہے

نسخۂ عرشی کا غلط نامہ، الگ سے چھپا ہے، اس کی رو سے پہلے مصرع میں ہیں کی جگہ ہے ہونا چاہیئے۔ طباعت کی اس غلطی کو درست کر لیجیے۔ تو صیاد صیغۂ جمع سے صیغۂ واحد میں آ جاتا ہے۔ لیکن "مخطوطے" کے لئے جب اصلاحِ معکوس سے پہلا مصرع تیار کیا گیا، تو اس میں طباعت کی اس غلطی کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ قیاس ہے کہ نسخۂ عرشی کا جو نسخہ اس وقت "مخطوطے" کا بلیو پرنٹ تیار کرنے والوں کے سامنے تھا اس میں طباعت کی غلطیاں درست نہیں کی گئی تھیں اور شاید "مخطوطہ ساز" کو غلط نامے کی موجودگی کی بھی اطلاع نہیں تھی۔ چنانچہ جو مصرع تیار کیا گیا اس میں کئی صیادوں کی بات ہے "مخطوطے" میں مصرع یہ ہے:

بسکہ صیاد اں براہِ عشق ہیں صرفِ کمیں

یہ حقیر کمالِ صیاداں کو محض اتفاق نہیں سمجھتا، بلکہ یہاں صیغۂ جمع بیں نسخۂ عرشی میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے ہے۔ نسخۂ شیرانی میں "محوِ کمیں" ہے اور نسخۂ بھوپال میں "صرفِ کمیں" ہے لیکن واحد اور جمع کی یہ غلطی بڑی دلچسپ ہے اور اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ نسخۂ عرشی ہی کی قرأت کو بگاڑ کر یہ "مخطوطہ" بخطِ غالب تیار کیا گیا ہے۔

(۳) صفحے پر غزل ۱۸۵ ہے، جس میں چھ شعر ہیں۔ چار شعر بشمولِ مطلع و مقطع گنجینہ میں ۵۹ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہیں۔ دو شعر متداول دیوان (نوائے سروش) کے حصّے میں ص ۲۱ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہیں۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں ہے:

پانزِ آبِ سیلِ طوفانِ صدائے آب ہے

نقشِ پا جو کان میں کھینچے ہے انگلی جادہ سے

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں اس شعر کی یہی قرأت ہے۔
متداول دیوان (ن س) میں یہ شعر ص ۲۱ پر یوں ہے:

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے

نقشِ پا، جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

سیلاب اور طوفان کے درمیان اضافت، طباعت کی غلطی ہے۔ اگرچہ نسخۂ عرشی کے غلط ناموں میں اس غلطی کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ نسخۂ مالک رام میں مصرع درست لکھا ہے (ص ۲۱۴)۔ سیلاب کی ب کے نیچے اضافت نہیں دی گئی ہے۔ نسخۂ اکرام (ارمغانِ غالب) میں یہ شعر ... ہے۔ لیکن ... سیلاب اور طوفان دونوں میں اضافت نہیں ہے، حالانکہ طوفان کے بعد اضافت ہونا چاہیئے۔

"مخطوطے" میں چوتھے شعر میں "شیشے" کی جگہ "شیشہ" لکھا ہے، حالانکہ پانچوں نسخوں میں "شیشے" لیا گیا ہے لیلیٰ نہیں۔

املا کے سلسلے میں یہ ایک ایسا تضاد ہے، جس سے "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔
مقطع کا مطالعہ بڑا دلچسپ ہے۔ "مخطوطے" میں پہلے مقطع یوں لکھا تھا:

بزمِ ہستی وہ تماشا گاہ ہے جس کو اسدؔ

دیکھتے ہیں چشم از خوابِ عدم نکشادہ سے

پہلا مصرع قلمزد کر کے اسے غالبؔ کا مقطع بنایا گیا ہے :

بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ غالبؔ ہم جسے

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں یہ اسدؔ تخلص کے ساتھ ہے، گ۔ تم میں مقطع یوں دیا گیا ہے

بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ جس کو ہم اسدؔ

دیکھتے ہیں چشم از خوابِ عدم نکشادہ سے

حقیر کمالؔ سمجھتا ہے، کہ دوسرے مصرع میں چشم کے مُ کے نیچے کسرۂ اضافت نادرست ہے اور یہ طباعت کی غلطی ہے۔ نسخۂ شیرانی کے جن صفحات کا عکس نظر سے گذرا ان میں کہیں کسرۂ اضافت رقم نہیں ہے۔ اس لئے یہ قیاس درست سمجھنا چاہیئے۔ کہ چشم اضافت کے ساتھ نہیں ہے۔

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں اس مقطع میں اسدؔ تخلص ہونا اور "مخطوطے" میں اصلاح سے اسدؔ والے مصرع کو غالبؔ کا مصرع بنایا جانا، ایک دلچسپ مطالعہ ہے۔ اگر میرزا نے غالبؔ تخلص کا مصرع اصلاح میں لکھا ہوتا تو کوئی وجہ نہیں کہ پھر اسدؔ کر دیتے۔ ظاہر ہے کہ "مخطوطے" میں یہ اصلاح غلط ہے دی گئی ہے۔

غزل نمبر ۱۸۸ کے مطلع کا پہلا مصرع الف کے ورق ۹۴ ب اور باقی غزل ورق ۹۸ الف پہ ہے (دیکھیں کے صفحات ۹۲ اور ۹۲ پر) یہ غزل گ۔ تم میں ص۱۴۳ پر ہے، جس کے لئے نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ "مخطوطے" میں تیسرا شعر "نو دریافت" ہے اور دوسرے شعر کا پہلا مصرع "مخطوطے" میں گ۔ تم سے قدرے مختلف ہے۔ باقی شعروں کی قرأت دونوں نسخوں میں ایک ہے پہلے دوسرے شعر کو لیجیے۔

چھا گیا فرطِ صفائے زلف کا اعضا میں عکس

ہے نزاکت جلوہ اے ظالم سیہ فامی تری

معنی ملاحظہ فرمایئے: فرطِ صفائے اعضا میں زلف کا عکس چھا گیا، اے ظالم تیری سیہ فامی

بڑی نزاکت سے جلوہ سے بات ہے چھپا گیا غرض ہے۔ "... ہے تپا گیا" جب اس مصرع میں کسی وقت کے بغیر آ سکتا تھا۔ زیبا اگر یہ مصرع لکھتے، تو یہ نہیں کہتے۔ دوسری بات یہ ہے، کہ پہلے مصرع میں "فریبِ ..." کا تعلق "... " سے زیادہ اور نزاکت سے کم ہے، بلکہ مصرع جس صورت میں ہے۔ اس میں "فریبِ ..." کو "نزاکت" کی صفت قرار دینے کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ ان باتوں کی بنا پر پہلا مصرع میرزا کا نہیں ہو سکتا، یہ الحاقی قرار پاتا ہے۔

گ... میں یہ شعر یوں ہے، جو واضح ہے اور سقم سے پاک ہے:

رچ گیا جوشِ صفاے زلف کا اعضا میں عکس

ہے نزاکت جلوہ اے ظالم ... فانوس کا

ایک بات اور قابلِ توجہ ہے۔ نسخۂ شیرانی میں پہلا مصرع یہ ہے۔

رچ گیا ہے جوشِ صفاے زلف کا اعضا میں عکس

اس پر اصلاح ... "..." ... گیا ہے ... "..." کے بجائے "اعضا سے" ظاہر ہوتا ہے۔

"... " میں تیسرا شعر یہ ہے:

تھک گئے ... غفلتِ نسب پہ ... دستار کا

(یاں) یہاں نگاہ آلود ہے دستارِ بادامی تری

دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ پہلے مصرع میں "غفلتِ نسب" کی ترکیب محلِ نظر ہے "نسب" سے موروثی، خاندانی صفت مراد لی جا سکتی ہے۔ لیکن یہاں ... کے ... کو نہیں جوڑا جا سکتا۔ سرشت، شعار اور صفت کے معنوں میں نسب کے ... ان کی توقع میرزا سے نہیں کی جا سکتی۔ وہ غالب جو اردو شاعری میں منجملہ دوسری صفات کے اپنی تراکیب کی وجہ سے بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان پر "غفلتِ نسب" کی ترکیب ناہنجار تھوپی جا سکتی۔ دوسرے مصرع میں یاں (یہاں) مبتدی کا لفظ ہے۔ یہ بھی میرزا نہیں لکھتے کیونکہ اس لفظ سے مقام کا تعین نہیں ہوتا۔ "نگاہ آلود" کے بھی کوئی معنی نہیں۔

یہ نودریافت شعر" سراسر الحاقی ہے، اور مرزا کے رنگ سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔
اس غزل کی ایک اور خصوصیت یہ ہے، کہ "مخطوطے" میں یہ قلمزد ہے، اس کے معنی یہ ہیں، کہ نسخۂ بھوپال میں اس کو نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اگر "مخطوطہ" غالب کا "پہلا مرتّب دیوان ہوتا، اور اس میں یہ غزل، انھوں نے دوسرا نسخہ تیار کرتے وقت، قلمزد کی ہوتی، تو پھر نسخۂ بھوپال میں یہ موجود نہ ہوتی۔ اس زاویے سے بھی دیکھیئے، تو "مخطوطے" کا بخطِ غالب لکھا جانا، یا غالب کے پاس رہنا غلط ثابت ہو جاتا ہے۔
اسی صفحے پر غزل نمبر ۱۹۰ ہے، جس کے پانچوں ۔۔۔ ۔۔۔ میں صفحہ ۱۴۲ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہیں۔ تیسرے اور چوتھے شعروں ۔۔۔ ۔۔۔ مصرعوں میں "مخطوطے" کی قرأت گ ۔۔۔ سے کچھ مختلف ہے۔ "مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں تھا:

رتبۂ تسلیم خلّت مشرباں فردوس زیب
چشمِ قربانیٔ گل شاخِ ہلالِ عید ہے

پہلے مصرع میں اصلاح ہے۔ "مشرباں" کے بعد "ہے"، کو قلمزد کر کے، نیچے "فردو" لکھا گیا ہے۔ اصل مصرع کا "س" موجود ہے۔ اس کے بعد کا کوئی لفظ اس طرح کا ٹا گیا ہے۔ کہ پڑھا نہیں جا سکتا۔ دلچسپ بات یہ ہے، کہ "اصل" مصرع کو الف میں تصریحات کے تحت اور عین میں حواشی کے تحت میرزا غالب کے رنگ میں الگ الگ پڑھا گیا ہے۔
الف کی رُو سے مصرع یوں تھا:

رتبۂ تسلیم خلّت مشرباں ہے بس عزیز

عین کی رُو سے مصرع یوں تھا:

رتبۂ تسلیم خلّت مشرباں ہے بس بلند

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ میرزا کے کلام میں معکوس اصلاحیں کرنا کتنا آسان ہے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از سوز و ساز
اے خوشا رندے کہ شمعِ خلوتِ تجرید ہے

گ۔م میں شعر یوں ہے:

کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشمکش
اے خوشا رندے کہ مرغِ گلشنِ تجرید ہے

"مخطوطے" میں جو قرأت اس شعر کی ہے، وہ اختلاف نسخ کے باب میں (ن ع۔ ب) کسی نسخے میں نہیں دکھائی گئی ہے۔ "مخطوطے" میں "سوز و ساز" اصلاح غیر ہے، کیونکہ سوز و ساز کو تو تعلیف وہ بات نہیں ہے۔ اسی طرح "شمعِ خلوتِ تجرید" سے آزادی کا نہیں، گھلنے اور جلنے کا تصور وابستہ ہے۔ اسلیئے شعر کے مفہوم کو دیکھتے ہوئے، یہ بھی الحاقی ترکیب ہے۔ کیونکہ "خوشا" کے ساتھ اس کی مطابقت نہیں ہے۔

اسی صفحہ پر غزل نمبر ۱۹۱ شروع ہوتی ہے، مطلع اس صفحہ پر ہے۔ باقی پانچ شعر الف کے ورق ۴۷ ب اور عرشی کے ص۹۴ پر ہیں۔ گ۔م میں پانچ شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص۸۵ پر درج ہیں۔ متداول دیوان (ن ع۔ س) میں تین شعر اسی زمین میں ص۲۱۳ اور ص۲۱۴ پر ہیں۔ انہیں سے ایک مقطع ہے جو اس "مخطوطے" میں ہے۔ ن ع۔ س کے تینوں شعروں کیلئے فٹ نوٹ میں نسخۂ بھوپال کا حوالہ ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع ہے:

دہشتِ برآہ رو بانیدن از دل تیز ہے
بر زمیں شکلِ نیستاں سخت ناوک خیز ہے

[illegible] میں مصرع اول یہ ہے:

دل [illegible] نگاہِ تیز ہے

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے۔
"مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

تیشۂ فولاد و دست و بازوے فرہاد کیا

بے ستونِ خوابِ گرانِ خسروِ پرویز ہے

متن میں مصرعِ اوّل یہ ہے۔

ہو سکے کیا خاک دست و بازوے فرہاد سے

"مخطوطے" میں تیسرا شعر یہ ہے:

خرمنِ پشتماں کے کھاتے ہیں زبس تیز نگاہ

پیرہؐ بادام، یک غربالِ حسرت بیز ہے

نسخے میں مصرعِ اوّل میں "خرمنِ پشتماں" کے بجائے "ان ستم پیشوں" ہے۔
یعنی "مخطوطے" اور متداول دیوان میں یہاں قرأت کا فرق ہے۔

عارضِ گل دیکھ روے یار یاد آیا اسد

جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے۔

اب لطیفہ ملاحظہ فرمائیے۔ نسخۂ عرشی میں، اقتباس ... جیسا بہ اندراجات ص ۲۵۲ پر ہے۔
اس کی رو سے نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی، نسخۂ رامپور اور پہلا مطبوعہ ایڈیشن میں مصرعِ اوّل یوں ہے:

جلوۂ گل دیکھ روے یار یاد آیا اسد

سوال یہ ہے کہ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے بعد کی وہ قرأت کیسے در آئی۔ جو بعد کے مطبوعہ نسخوں میں ہے۔ نسخۂ بھوپال ۱۲۳۷ھ کا، نسخۂ شیرانی اس کے کچھ برس بعد کا، نسخۂ رامپور ۱۲۴۸ھ کا اور پہلا مطبوعہ ایڈیشن ۱۲۵۷ھ کا۔ ان میں "جلوۂ گل" ہے۔ ان کے بعد کی قرأت ۱۲۳۱ھ کے "مخطوطے" میں نہیں ہو سکتی ہے۔ "مخطوطہ" بعد کا ہے، جعلی ہے، اور بخطِ غالب نہیں ہے۔ یہ بات ایک بار پھر کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہوئی۔
الف کے ورق ... ب اور متین کے ص ۹۴ پر غزل ۱۹۴ ہے، جس میں آٹھ شعر ہیں۔

سات شعر گ تم میں مثلاً پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہیں۔ تین شعروں میں قرأت کا کچھ فرق ہے۔ "مخطوطے" میں ایک شعر "نودریافت" ہے، یعنی نسخۂ عرشی میں نہیں ہے، شعر یہ ہے،

نہیں ہے حوصلہ پامردِ کثرتِ تکلیف

جنونِ ساختہ حرزِ فسونِ دانائی ہے

(اضافتیں، الف میں نستعلیق خواندگی کے مطابق ہیں)

اس میں شک نہیں، کہ یہ شعر میرزا کے "بیدلی رنگ" میں کامیابی سے گڑھا گیا ہے، اور دوسرے مصرع کے معنی بھی ہیں۔ یعنی فسونِ دانائی کی پناہ گاہ جنونِ ساختہ، یعنی طاری کیا ہوا جنون (ہے)۔ لیکن پہلے مصرع سے نہ اسکا کوئی ربط ہے اور نہ پہلے مصرع میں کوئی بات کہی گئی ہے۔ پامرد کا استعمال بھی محلِ نظر ہے۔ شدتِ تکلیف کی جگہ کثرتِ تکلیف بھی میرزا نہیں لکھتے، اور پھر تکلیف کس طرح کی ہے، یہ بھی نہیں کھلتا۔ پہلا مصرع بامعنی اس وقت ہوتا، جب تکلیف کے بعد میں ہوتا۔ میرزا اتنے عاجز نہ تھے، کہ در یا میں کے ساتھ مصرع موزوں نہ کر سکتے۔ یہ شعر میرزا کا نہیں ہو سکتا، اور اسے الحاقی کلام کے زمرے میں رکھنا چاہیئے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

بچشم در شدہ مژگاں ہے شوخیِ رگِ خواب

نہ پوچھ نازکیِ وحشتِ شکیبائی

گ تم میں، مصرعِ اوّل میں "جوہرِ رگِ خواب" ہے۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

شکستِ سازِ خیال، آنسو سے دل افتادن

ہنوز نالہ پرافشانِ ذوقِ رسائی

گ تم میں، مصرعِ اوّل میں "آنسو سے گریۂ غربت"

"مخطوطے" میں مقطع ہے: ورائے حوصلہ توفیقِ شکوہ، عجز وفا

اسد ہنوز گمانِ غرورِ مرزائی

گم ہیں قافیہ مرزائی نہیں دانائی ہے۔

کسی معلومہ نسخے میں اختلاف نسخ کے بارے میں کوئی شہادت نسخۂ عرشی میں نہیں ہے۔ "مخطوطے" کے متن اگرچہ میرزا کے بدلی رنگ میں ہیں، لیکن جب تک ان کی تصدیق نسخۂ بھوپال سے قبل اس روپ میں ہونا کسی معتبر ماخذ سے نہ ہو، ان کو الحاقی سمجھنا چاہیے۔ یہ بھی پہلی مثال نہیں ہے، جس میں قافیہ اصلاح سکوس سے "مرزائی" کیا گیا۔ الف کے ورق ۵۱ب اور عتین کے ص۳۰ پر ایک مقطع یوں لکھا گیا تھا۔

اے (اسد) بیجا ہے نازِ سجدۂ عرضِ نیاز

عالمِ تسلیم میں دعواے مرزائی عبث

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں مصرعِ ثانی یوں درج ہونا، نسخۂ عرشی میں ظاہر کیا گیا ہے۔

عالمِ تسلیم میں یہ دعویِ آرائی عبث

یہ کیا بات ہوئی، کہ میرزا کو مرزائی سے چڑ ہوگئی، ورنہ انھوں نے یہ قافیہ دونوں جگہ بدلا! ان دونوں شعروں میں یہ زائی لکھا ہی نہیں تھا، "مخطوطہ" جعلی ہے۔

اسی صفحے پر غزل ۱۹۲ شروع ہوتی ہے، صرف پہلا مصرع اس صفحے پر ہے۔ دوسرا مصرع اور باقی نو شعر الف کے ورق ۴۸ الف اور عتین کے ص۹۵ پر ہیں۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ غزل گنتی میں ۱۱۲ پر درج ہے۔ اختلاف نسخ صرف مقطع کے پہلے مصرع میں ہے پانچواں شعر، جس طرح "مخطوطے" میں لکھا ہے، توجہ چاہتا ہے:

سراوت سوا ایجادی اثر یک سو

بہار ... رنگینی فغاں تجھ سے

دوسرے ... میں لالہ اور رنگینی کے درمیان ... کا واؤ نہیں ہے، اور لالہ کی ۃ پر اضافت کا ہمزہ بھی ہے۔ کیا میرزا اصطلاح سے اپنا کلام اپنے قلم سے لکھتے ہوں، اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر یہ "مخطوطہ" بخطِ غالب" نہیں ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی مثال نہیں ہے۔ جہاں ہمزۂ اضافت ہونا چاہیے، وہاں تو ... نہ موجود ہوتا ہے۔

پہلا مطلع لکھنے میں بھی ایک غلطی ہوئی تھی۔ جو ٹھیک کی گئی ہے۔ ردیف "تجھ سے" ہے، لیکن مطلع کے دونوں مصرعوں میں "مجھ سے" لکھی گئی تھی۔ یہ مطلع یوں لکھا گیا تھا:

گدائے طاقت تقریر ہے زباں مجھ سے
کہ خاموشی کو ہے پیرایۂ بیّاں مجھ سے

"بیّاں" (دوسرے مصرع کا قافیہ) بعد میں "بیاں" کیا گیا ہے۔ دونوں مصرعوں کی ردیفوں میں تجھ کو تجھ بھی بعد میں کیا گیا ہے۔ یہ غلطیاں کاتب اور صرف کاتب کر سکتا تھا۔ میرزا سے یہ غلطیاں اپنا ہی کلام لکھنے میں نہیں ہو سکتی تھیں۔ پھر میرزا کو "تو" "مجھسے" ملا کر لکھنے کی عادت تھی، جیسا کہ الف کے ورق ۱ب اور عین کے صـ۳۰ پر آخری مصرع کا آخری لفظ ہے:

وہ تفس ہوں، کہ اسد سطرب دل نے مجھے

گ م میں مقطع یوں ہے:

اسد طلسمِ قفس میں رہے قیامت ہے
خرام تجھ سے صبا تجھ سے، گلستاں تجھ سے

"مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:

اسد بموسمِ گل در طلسمِ کنجِ قفس
خرامِ تجھ سے، صبا تجھ سے، گلستاں تجھ سے

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی اور گ م میں نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔

الف کے ورق ۴۸ الف اور عین کے صـ۹۵ پر یہی غزل ۱۹۵ ہے

اگرچہ میرزا نے مقطع میں بیدل کو تعظیم پیش کی ہے، لیکن یہ انکے "بیدلی رنگ" سے ہٹ کر ہے۔

یہ غزل گ م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے صفحات ۱۰۷ اور ۱۰۸ پر ہے۔

پہلا مطلع ہے: شکلِ طاؤس گرفتار بنایا ہے مجھے
ہوں وہ گلدام کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے

دوسرا مصرع پہلے یوں لکھا گیا تھا "میں وہ گلدام کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے" "وہ گلدام" سے پہلے کا لفظ اس بری طرح سے کاٹا گیا ہے، کہ محدب شیشے سے پڑھنا مشکل سے پڑھا گیا ہے۔ اور اس میں بھی قیاس کا سہارا لینا پڑا۔ یہ عجیب بات ہے، کہ الف کی تصریحات اور عین کے حواشی میں اصلاح سے قبل کی صورت یوں دکھائی گئی ہے: "میں ہوں وہ دام کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے" یہ درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ اور دام کے درمیان چار نقطوں کا فاصلہ ہے۔ اگر گلدام نہ لکھا ہوتا، تو یہ خالی جگہ بہت بری لگتی۔ سارے مصرع میں دو لفظوں کے درمیان اتنا فاصلہ کہیں نہیں ہے۔ "میں وہ گلدام . . . . ." میرزا تو اپنے قلم سے لکھتے نہیں، یہ اصلاح معکوس ہی نہیں۔ یہ وہ غلطی ہے، جو صرف ناقل کر سکتا تھا، اور ناقل میرزا نہیں تھے۔

چھٹا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

حیرتِ کاغذِ آتش زدہ ہے جلوۂ عمر

ڈھونڈھ خاکسترِ صد آئینہ پایا ہے مجھے

گ۔م میں دوسرا مصرع یوں ہے:

تہِ خاکسترِ صد آئینہ پایا ہے مجھے

"مخطوطے" میں آٹھواں شعر ہے:

دردِ اظہارِ تپش کسوتیِ گل معلوم ——————

ہوں میں وہ چاک کہ کانٹوں سے سلایا ہے مجھے

گ۔م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

ہوں میں وہ چاک کہ کانٹوں میں سلایا ہے مجھے

نسخۂ عرشی میں ص۱۴۱ پر اس بات کا اظہار ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں "کانٹوں میں" اور نسخۂ شیرانی میں "کانٹوں سے" ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کے اصلاحی مصرع کی موجودگی اسکے جعلی ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

نواں شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

جامِ ہر ذرہ ہے سرشارِ تمنا مجھ سے

کسکا دل ہوں کہ دو عالم سے لگایا ہے مجھے

گ۔تم میں "دو عالم میں لگایا ہے مجھے" ہے۔ قبل کے شعر میں "مخطوطہ" بھی ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ ۱۲۴۱ھ کے "مخطوطے" کے بیٹے ۱۲۴۲ھ کی قرأت بھی الحاقی ہے۔ اس شعر میں "ہے" "اصلاح غیر" ہے۔ جام کے بجائے دل لکھا گیا تھا۔ بعد میں اسی کو جام بنایا گیا ہے۔ قرائن سے یہ اصلاحِ معکوس معلوم ہوتی ہے۔ سہواً بھی میرزا دل نہیں لکھ سکتے تھے۔ پھر یہ میرزا کی ردیف وار پہلی بیاض بتائی جاتی ہے۔ تو گویا میرزا نے ایک شعر میں دل لکھا تھا۔ پھر غیر مردف ابتدائی بیاض) میں اسکو یونہی رکھا۔ مردف بیاض میں بھی دل لکھا۔ پھر اس کو جام بنایا۔ دل یہاں غلط نہیں ہے، لیکن دوسرے مصرع میں بھی دل ہے، اسلئے یہ لفظ یہاں میرزا نہ لکھتے:

دسواں شعر "مخطوطے" میں یوں لکھا ہے:

بے دماغِ تپش و عجز دو عالم فریاد

ہوں میں وہ خاک کہ ماتم میں اڑایا ہے مجھے

عجز کا لفظ پہلے مصرع میں بے محل ہے۔ شعر کا اصل روپ وہی ہے، جو گ۔تم میں ہے۔ اور اسی پر اصلاحِ معکوس کی گئی ہے۔ گ۔تم میں شعر کی قرأت یہ ہے:

بے دماغِ تپش و عرضِ دو عالم، فریاد

میں ہوں وہ خاک کہ ماتم میں اڑایا ہے مجھے

شاید عرض کے معنی درخواست سمجھکر اس کو اصلاحِ معکوس میں عجز کر دیا گیا۔ یہاں عرض کے معنی ہیں، وہ وصف جو جوہر کے ساتھ ہوتا ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں۔ دو عالم کے جوہر میں جو وصف ہے، اور بے قراری ہے، اُس نے مجھے بے دماغ یعنی مغرور اور متکبر کر دیا۔ فریاد ہے، کہ مجھے خاک کر کے ماتم میں اڑا دیا۔ شعر کا مضمون وہ ہے، کہ اس میں عرض کی جگہ عجز میرزا نہیں لکھ سکتے تھے۔

الف کے ورق ۸۴ب اور عین کے صفحہ ۹۶ پہ وہ غزل ہے، جس کا دوسرا مطلع

نہ متداول دیوان میں ہے، نہ نسخۂ بھوپال میں اور نہ نسخۂ شیرانی میں۔ عمدۂ منتخبہ (تذکرۂ سرور) میں مرزا کے ترجمے کے ساتھ نمونۂ کلام کے طور پر شامل کیا گیا تھا:

ماہِ نو ہوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

نسخۂ عرشی میں یہ مطلع "یادگارِ نالہ" کے حصے میں ص۳۰۵ پر دیا گیا ہے۔ تین شعر متداول دیوان ن س میں ص۲۱۶ پر اور پانچ شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۲۲۸ پر ہیں۔
"مخطوطے" میں عبرت اور حسرت ان پہلوں پر ہے، جہاں گ م میں "حیرت" ہے۔ "حیرت" اور "حسرت" کی یہ ادلا بدلی پچھلی غزلوں میں بھی ہے۔
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

مدعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے
آئینہ خانہ میں کھینچے لیے جاتا ہے مجھے

متداول دیوان میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

آئینہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

کسی نسخے میں اختلافِ نسخ، نسخۂ عرشی میں مذکور نہیں ہے۔
"مخطوطے" میں ساتواں شعر ہے:

عبرتِ آئینۂ انجامِ جنوں ہوں جوں شمع
کس قدر داغِ جگر شعلہ اٹھاتا ہے مجھے

گ م میں مصرعِ اوّل میں عبرت کے بجائے حیرت ہے۔
"مخطوطے" میں آٹھواں شعر ہے:

میں ہوں اور حسرتِ جاوید، مگر ذوقِ خیال
بہ فسونِ نگہِ ناز ستاتا ہے مجھے

گ۔م میں مصرعِ اوّل میں "حسرت جاوید" کی جگہ "حیرت جاوید" ہے۔
غزل ۳۹ میں (مخطوطے) میں یہ شعر تھا:

حسرت نشئہ وحشت نہ بسعیٔ دل ہے
عرضِ خمیازۂ مجنوں ہے گریباں میرا

لیکن پہلے حیرت لکھا گیا تھا۔ اصلاح سے حسرت بنایا گیا۔
"مخطوطے" میں غزل ۱۰۶ کا مطلع جو مقطع کے بعد ہے:

حسرت کشِ یک جلوۂ بیدل ہیں نگاہیں
کھینچوں ہوں سویدا سے دل چشم سے آہیں

گ۔م میں مصرعِ اوّل یوں تھا:

حیرت کشِ یک جلوۂ معنی ہیں نگاہیں

"مخطوطے" میں غزل ۱۰۸ کا دوسرا شعر تھا:

فرصتِ یک چشم حسرت شش جہت آغوش ہے
ہوں سپند آسا وداعِ انجمن کی فکر میں

گ۔م میں مصرعِ اوّل یہ تھا:

فرصتِ یک چشم حیرت شش جہت آغوش ہے

ظاہر ہے، میرزا سے یہ توقع نہیں کہ وہ حیرت اور حسرت کی اتنی ادلا بدلی اصلاحوں میں کرتے "مخطوطے" میں ضرورت سے زیادہ آزادی کے ساتھ اصلاحیں کی گئی ہیں اور ایک ہی نوعیت کی، کہ خواہ مخواہ ان پر نظر جاتی ہے۔ ان سب کو "اصلاح غیر" کے زمرے میں رکھا جائے گا۔
اسی صفحے پر غزل ۱۹۷ شروع ہوتی ہے سات میں سے پانچ شعر اگلے صفحے پر ہیں۔
یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔م میں صفحہ ۱۵۱ پر درج ہے۔ چھٹا شعر

"مخطوطے" میں یوں ہے:

وہ گرفتارِ خرابی ہوں کہ جوں نظارہ

سیلِ صیاد کمیں خانۂ تعمیر آوے

گ۔تم میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

وہ گرفتارِ خرابی ہوں، کہ فوارہ نمط

نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے بارے میں کوئی اندراج نہیں ہے۔ اگر "مخطوطے" کا مصرع میرزا کا ہوتا بھی، تو یقیناً یہ "فوارہ نمط" کے بعد کی قرأت ہے۔

الف۔ کے ورق ۴۹ الف، اور عین کے ص۹۷ پر غزل ع۱۹۸ ہے۔ آٹھ شعر نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا کے حوالے سے گ۔تم میں ص۸۲ پر اور تین شعر مروّج دیوان (ن۔س) میں ص۱ پر ہیں۔ "مخطوطے" میں مطلع ہے:

تشنۂ خونِ تماشا جو وہ پانی مانگے

آئینہ چشمکِ اندازِ روانی مانگے

گ۔تم میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

آئینہ رخصتِ اندازِ روانی مانگے

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

رنگ سے گل نے دمِ عرضِ پریشانیِ بزم

برگِ گل ریزۂ مینا کی نشانی مانگے

گ۔تم میں بھی شعر کی یہی قرأت ہے، لیکن نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا کی قرأت ہے۔ نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

رنگ نے گل سے دمِ عرضِ پریشانیِ بزم

"مخطوطے" میں جس کے بارے میں دعوے کیا گیا ہے، کہ نسخۂ بھوپال سے پہلے کا ہے، نسخۂ بھوپال کا مصرع نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد کے نسخے کا مصرع اس میں ہے۔ ایسی بے شمار مثالیں گذر چکی ہیں۔ اور انھیں کی طرح یہ ایک اور ثبوت "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا ہے۔

قطع نظر اس کے کمالؔ کو کچھ اور بھی عرض کرنا ہے۔ یہ شعر اس غزل کا نہیں ہے۔ غزل میں ردیف "مانگے" ہے۔ اس شعر میں ردیف "مانگی" ہے۔ میرزا یائے مجہول اور یائے معروف ایک ہی طرح لکھتے تھے۔ اس سے میرزا کے کاتبوں نے بھی دھوکا کھایا اور حیرت ہے، کہ جناب امتیاز علی خاں عرشی جیسے عالم نے، جنھوں نے دقتِ نظر کے ساتھ کلامِ غالبؔ کا مطالعہ کیا اور اس کو مرتب کیا۔ وہی دھوکا کھایا، جو میرزا کے کاتبوں نے کھایا تھا۔ اسکے بارے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، کہ اس شعر میں ردیف "مانگی" ہے۔ اب ظاہر ہے، میرزا اپنے قلم سے یہ شعر اس غزل میں نہیں لکھ سکتے تھے۔ حقیر کمالؔ "مخطوطے" میں اس شعر کے اس غزل میں لکھے جانے کو "مخطوطے" کے صریحاً جعلی ہونے کا ایک اور ثبوت سمجھتا ہے۔ اسی طرح کی ایک غلطی غزل ۲۷ میں گذر چکی ہے۔ جس میں رنگی اور زنگی قافیوں والا مطلع تسلی، لیلی، اور ساقی قافیوں والی غزل میں لکھا گیا تھا۔ وہ غلطی بھی نسخۂ عرشی میں موجود ہے۔ "مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

آمدِ خط ہے، نہ کر خندۂ شیریں کہ مباد
چشمِ مور آینۂ دل نگرانی مانگے

گ-ت میں مصرعِ اوّل یہ ہے:-

آمدِ خط سے نہ کر خندۂ شیریں کہ مباد

ن ع میں ص ۱۱۱ پر اختلافِ نسخ کے باب میں یہ اظہار ہے کہ "آمدِ خط ہے" نسخۂ شیرانی میں ہے۔ یہاں بھی نسخۂ بھوپال کے بجائے، شیرانی کی قرأت "مخطوطے" میں ہے جو اس کے جعلی ہونے کا ثبوت ہے۔ "مخطوطے" میں ساتواں شعر ہے:

تو وہ افسوں کہ تحیر کو تماشا جانے
دل وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

متداول دیوان میں شعر یوں ہے:-

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

نسخۂ بھوپال میں دوسرا مصرع وہی ہے، وہ "مخطوطے" میں ہے، لیکن اختلافِ نسخ کے باب میں ن ک م میں پہلے مصرع کے بارے میں کوئی اندراج نہیں ہے اسلئے بد تحقیق ہی ابتدائی قرأت میں ہے۔
"مخطوطے" میں دسواں شعر ہے:

وہ تبِ عشقِ تمنا ہے کہ جوں رشتۂ شمع

شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

متداول دیوان میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

وہ تبِ عشقِ تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع ہے:
الف کے ورق ۹۴ ب اور عین کے ص ۹۸ پر غزل ۱۹۹ ہے۔ "مخطوطے" میں اس کا مطالعہ بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ اس میں پہلا مطلع لکھ کر بری طرح کاٹ دیا گیا ہے۔ پھر بھی الف اور عین کے مولفوں نے قلم زد مطلع پڑھ لیا ہے اور صحیح پڑھا ہے، مطلع یہ ہے:

ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے

میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

یہ مطلع متداول دیوان ن ک س میں ص ۲۱۱ پر سرِ غزل ہے، اور اس کے نسخۂ بھوپال میں ہونے کا اظہار فٹ نوٹ میں ہے۔ اسی زمین میں دوسری غزل گ ـ میں ص ۸۳ پر ہے اور اسی کے زیادہ تر شعر "مخطوطے" میں ہیں۔ گ م میں یہ اشعار نسخۂ شیرانی اور نسخۂ بھوپال کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔
"مخطوطے" میں اس مطلع کا لکھ کر کاٹا جانا، اسے مخدوش بنا دیتا ہے۔ اگر یہ مطلع میرزا نے ۱۲۳۱ھ سے پہلے کہا تھا، تو وہ غزل، یا اس کے بیشتر شعر بھی تبھی کہے ہوں گے۔ اس صورت میں متداول دیوان کے اور شعر بھی "مخطوطے" میں ہونا چاہیے تھے۔ اس میں اس قلمزد مطلع کے علاوہ صرف ایک شعر اس غزل کا ہے
دیوان میں یہ شعر ہے:

غمِ عشّاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں
کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع نسخۂ بھوپال کے مطابق یوں ہے:

آرزو خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

متداول دیوان کی غزل میں جو مطلع لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے، اس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی سوائے اس کے کہ ناقل نے "گنجینۂ معنی" کے حصّے کے بجائے غلطی سے "نوائے سروش" کے حصّے سے اس زمین کی غزل لکھنا شروع کر دی۔ بعد میں یہ سوچ کر ہو سکتا ہے، یہ ۱۲۳۱ھ کے بعد کی غزل ہو۔ گھبرا کر مطلع کو ایک خط سے نہیں، بہت سے ٹیڑھے خطوں سے کاٹ دیا۔ بعید از امکان نہیں کہ اس مطلع کے ۱۲۳۱ ہجری کے بعد لکھے جانے کی شہادت کہیں سے مل جائے۔ اگر یہ شہادت نہ بھی ملے۔ تو بھی اس مطلع کا قلمزد کیا جانا مخطوطے کا بخطِ غالب نہ ہونا ثابت کر دیتا ہے کیونکہ غالب ایسا شعرا پنے پہلے ردیف وار دیوان سے خارج نہ کرتے۔ جبکہ اس زمین میں غزل اس میں دیکھئے۔ متداول دیوان میں مقطع اسد تخلص کا ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

گنجِ تاریک دکھیں گے یہ کی اخترِ شمری
عینکِ چشم ہوا روزنِ زنداں مجھ سے

گ م میں، دوسرے مصرع میں "عینکِ چشم بنا" ہے۔

چھٹا شعر داہنے حاشیے پر بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اور یہاں الف اور عین میں بنیادی اختلاف ہے۔ ایک تو الف میں عین کے مقابلے میں شعر ذرا اوپر ہے۔ دوسرے عین میں شعر نیچے سے اوپر لکھا۔ اور الف میں اوپر سے نیچے

نسخۂ عرشی زادہ	نسخۂ امروہہ
آتش افروزی یک شعلۂ ایما تجھ سے	آتش افروزی یک شعلۂ ایما تجھ سے
چشمک آرائی یک شہر خموشاں مجھ سے	چشمک آرائی یک شہر خموشاں مجھ سے

دونوں میں سے، جس میں بھی تحریف ہوئی ہو، تحریف ثابت ہے۔ گ سم میں شعر کی قرأت یہ ہے:

آتش افروزیِ یک شعلۂ ایما تجھ سے

چشمک آرائی صد شہر چراغاں مجھ سے

اختلافِ نسخ "مخطوطے" میں اصلاحِ غیر کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ن ا ع میں کسی اور نسخے میں اختلافِ نسخ کا ہونا مذکور نہیں ہے۔ مصرعِ اول میں آتش افروزی اور شعلۂ ایما مصرعِ ثانی میں چراغاں چاہتا ہے۔ "شہرِ خموشاں" میں چشمک آرائی کیا ہوگی؟

متداول دیوان میں ایک شعر ہے، جو "مخطوطے" میں نہیں ہے:

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے

آئینہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

کم سے کم یہ شعر یقیناً ماقبل کے شعر کے ساتھ موزوں کیا ہوگا، کیونکہ دونوں میں ایک ہی تجربہ ہے۔ اور دونوں کا مزاج ایک ہی ہے۔ اس شعر کا "مخطوطے" میں نہ ہونا، اور اسکے ساتھ کے شعر کا

حاشیے پر ہونا۔ اور ساتھ میں قلمزد مطلع کو ذہن میں رکھیے، تو "مخطوطے" کا کھوٹا ہونا ثابت ہے۔
اسی صفحے پر غزل ۲۰۰ ہے، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔م میں ص۱۰۲ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

شرم طوفانِ خزاں رنگ طرب گاہِ بہار
گلِ مہتاب بکف چشم تماشائی ہے

گ۔م میں، مصرعِ ثانی میں "مہتابی" درج ہے۔ جو نسخۂ شیرانی میں ہے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے۔
"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:۔

بو بگل فتنۂ بیدار و چمن جامۂ خواب
وصل ہر رنگ تپش کسوتِ رسوائی ہے

گ۔م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

وصل بیرنگِ جنوں کسوتِ رسوائی ہے

ن۔ع میں ص۲۱۴ پر اختلافِ نسخ کے باب میں جو اندراج ہے، اس کے مطابق نسخۂ بھوپال میں مصرع یہ ہے:

وصل رنگِ تپشِ سوتِ رسوائی ہے

یہ اظہار کیا گیا ہے کہ نسخۂ شیرانی میں مصرع یوں ہے:

وصل ہر رنگ تپش سوتِ رسوائی ہے

یہ معلوم نہیں کہ گ۔م میں جو مصرع ہے، وہ کہاں سے لیا گیا ہے۔ بہر حال یہاں پر جو بات توجہ چاہتی ہے۔ وہ یہ ہے، کہ "مخطوطے" میں مصرع نسخۂ بھوپال سے نہیں، نسخۂ شیرانی سے مطابقت رکھتا ہے۔ اور یہ بات "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا ثبوت ہے۔
الف کے ورق ۵۰ الف اور ص کے ص۹۹ پر غزل ۲۰۱ ہے۔

مخطوطے میں پہلا مطلع یہ ہے:

داغِ پشتِ دستِ عجز، شعلہ خس بدنداں ہے
اے ہوس رعونت ہا کارِ عشق آساں ہے

متداول دیوان میں شعر یوں ہے:

ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اٹھایا جائے
داغِ پشتِ دستِ عجز، شعلہ خس بدنداں ہے

اختلافِ نسخ (ن ع) میں ص ۲۵۳ پر اندراج کی رو سے نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں مطلع یہ تھا:

داغِ پشتِ دستِ عجز، شعلہ خس بدنداں ہے
اے ہوس مبارک ہو کارِ عشق آساں ہے

"مخطوطے" میں آٹھ شعروں کی غزل ہے۔ تین شعر متداول دیوان میں ہیں جو ن ع میں نقل ہوئے ہیں، اور یہ اشعار نسخۂ بھوپال میں بھی ہیں۔ چار شعر گ م میں ہیں، جو صفحات ۸۸ اور ۸۹ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہیں۔ "مخطوطے" میں تیسرے شعر میں اصلاح دکھائی گئی ہے۔ اصلاح کے بعد قرأت نسخۂ بھوپال کے مطابق ہو گئی ہے۔ اصلاح سے پہلے شعر یوں تھا:

حیرت پلید سہا خونبہائے دیدن ہا
در نقابِ رنگِ گل آئینہ پرافشاں ہے

مصرع ثانی میں "در نقابِ رنگِ گل" قلمزد کر کے "رنگِ گل کے پردے" میں لکھا گیا ہے۔ اصلاح سے پہلے کا مصرع اصلاحِ سکوت کا شکار ہے۔

"مخطوطے" کا چوتھا شعر خاص طور سے توجہ چاہتا ہے۔

عشق کے تغافل سے ہرزہ گرد ہے عالم
روئے شش جہت آفاق پشتِ چشمِ زنداں ہے

گ م میں مصرع اول میں "ہرزہ گردیِ عالم" ہے۔ اور دوسرے مصرع میں قافیہ "زنداں" ہے

اختلافِ نسخ کے باب میں ص۲۱۳ پر ن ع میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے، کہ مصرعِ اوّل یہاں "گردِ بے عالم" نسخۂ شیرانی میں ہے۔ یہاں بھی "مخطوطہ" نسخۂ بھوپال کے بعد کی یعنی نسخۂ شیرانی کی قرأت کا حامل ہے، بعد کی اصلاحیں موجود ہونا، اس بات کا ناطق ثبوت ہیں، کہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے اور نسخۂ بھوپال سے پہلے کا نہیں ہے۔

نسخۂ عرشی میں قافیہ "زنداں" چھپا ہے، لیکن غلط نامے میں اس کو "رنداں" پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اختلافِ نسخ کے باب میں "رنداں" نسخۂ شیرانی کی قرأت دکھائی گئی ہے۔ یا تو غلط نامہ غلط ہے، یا اختلافِ نسخ کے تحت اندراج غلط ہے، کیونکہ ان دونوں کی وجہ سے پوزیشن واضح نہیں ہوتی، کہ "زنداں" غلط ہے، یا نسخۂ بھوپال کا قافیہ ہے؟

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

گل بکوہ اندالہ بزم سازِ بے تابی
مثلِ دودِ مجمر ہا داغ بال افشاں ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

وحشت انجمن ہے گل دیکھ لالے کا عالم

"مخطوطے" میں مصرعِ اوّل نسخۂ بھوپال کا ہے۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

اے کرم نہ ہو غافل ورنہ عشق ہے بیدل
از گہر صدف خالی پشتِ چشم بینیاں ہے

گ م میں پہلا مصرع یہ ہے:

اے کرم نہ ہو غافل ورنہ ہے اسد بیدل

اختلافِ نسخ کے باب میں ن ع میں کوئی اندراج نہیں ہے۔ اسلئے "مخطوطے" کے مصرع کو اصلاحِ غیر کا ہدف سمجھنا چاہیئے۔

"مخطوطے" میں مقطع "نو دریافت" ہے:

جو بہ زلف کی تقریر؛ پیچتاب خاموشی

ہند میں اسدؔ نالاں، نالہ در صفاہاں ہے

جس "مخطوطے" کے ۱۲۳۱ھ کے ہونے کا دعویٰ کیا جائے اور اس میں ۱۲۴۲ھ کی وہ اصلاحیں موجود ہوں، جن سے ۱۲۳۷ھ کے نسخے کا متن بدلتا ہو، اس میں "نو دریافت" کلام صرف الحاقی تصور کیا جا سکتا ہے۔

اسی صفحہ پر غزل ۲۰۲ ہے، جو بشمولِ مطلع و مقطع سات شعروں پر مشتمل ہے۔ چھ گم میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص ۱۰۹ پر درج ہیں۔ یہ شعر "نو دریافت" ہے۔

نقشِ رنگینیِ سعیِ قلمِ مانی ہے

بکمرِ دامنِ صد رنگِ گلستاں زدہ ہے

شعر میرزا ہی کے رنگ میں ہے، اور اس غزل میں کھپ کر دوسرے شعروں میں مل گیا ہے، لیکن اس کے باوجود میرزا کا نہیں ہے۔ انکا ہوتا تو نسخۂ بھوپال میں ضرور ہوتا۔

جو غلطی پچھلی غزل میں ہوئی تھی، وہ اس میں نہیں ہے۔ دو شعروں میں یونہی سی اصلاح معکوس ہے۔ اس کو چھوڑ کر قرأت نسخۂ عرشی کے مطابق ہے اور یہیں مخطوطے کے بخطِ غالب نہ ہونے کے اہم سراغ موجود ہیں۔

مطلع یہ ہے:

گریہ سرشاریِ شوقِ بہ بیاباں زدہ ہے

قطرۂ خونِ جگر، چشمکِ طوفاں زدہ ہے

حقیر کمال عرض کرتا ہے کہ پہلے مصرع میں شوق بہ کسرۂ اضافت غلط ہے۔ شوقے ہونا چاہیئے، نسخۂ عرشی کی یہ غلطی" مخطوطے" میں صرف اسلئے موجود ہے، کہ مخطوطے کا ماخذ نسخۂ عرشی ہے یا اس کے ماخذ، اگر مخطوط بخطِ غالب ہوتا تو اس میں شوقے ہوتا۔ نسخۂ عرشی میں یہ فاش غلطی حیرت کی بات ہے۔ نسخۂ حمیدیہ میں "شوقے" ہی چھپا ہے۔

دوسرا شعر نسخۂ عرشی میں یوں چھپا تھا:

گریہ بے لذتِ کاوش نہ کرے جرأتِ شوق

قطرۂ اشک دمے بر صفِ مژگاں زدہ ہے

لیکن غلط نامے میں یہ درج ہے کہ (دوسرے مصرع کے) "دمے" کو "دمِ" (بہ کسرۂ اضافت) پڑھا جائے۔ غلط نامے میں جو تصحیح بتائی گئی ہے وہ درست نہیں ہے۔ اغلب کمال سے اہلِ نظر اتفاق کریں گے کہ یہاں "دمے" ہی درست ہے۔ نسخۂ [illegible] میں "دمے" ہی چھپا ہے۔ مخطوطے میں یہ شعر یوں لکھا ہے۔

گریہ بے لذتِ کاوش نہ ہو [illegible] شوق

قطرۂ اشک دمِ بر صفِ مژگاں زدہ ہے

اگر غلط نامے کا کہنا مانا جاتا تو اس میں [illegible] اضافت نہیں۔ "دمے" ہی یائے تنکیر ہوتا۔

مخطوطے میں پانچواں شعر ہے:

نقش ہستیِ آئینہ [illegible] پرواز عدم تا ہستی

یک شرر بال [illegible] زدہ ہے

نسخۂ بھوپال میں پہلے مصرع میں "پرواز" ہے۔ اور نسخۂ شیرانی میں "پرداز"۔ اگرچہ جناب امتیاز علی خاں عرشی نے اپنے نسخے میں صرف اختلافِ نسخ کی نشاندہی کی ہے، اور یہ نہیں لکھا ہے، کہ یہ سہوِ کاتب ہے۔ فقیر کمال سمجھتا ہے کہ یہ سہوِ کاتب ہے۔ [illegible] نسخۂ شیرانی میں جو غلطی کاتب نے کی تھی، وہی غلطی "مخطوطے" میں ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ [illegible] ہے۔

الف کے ورق ۵۰ ب اور [illegible] پر غزل نمبر ۲۶ ہے۔ اس کے ساتوں شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گنجینہ میں [illegible] اور [illegible] پر نقل ہوئے ہیں۔ گنجینہ میں مطلع یہ ہے:

خوابِ [illegible] نظر پنہاں ہے

شامِ [illegible] پنہاں ہے

(اضافتیں راقم نے لگا دی ہیں)

مخطوطے میں مطلع پہلے [illegible]:

خوابِ غفلت بہ کمیں گاہِ نظر پنہاں ہے

شام در سایہ نہ تاراجِ سحر پنہاں ہے

پھر اس میں اصلاح کی گئی۔ "در" کو کاٹ کر "سایہ" کے بعد "میں" کا اضافہ کیا گیا۔ مطلع یوں ہو گیا:

خوابِ غفلت بہ کمیں گاہِ نظر پنہاں ہے

شام سایہ میں نہ تاراجِ سحر پنہاں ہے

اندازِ تحریر میرزا کا نہیں ہے۔ وہ "بتاراج" لکھتے، اگر "ملا کر" نہ بھی لکھتے تو "بہ" کو "نہ" کیسے لکھتے، اور اس "مخطوطے" میں نظرِ ثانی کے وقت اصلاحیں بھی دکھائی گئی ہیں۔ اگر یہ نسخہ میرزا کے قلم کا ہوتا، یا ان کی نظر سے گذرا ہوتا، تو کیا یہ غلطی اس میں رہنے پاتی۔

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

دو جہاں گردشِ یک سجدۂ اظہارِ نیاز

نقدِ صد دل بہ گریبانِ سحر پنہاں ہے

گم میں مصرعِ اول میں "اسرارِ نیاز" ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

فکرِ پیرِ دارِ جنوں ہے سببِ ضبط نہ پوچھ

اشک جوں بیضہ زمژگاں تہِ پر پنہاں ہے

گم میں نسخۂ کہ پایا کا مصرعِ ثانی ہے:

اشک جوں بیضۂ مژگاں تہِ پر پنہاں ہے۔

نسخۂ شیرانی میں مصرع یہ ہے:

اشک جوں بیضہ مژہ سے تہِ پر پنہاں ہے

" مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کے مصرع کو زیادہ گاڑھا کر کے لکھا گیا ہے ۔
" مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے :

ہوش اے ہرزہ سرا تہمتِ بے دردی چند
نالہ در گردِ تمنا ئے اثر پنہاں ہے

گ م میں مصرعِ اوّل میں " ہرزہ درا " ہے ۔
" مخطوطے" میں چھٹے شعر میں اصلاح دکھائی گئی ہے ۔ اصلاح سے قبل شعر یوں تھا :

وہمِ غفلت مگر احرامِ فسردن باندھے
ورنہ پیاں در دلِ ہر سنگ شرر پنہاں ہے

مصرعِ ثانی اصلاح کے بعد یوں ہوا :

ورنہ ہر سنگ کے سینے میں شرر پنہاں ہے

گ م میں مصرع یوں ہے :

ورنہ ہر سنگ کے باطن میں شرر پنہاں ہے

" مخطوطے" میں مقطع یوں ہے :

دردِ وحشت اسدؔ آیینۂ اظہارِ نشاط
خندۂ گل بہ لبِ زخمِ جگر پنہاں ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے :

وحشتِ دل ہے اسدؔ عالمِ نیرنگِ نشاط

ن ع میں اختلافِ نسخ کے باب میں کوئی اندراج نہیں ہے ، اگر معلومہ نسخوں میں وہ مصرعے نہ ہوں ۔ جو " مخطوطے" میں ہیں ، تو " مخطوطے" کے کردار کے پیشِ نظر ان کو الحاقی سمجھا جائے گا ۔

اگر یہ مصرعے نسخۂ بھوپال کے علاوہ کسی اور نسخے میں ہونگے، تو بھی اس "مخطوطے" کی حد تک الحاقی ہوں گے۔ کیونکہ "مخطوطہ" ۱۲۳۱ھ کا بتایا جاتا ہے۔

اسی صفحے پر غزل ع۲۰۵ ہے، جس میں سات شعر ہیں۔ اس غزل کا مطلع ہے:

دامانِ دل بوہمِ تماشا نہ کھینچئے
اے مدعی خجالتِ بے جا نہ کھینچئے

اسی صفحہ پر غزل ع۲۰۶ کے دو شعر ہیں، باقی پانچ شعر اگلے صفحے پر ہیں۔ اس کا مطلع ہے:

تا چند نازِ مسجد و بیخانہ کھینچئے
جوں شمع دل بخلوتِ جانانہ کھینچئے

اس مطلع میں قافیہ "بتخانہ" ہونا چاہیئے تھا۔ جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں ہے۔ کیونکہ بیخانے میں عبادت نہیں ہوتی، اور یہاں مسجد کے مقابل بتخانہ ہی ہو سکتا ہے۔ بیخانہ سراسر اصلاح معکوس ہے۔

پہلی غزل نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا کے حوالے سے گ۔م میں صفحات ۱۰۵ اور ۱۰۶ پر اور دوسری غزل گ۔م میں ص۱۰۵ پر، کچھ زیادہ اشعار کے ساتھ ہے۔

بظاہر یہ دو ہم طرح غزلیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے، ایک غزل میں ردیف ہے "نہ کھینچئے" اور قوافی ہیں تماشا، بے جا، تقاضا، ایذا وغیرہ۔ دوسری میں ردیف ہے "کھینچئے" اور فارسی قوافی جانانہ، شانہ، بتخانہ، افسانہ، دیوانہ وغیرہ ہیں۔ ناقل نے دوسری غزل میں پہلی غزل کا ایک شعر ڈال دیا ہے۔

غزل ع۲۰۶ کے چوتھے، پانچویں اور چھٹے شعر "مخطوطے" میں یہ ہیں:

زلفِ پری بسلسلۂ آرزو رسا
یک عمر دامنِ دلِ دیوانہ کھینچئے
پروانہ آشیانۂ عنقائے ناز ہے
بالِ پری بوحشتِ بے جا نہ کھینچئے

یعنی دماغِ غفلتِ ساقی رسیدہ تر
خمیازۂ خمار سے پیمانہ کھینچیے

باوجود اس کے کہ نسخۂ بھوپال میں "بیگانہ" قافیہ کا شعر دوسری غزل میں اور "صحرا نہ کھینچیے" والا شعر فارسی قافیوں والی غزل میں ہے۔ یہ وہاں ناقل کی غلطی ہے۔ یہ نہیں کہ غزل میں ایسا ہونا جائز نہیں ہے، لیکن دل نہیں مانتا کہ میرزا اپنی "بیاض" میں شعر اس طرح لکھتے۔

الف کے ورق ۸۱ الف اور ب کے ص ۱۰۱ پر غزل ع ۲۰۷ ہے۔ اس میں سات شعر ہیں۔ اس زمین میں تین شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۹۰ اور ص ۱۱۰ پر ہیں۔ ان میں سے دو "مخطوطے" میں ہیں۔ "مخطوطے" کے باقی شعر متداول دیوان میں ہیں۔ (ن ع ص ۲۱۸ پر) ہیں۔ "مخطوطے" میں مطلع ہے:

کرتا ہے گُل جنونِ تماشا کہیں جسے
گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

متداول دیوان میں یہ شعر ہے، اور مصرعِ اوّل یہ ہے

حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

کس فرصتِ وصال پہ ہے گُل کو اے خدا
زخمِ فراق خندۂ بے جا کہیں جسے

گ م میں مصرعِ اوّل میں "اے خدا" کی جگہ "اے عندلیب" ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہے تار و پودِ فرشِ تبسّم بہ بزمِ عیش
صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے

متداول دیوان میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

در کار ہے شگفتنِ گلہا ے عیش کو

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے۔ متداول دیوان میں بعد کی قرأت ہے۔
"مخطوطے" میں مقطع یہ ہے:

ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے اسد
شوقِ عناں گسیختہ، دریا کہیں جسے

متداول دیوان میں یہ شعر ہے۔ اور اسد کی جگہ نہاں ہے۔ متداول دیوان میں چونکہ اس غزل کا مقطع غالب تخلص کا ہے۔ اسلئے شعر کو مقطع بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ "مخطوطے" کا کردار واضح ہے۔ جب کسی اور ماخذ میں کوئی مصرع نہ ہو تو صرف اس "مخطوطے" میں ہونے کی بنا پر اس کو میرزا کا مصرع تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔
اسی صفحے پر غزل نمبر ۲۰۸ شروع ہوتی ہے۔ سات میں سے، چار شعر اس صفحے پر اور باقی اگلے صفحے پر ہیں۔ چار شعر گ۔م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے صفحہ ۹۰ پر نقل ہوئے ہیں۔ اسی زمین میں دس اشعار کی غزل متداول دیوان میں بھی ہے (ن۔س۔ ص ۲۱۷، ص ۲۱۸) ان میں سے تین شعر کسی اختلافِ نسخ کے بغیر "مخطوطے" میں ہیں۔ جس شعر میں اختلافِ نسخ ہے، وہ "مخطوطے" میں چوتھے نمبر پر ہے۔

خجلت کشِ وفا سے شکایت نہ چاہیئے
اے بے حیا طلسم عرق بے غبار ہے

گ۔م میں شعر یہ ہے:

خجلت کشِ وفا کو شکایت نہ چاہیئے
اے مدعی طلسمِ عرق بے غبار ہے

ن۔ع میں، اختلافِ نسخ کے باب میں کوئی اندراج نہیں ہے۔ "مخطوطے" کی قرأت اگر نسخۂ بھوپال کے مطابق نہیں ہے یا اس میں قبلِ اصلاح کی قرأت نہیں، تو الحاقی ہے۔

الف کے ورق ١٥ ب اور عین کے ص ١٠٢ پر پانچ شعروں کی غزل ہے، جسکا مطلع ہے:

مستی بذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے
موجِ شراب یک مژۂ خوابناک ہے

مطلع اور مقطع نسخۂ بھوپال کے حوالے سے متداول دیوان ن س میں ص ٢١٦ پر تین شعروں کی غزل میں ہیں۔ باقی تین شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ١١٠ پر درج ہیں۔
"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

شگفت طلسمِ جلوۂ کیفیتِ دگر
زنگار بستہ آئینہ یک برگِ تاک ہے

ن ع میں اختلافِ نسخ کے باب میں کوئی اندراج اس شعر کے سلسلے میں نہیں ہے۔
گ م میں "زنگار بستہ" کی جگہ "زنگار خوردہ" ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اصلاح نسخۂ بھوپال میں ہو۔ اگر یہ وہاں اصلاح سے پہلے کی شکل نہ ہو تو اسے الحاقی ترکیب سمجھنا چاہیئے۔ الف کے ورق ١٣١ الف اور عین کے ص ٢٦١ پر بھی اصلاحِ معکوس سے "زنگ بستہ" لکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس مصرع کو:

کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے آئینہ خانے میں

پہلے یوں لکھا گیا تھا:

کہ طوطی ہے قفلِ زنگ بستہ آئینہ خانے میں

وہاں اصلاحِ معکوس سے مصرع ناموزوں ہو گیا تھا یہاں خیر ناموزوں نہیں ہوا۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہوں خلوتِ فسردگیٔ انتظار میں
وہ بیدماغ جس کو تمنا تپاک ہے

گ م میں مصرع ثانی میں "تمنا" کی جگہ "ہوس" بھی ہے، اختلافِ نسخ کے باب میں کوئی اندراج نہیں ہے۔
اسی صفحہ پر غزل، ص ٢٠٢ کے پانچ شعر ہیں۔ دو شعر اور مقطع نسخۂ شیرانی اور نسخۂ بھوپال

حوالے سے گ م میں ص ۸ پر ہیں۔ مطلع اور ایک شعر متداول دیوان، ن س میں ص ٢١٥ پر درج ہیں۔
فٹ نوٹ میں نسخۂ بھوپال کا حوالہ ہے۔ مخطوطے میں چوتھا شعر یوں لکھا گیا تھا:

تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا ریختن
چشمِ واگر دیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

مصرعِ اول میں "ریختن" کاٹ کر "باختن" لکھا گیا ہے، اور قرأت متداول دیوان کے مطابق ہو گئی۔ یہ اصلاح معکوس ہے۔

اسی صفحے پر غزل ع ٢١١ شروع ہوتی ہے، جس میں چھ شعر ہیں، جن میں سے دو مطلعے ہیں اور ایک مقطع۔ ایک مطلع، مقطع اور ایک شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۸ پر نقل ہوئے ہیں۔ ایک مطلع اور دو شعر — متداول دیوان ن س میں ص ٢١٤ اور ص ٢١٥ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔

"مخطوطے" میں مطلع ہے:

خوں فروشی ہائے ہستی بسکہ جانِ غیر خندہ ہے
تا شکستِ قیمتِ دلہا صدائے خندہ ہے

گ م میں دوسرا مصرع یہ ہے:

مخطوطے میں نسخۂ بھوپال کی قرأت "شکستِ قیمتِ دل میں صدائے خندہ ہے" ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا مطلع ہے:

شوقِ اظہارِ دنداں نما برائے خندہ ہے
دعویِ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے

متداول دیوان میں مصرعِ اول یہ ہے:

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں برائے خندہ ہے

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا، قبلِ اصلاح کا مصرع ہے۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

ہیں عدم میں غنچہ ہا عبرت کشِ انجامِ گل
یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

متداول دیوان میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا وہ مصرع ہے، جس پر اصلاح کی گئی ہے
"مخطوطے" میں چوتھا شعر خاص طور پر توجہ چاہتا ہے:

عیشِ بیتابی خرامِ کلفتِ افسردگی
عرضِ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

متداول دیوان میں شعر یوں ہے:

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بے تابی حرام
ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

اختلاف نسخ کے باب میں جو اندراج ن ع میں صفحہ ۲۵۲ پر ہے۔ اُسکی رُو سے نسخۂ بھوپال میں شعر یہ ہے:
عیشِ بے تابی حرام کلفتِ افسردگی عرضِ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے۔
"مخطوطے" میں ایک نقطہ ہونے سے "حرام" کی جگہ "خرام" ہو گیا ہے۔ (الف میں مقابل کے صفحے پر نستعلیق خواندگی میں بھی "خرام" درست لکھا گیا ہے۔) ایک نقطے کی غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے، میرزا سے بھی ہو سکتی تھی، لیکن یہاں میرزا کی غلطی نہیں ہے۔ اختلافِ نسخ کے باب میں یہ بھی اندراج ہے، کہ پہلے مطبوعہ ایڈیشن (۱۲۵۷ھ) میں "خرام" چھپا ہے، اور یہ سہوِ کاتب ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا۔ اسلئیے یہ ایک زائد نقطہ "مخطوطے" کے بخطِ غالب نہ ہونے کی دلیل ہے۔ "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا ایک ثبوت اگلے شعر میں بھی ہے:

نقشِ عبرت در نظر یا نقدِ عشرت در بساط
دو جہاں وسعت بقدرِ یک فضائے خندہ ہے

مصرعِ اوّل میں " درنظرہا " نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ نسخۂ بھوپال میں " درنظرہا " ہے۔ جوگم میں ہے۔ نسخۂ شیرانی کی قرأت کا "مخطوطے" میں ہونا، اس کے جعلی ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

اس شعر کا مصرعِ ثانی الف کے ورق ۵۲ الف اور عین کے صـ۱۰۳ کا پہلا مصرع ہے۔ الف اور عین میں ایک نمایاں فرق ہے۔ الف میں " دو جہاں وسعت " پر اتنی روشنائی گری ہوئی ہے، کہ انداز سے بھی یہ لفظ نہیں پڑھے جاسکتے معلوم ہوتا ہے یہ الفاظ بار بار روشنائی بھر کر قلمزد کئے گئے ہیں۔ لیکن عین میں یہ الفاظ بہت صاف تحریر ہیں۔ محدب شیشے سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ "مخطوطے" کو کھرچا گیا ہے اور یہ الفاظ " بخطِ غالب " تحریر کئے گئے ہیں۔ " وسعت " میں ت کے بعد ننھا سا دھبّہ باقی رہ گیا ہے۔ " دو جہاں " پہ راز فاش کرنے والی جالے سے باریک لکیر کا دھندلا سا نشان ہے۔ حنیف کمال کے پاس دنیا کے کچھ بہترین ساکت اور متحرک کیمرے ہیں، جو اُس نے استعمال کئے ہیں اور بُرے نتائج نہیں حاصل ہوئے، ۲۲ برس پہلے طباعت کے پیشے سے بھی وابستہ رہ چکا ہے، ایک ماہر کی حیثیت سے، پورے اعتماد کے ساتھ عرض کر سکتا ہے، کہ الف اور عین میں فرق فوٹوگرافی یا طباعت کے نقص کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے، کہ الف کے لئے جب مائکروفلم لیا گیا، تو اس کے بعد " مخطوطے " میں تحریف کی گئی اور تین لفظ " بخطِ غالب " لکھے گئے۔ یہ وسط ۱۹۶۹ء کا واقعہ ہے۔ یعنی " بخطِ غالب " تشبیح کرنے والا موجود تھا۔

کسی شک و شبہ کے بغیر یہ بات ایک بار پھر ثابت ہے، کہ " مخطوطہ " لکھنے والا ۱۹۶۹ء میں موجود تھا۔ ظاہر ہے وہ غالب نہیں تھا۔ اور اگر قسم کھانے کے لئے اس نے بھی اپنا تخلص غالب رکھ لیا تھا، تو وہ مرزا نوشہ نہیں تھا۔

اسی صفحے پر غزل ع۲۱۲ ہے، اس میں سات شعر ہیں۔ چھ گم میں صـ۸۶ اور صـ۸۷ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ہیں۔ اسی زمین میں دو شعر متداول دیوان میں ہیں۔ جن میں سے ایک " مخطوطے " میں ہے، کوئی اختلاف نسخ نہیں ہے۔ البتہ چھٹے شعر کے پہلے مصرع میں کوئی لفظ غلط لکھ دیا گیا تھا جو کاٹا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں ایک " خار " چھوٹ گیا ہے۔ شعر یہ ہے:

شوخیٔ فریاد سے ہے پردۂ زنبورِ گل
کسوتِ ایجادِ بلبل خار خارِ نغمہ ہے

اسی صفحے پر غزل ع۲۱۳ کے سات میں سے پانچ شعر ہیں۔ پانچواں شعر اور مقطع اگلے صفحے پر ہیں۔ اس زمین میں چھ شعر کی غزل گ م میں ص۷۹ اور ص۸۰ پر نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گل رعنا کے حوالے سے درج ہے۔ ایک مطلع اور ایک شعر متداول دیوان میں ہیں۔ (ن س ص۲۱۰) شعر حاشیۂ نسخۂ بھوپال کا ہے۔ اور "مخطوطے" میں نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا مطلع پہلے یوں تھا:

بدگماں رحمے کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے

نبضِ بیمار و فنا دودِ چراغِ کشتہ ہے

"بدگماں رحمے" قلمزد کر کے "رحم کر ظالم" کیا گیا ہے۔ اس سے مصرع متداول دیوان کے مطابق ہو گیا ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

داغ ہمدیگر ہیں اہلِ باغ گر گُل ہو شہید

لالہ چشمِ حسرت آلودِ چراغِ کشتہ ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

داغِ ربطِ ہم ہیں اہلِ باغ گر گُل ہو شہید

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

نامرادِ جلوہ در ہر رنگ حسرت گُل کرے

لالہ داغِ شعلہ فرسودِ چراغِ کشتہ ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

نامرادِ جلوہ ہر عالم میں حسرت گُل کرے

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہو جہاں تیرا دماغِ خوے نازک نیم مست

خوابِ نازِ گلرخاں دودِ چراغِ کشتہ ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

ہو جہاں تیرا دماغِ نازِ مستِ بے خودی

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

ہے دلِ افسردہ داغِ آرزوے شوخ اسد

شعلۂ آخر خالِ مقصودِ چراغِ کشتہ ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

ہے دلِ افسردہ داغِ شوخیِ مطلب اسد

ن ع میں اختلافِ نسخ کے باب میں کوئی اندراج نہیں ہے

الف کے ورق ۵۲ ب اور عین کے ص ۱۰۲ پر غزل ۲۱۴ ہے۔ اس میں سات شعر ہیں۔ باقی شعر متداول دیوان (ن س) میں ص ۲۱۲ اور ص ۲۱۳ پر ہیں "مخطوطے" میں مطلع ہے:

عمارت ابکہ تجھ سے گرمیِ بازارِ بستر ہے

فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

متداول دیوان میں یہ شعر ہے، لیکن نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں یہ مطلع ہے۔ اور اسی طرح ہے، جیسے "مخطوطے" میں ہے۔

دوسرا مطلع گ م میں ہے۔ فرق یہ ہے، کہ "مخطوطے" میں "پیچتاب" ہے اور گ م میں "پیچ و تاب" ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

سمائے تکلف سر بمہرِ چشم بستن ہا

گدازِ شمعِ محفل پیچشِ طومارِ بستر ہے

گ۔م میں، مصرعِ اوّل میں "چشم پوشیدن" ہے۔
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

سرشکِ سر بصحرا دادہ نور العینِ داماں ہا

دلِ بے دست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے

متداول دیوان میں مصرعِ اوّل میں ہے: "نور العینِ دامن ہے۔" "مخطوطے" میں نسخہ بھوپال اور
نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے۔
"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ وحشتِ شبہا

شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

متداول دیوان میں، مصرعِ اوّل کے آخری لفظ ہیں "شام تنہائی"۔ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال
اصلاح سے قبل کی قرأت ہے۔
"مخطوطے" میں مقطع ہے:

اسدؔ جوشِ بہارِ دیدۂ بیدار کے صدقے

ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

"متداول دیوان میں مصرع اول یہ ہے:

ابھی آتی ہے بو بالش سے اُس کی زلفِ مشکیں کی

"مخطوطے" میں مقطع نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے مطابق ہے۔
الف کے ورق ۵۲ ب (عرشی کے ص ۱۴۲) پہ غزل ۲۱۵ کے دو شعر ہیں۔

غزل کے باقی تین شعر "الف" کے ورق ۵۳ الف اور "عین" کے ص ۱۰۵ پر ہیں۔ مطلع اور مقطع متداول دیوان "ن س" میں ص ۲۱۳ پر ہیں، اور نسخۂ بھوپال کا حوالہ فٹ نوٹ میں ہے۔ تینوں شعر "گ م" میں ص ۸۵ پر ہیں، اور نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔

"مخطوطے" میں مطلع کی قرأت وہی ہے، جو متداول دیوان میں ہے۔
مطلع کے بعد کے شعر کی قرأت وہی ہے، جو "گ م" میں ہے۔
تیسرا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

جراحت دوزیِ عاشق ہے جا، ہے رحم ترساں ہوں
کہ رشتہ تارِ اشکِ دیدۂ سوزن نہ ہو جاوے

"گ م" میں، پہلے مصرع میں "ترساں ہوں" کے بجائے "ڈرتا ہوں" ہے۔ جو نسخۂ بھوپال میں ہے۔ نسخۂ شیرانی میں وہ مصرع ہے، جو "مخطوطے" میں ہے۔ "مخطوطے" کا جعلی ہونا ایک بار پھر ثابت ہے۔
"مخطوطے" میں چوتھا شعر یوں ہے:

غضب شرم آفریں ہے رنگ ریزی ہائے خود بینی
سپیدی آئینہ کی پنبۂ روزن نہ ہو جاوے

"گ م" میں "سپیدی" کی جگہ "سفیدی" ہے۔ اور "آئینہ" کے بجائے "آئینے" ہے۔
مقطع اسد کا لکھا گیا تھا۔ اسے اصلاح سے غالب کا بنایا گیا ہے:

اسد اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما سمجھ
اگر گل سر بہ قدِ شمشاد پیراہن نہ ہو جاوے

اصلاح کے بعد "مقطع" وہی ہو گیا ہے۔ جو متداول دیوان میں ہے۔ البتہ "مخطوطے" کی اصلاح میں "پیراہن" سے پہلے "پہ" غائب ہے۔

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالب
اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جاوے

پچھلی شہادتیں جو اسی "مخطوطے" میں سے پیش کی گئی ہیں۔ ان کی بنا پر یہ سمجھنا درست ہوگا، کہ مقطع اصلاحِ معکوس کے بعد مخطوطے میں لکھا گیا تھا۔ میرزا نے چونکہ اسدؔ تخلص کی غزلیں بعد میں لکھیں، جو متداول دیوان میں موجود ہیں۔ اسلیئے اسد کے مقطع کو غالبؔ کا مقطع بنانا بچوں کا کھیل جیسا لگتا ہے۔

الف کے ورق ۵۳ الف اور عین کے صفحہ ۱۰۵ پر غزل ۲۱۷ ہے، جس میں سات شعر ہیں۔ چھ گ ـ م میں ص ۱۰۵ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ہیں۔ "مخطوطے" میں یہ شعر "نو دریافت" ہے:

نمک پردازِ مشک آلودۂ وحشت تماشا ہے

سوادِ دیدۂ آہو، شبِ مہتاب ہو جاوے

ساری غزل میں یہ شعر ہے، جس میں پہلے اور دوسرے مصرعوں میں ربط پیدا کرنے والے الفاظ غائب ہیں۔ "تماشا ہے" کو اگر پہلے مصرع کے باقی الفاظ سے الگ کر کے، ربط پیدا کرنے والے الفاظ سمجھ لیا جائے، تو پھر پہلا مصرع ادھورا رہ جائے گا۔ یہ شعر میرزا کا نہیں ہو سکتا۔ یہ دلیل کافی نہیں ہے، کہ اسی خامی کی وجہ سے میرزا نے اسے نسخۂ بھوپال میں شامل نہیں کیا ہے۔ میرزا ایسا شعر کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ ان کے نام پر گڑھا گیا ہے۔ اور یہ صریحاً الحاقی شعر ہے۔ کیونکہ اس میں اُس آہو کی وحشت کے بارے میں کچھ کہنے کی کوشش کی گئی ہے، جسکے نافے میں مشک ہوتی ہے۔ لیکن FREE ASSOCIATION اور شعور کی رو والا معاملہ میرزا کے زمانے میں نہیں تھا۔

چوتھے شعر میں پہلا مصرع اصلاحِ معکوس کے بعد لکھا گیا ہے۔ "مخطوطے" میں شعر یوں ہے:

طراوت بہ نشئ طوفانِ آبِ گل سے ممکن ہے

کہ ہر یک گردبادِ گلستاں گرداب ہو جاوے

پہلا مصرع میرزا کا اسلیئے نہیں ہو سکتا، کہ اُن سے کم رتبہ کا شاعر بھی ایسا مصرع نہیں لگاتا۔ گ ـ م میں یہ شعر یوں ہے:

زبس طوفانِ آب و گل ہے، غافل کیا تعجب ہے

کہ ہر یک گردبادِ گلستاں گرداب ہو جاوے

"مخطوطے" میں پہلے مصرع میں ایک بات اور قابلِ غور ہے۔ آب وگُل کے بجائے آب
یہ بھی میرزا نہیں لکھنے۔ کیونکہ گلستاں میں آب اور گل کی فراوانی ہوتی ہے۔ آبِ گل، گلا
عرقِ گلاب کی فراوانی نہیں ہوتی۔
یہ کہ "مخطوطے" کی قرأت لائقِ اعتبار نہیں ہے، اسکی شہادت اسی غزل کے دو شعروں میں سے
شعر ہے:

اثر میں یہاں تک اے دستِ دعا دخلِ تصرف کر
کہ سجدہ قبضۂ تیغِ خمِ محراب ہو جاوے

نسخۂ عرشی میں بھی شعر کی یہی قرأت ہے، لیکن یہ نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے ما خلافِ ن
میں ص۱۴۲ پر جو اندراج ہے، اسکی رو سے نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

اثر میں یہاں تک اے دستِ دعا اعجاز پیدا کر

(لطیفہ: گ۔م میں دخل کی جگہ طباعت کی غلطی سے حل چھپا ہے۔ غلط نامے میں ا
انتقا کے فاضل مرتب نے غلطی ٹھیک کئے بغیر اسکو حل ہی پڑھا اور اختلافِ نسخ د
اسی طرح مقطع بھی "مخطوطے" میں گ۔م کی قرأت کا حامل ہے:

اسد با وصفِ عشقِ بے تکلف خاک گردیدن
غضب ہے گر غبارِ خاطرِ احباب ہو جاوے

یہ بھی نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے، نسخۂ بھوپال میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

اسد با وصفِ عجز بے تکلف خاک گردیدن

ان دو نشانوں سے "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا، اور نسخۂ شیرانی کی قرأت ر
۱۲۳۱ھ کا نہ ہونا، شک کے شائبے کے بغیر ثابت ہے۔ ایسے جعلی نسخے میں کوئی ن
شعر ہو، تو وہ میرزا سے منسوب نہیں کیا جا سکتا
[انتقا میں "مخطوطے" کے عکس کے صفحات غلط لگ گئے ہیں، اسلئے "نقو
صفحات کے حساب سے نہیں "مخطوطے" کے صفحات کے حساب سے جائزہ پیش کیا

اسی صفحے پر غزل ص۲۱۸ شروع ہوتی ہے، جسکے دو شعر اس صفحے پر اور چار شعر الف کے ورق ۵۳ الف اور عرشی کے ص۲۰ پر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۹۷ پر نقل ہوئی ہے۔ "مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہوا آئینۂ جامِ بادہ عکسِ روئے گلگوں سے

سوادِ خالِ رُخ داغِ شرابِ پرتگالی ہے

گ م میں مصرعِ ثانی میں "نشانِ خالِ رخ" ہے۔

اسی صفحے پر غزل ص۲۱۹ ہے، جس میں آٹھ شعر ہیں۔ ایک شعر گ م میں صرف نسخۂ بھوپال کے حوالے سے ہے۔ باقی شعر اس غزل میں ہیں، جو متداول دیوان میں ہے۔ (ن ع ص۲۱۸، ص۲۱۹) فٹ نوٹ میں اسکا نسخۂ بھوپال اور گل رعنا میں ہونا مذکور ہے۔ اختلافِ نسخ کے باب میں یہ اظہار ہے کہ بوجہ نقصان یہ غزل نسخۂ شیرانی میں نہیں ہے۔ "مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

دل خوں شدۂ کشمکشِ کثرتِ اظہار

آئینۂ بدستِ بُتِ بدستِ حنا ہے

متداول دیوان میں مصرعِ اوّل میں "حسرتِ دیدار" ہے، لیکن نسخۂ بھوپال میں مصرع وہی ہے جو "مخطوطے" میں ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

مجبوری و دعوائے گرفتاریِ اُلفت

دامن تہِ سنگ آمدہ احرامِ وفا ہے

گ م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

نسخۂ بھوپال میں مصرع یوں ہے:

داماں تہِ سنگ آمدہ احرامِ وفا ہے

"مخطوطے" میں داماں کے بجائے دامن اصلاح غیر ہے۔
عین کے حاشیے پر یہ شعر بھی بخطِ غالب لکھا ہے:

اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاب ادھر بھی

سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

مصرعِ ثانی جلد بندی میں کٹ گیا ہے۔ الف کے حاشیے پر یہ شعر نہیں ہے، لیکن نستعلیق خواندگی میں دکھایا گیا ہے۔

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

ظاہر ہے اسد حالِ شہیدانِ گذشتہ

تیغِ صنم، آئینۂ تصویر نما ہے

گ‌ ـ م میں شعر یوں ہے:

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گذشتہ

تیغِ ستم، آئینۂ تصویر نما ہے

نسخۂ عرشی میں کوئی اختلافِ نسخ مذکور نہیں ہے۔
الف کے اوراق ۵۳ ب اور ۵۴ الف (عین کے صفحات ۱۰۶ اور ۱۰۷) پر غزل ع۲۲۰ کے پانچ شعر ہیں۔ گ‌ ـ م میں یہ پانچوں شعر م ۱۰۱ پر ہیں، تیسرے اور آخری شعر (یعنی مقطع) کو چھوڑ کر باقی تین شعروں میں لفظوں کی ہیرا پھیری ہے، لیکن بہت معمولی سی، مقطع کی کتابت میں ایک ایسی غلطی ہے، جس سے اس "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا روشن ہے۔ مقطع یوں لکھا گیا ہے:

وہ پردہ نشین اور اسد آئینہ اظہار

شہرت چمن فتنۂ دعفاری ہے

کسرۂ اضافت سے یہ مخطوطہ پاک ہے، اسلیئے چمن کے ن کے نیچے اگر زیر نہیں ہے، تو اس کی شکایت نہیں کی جاسکتی۔ لیکن زیادہ تر ہ پر اضافت کا ہمزہ اس مخطوطے میں بھی ہے،

حالانکہ میرزا ہمزۂ اضافت بڑی باقاعدگی سے لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ "پرچۂ ہندوی" تک میں، اس مخطوطے میں کہیں اضافت کا ہمزہ ہے اور کہیں نہیں۔ "آئینۂ اظہار" میں ہ فریاد کناں ہے، کہ مجھے ءَ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ دوسرے مصرع میں "فتنہ" کی ہ پر ء مسلط کر دیا گیا ہے، حالانکہ فتنہ اور عنقا میں عطف کا رشتہ ہے۔ ءَ اور وَ دونوں موجود ہیں۔ یہ دوہرا رشتہ کیسا؟

اس قسم کی، دوہرے رشتے کی، کچھ مثالیں پہلے بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ کیا میرزا عادتاً عطف سے پہلے لفظ کی ہ پر ء لگا دیتے تھے؟ یہ غلطی ناقل کی ہے اور ناقل میرزا نہیں تھے۔

آئیے، اختلافِ نسخ دیکھیں، "مخطوطے" میں مطلع ہے:

زلفِ سیہ افعیِ نظرِ بد قلمی ہے
ہر چند خطِ سبز زمرد رقمی ہے

گ م میں، مصرعِ ثانی میں، سبز اور زمرد کے درمیان عطف کا وَ ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

ہم شقِ وفا جانتے ہیں لغزشِ پا تک
اے شمع تجھے دعویِ ثابت قدمی ہے۔

گ م میں پہلے مصرع کا پہلا لفظ "ہے" ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

واماندۂ شوقِ طربِ وصل نہیں ہوں
اے حسرتِ بسیار تمنا کی کمی ہے

گ م میں، مصرعِ اول میں ذوق ہے۔

الف کے ورق ۵۴ الف اور عین کے ص ۱۰۱ پر غزل ع ۲۴۱ کے پانچ شعر ہیں۔ جو "نودریافت" ہیں۔ غزل یہ ہے:

اُس قامتِ رعنا کی جہاں جلوہ گری ہے
تسلیم فروشی روشِ کبکِ دری ہے

شرمندۂ اُلفت ہوں مداوا طلبی سے
ہر قطرۂ شربت مجھے اشک شکری ہے

سرمایۂ اُلفت ہے دلا سایۂ گلزار
ہر سبزۂ نوخاستہ یہاں (یاں) بالِ پری ہے

روشن ہوئی یہ بات دمِ نزع کہ آخر
فانوسِ کفن بہرِ چراغِ سحری ہے

آئے ہیں اسد ہم رہِ اقلیمِ عدم سے (قلمزد)
ہم آئے ہیں غالب رہِ اقلیمِ عدم سے
یہ تیرگیِ حال لباسِ سفری ہے

ی زمین میں چار شعر ایک ماخذ سے راقم کو حاصل ہوئے ہیں۔ یہ بھی میرزا کے شعر بتائے جاتے ہیں۔ شعر حاضر ہیں:

ہستی بطپش عرضِ مداوا نگری ہے
فریاد حصولِ سخنِ بے اثری ہے

عالم ہمہ آئینۂ عالم نظری ہے
آئینہ گری کاہشِ دریوزہ گری ہے

گل آئینۂ رنگ و نو رنگ آئینۂ گل
حیرت نگۂ شوخیِ حُسنِ نظری ہے

در گلشنِ ہستی ہے نظر عجز سے سراپا
جوں جوہرِ آئینہ تماشا سے بھری ہے

یہ حقیر کمالؔ یہ سند تو نہیں دے سکتا، کہ مندرجہ بالا اشعار میرزا کے ہیں، لیکن یہ ضرور ہے، کہ ان پر میرزا کا کلام ہونے کا دھوکہ ہو سکتا ہے، البتہ جو شعر اسی زمین میں، مخطوطے میں "نو دریافت" بتائے گئے ہیں۔ وہ میرزا کے کلام کی بھونڈی پیروڈی ہیں۔ دوسرے شعر کو لیجیے:

شرمندۂ الفت ہوں مداواطلبی سے
ہر قطرۂ شربت مجھے اشکِ شکری ہے

پہلے مصرع میں "شرمندۂ الفت" غلط ہے۔ اگر میرزا لکھتے تو "شرمندہ زالفت" لکھتے۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے۔ کہ دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ شربت سے مراد کون سا شربت ہے۔ شربتِ وصل ہرگز نہیں ہو سکتا، شربتِ بنفشہ ہے، شربتِ انار، شیریں، یا یہ کوئی اور شربت۔ یہ شربت کہاں سے دستیاب ہوا۔ اور وہ اشکِ شکری کیسے ہوا؟

اس میں اسدؔ کا مقطع غالبؔ کا مقطع بنایا گیا ہے۔ گویا میرزا نے اس غزل کو اگلے مجموعے میں رکھنے کے لئے منتخب کیا تھا۔ یہ غزل قلمِ دیگر نہیں ہے۔ پھر اس کا نسخۂ بھوپال میں نہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ — یہی کہ یہ میرزا کا کلام نہیں ہے۔

الف کے ورق ۵۴ الف اور عین کے ص۱۰۰ پر ہی غزل ۲۳۲ ہے، جس کے آٹھ شعر اس صفحے پر ہیں۔ اور مقطع اگلے صفحے پر ہے۔ گ۔م میں یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص۱۱۳ اور ص۱۱۴ پر ہے۔ "مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

زاہد کہ جنوں سبحۂ تحقیق ہے یارب
زنجیریِ صد حلقۂ بیرونِ در آوے

گ۔م میں نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے، اور پہلے مصرع میں زاہد کو ہے۔ زاہد نسخۂ شیرانی میں ہے۔ ایک بار پھر ۱۲۳۱ھ کا مبینہ نسخہ، نسخۂ شیرانی کی قرأت کا حامل ہے، حالانکہ اس میں نسخۂ بھوپال کی قرأت ہونا چاہیئے تھی۔ ایک بار اور یہ دعوے منسوخ ہوتا ہے، کہ "مخطوطہ" بخطِ غالب ہے، یا نسخۂ بھوپال سے پہلے کا ہے۔

الف کے ورق ۵۴ ب اور عین کے ص۱۰۱ پر غزل ۲۳۳ کے ۱۱ شعر ہیں۔ ان میں سے چار مطلعے ہیں۔ ایک مقطع ہے، یہ غزل گ۔م میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے

ص۹۲ پر درج ہے۔

"مخطوطے" میں دوسرا مطلع ہے:

نگاہ اس چشم کی افزوں کرے ہے ناتوانائی
پرِ بالش ہے وقتِ دیدِ مژگانِ تماشائی

گ م میں شعر کا پہلا لفظ "نگہ" ہے۔

"مخطوطے" میں ساتواں شعر ہے:

جنوں افسردہ و جاں ناتواں اے جلوہ تکلیفے
گئی یک عمر خود داری بہ استقبالِ رعنائی

گ م میں مصرعِ اوّل میں "اے جلوہ شوخی کر" ہے۔

"مخطوطے" میں دسواں شعر ہے:

نگاہِ عبرت افسوں گاہ برق و گاہ مشعل ہے
ہوا ہر جلوت و خلوت سے حاصل ذوقِ تنہائی

گ م میں مصرعِ ثانی میں "خلوت و جلوت" ہے۔

اسی صفحہ پر غزل ۲۲۴ شروع ہوئی ہے، جسکے تین شعر اور چوتھے شعر کا مصرعِ اولیٰ اس صفحہ پر، مصرعِ ثانی اور باقی پانچ شعر اگلے ورق پر ہیں۔ اس غزل میں ۹ شعر ہیں، جن میں سے آٹھ شعر گ م میں ص۸۹ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہیں۔ ایک شعر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے متداول دیوان امتیاز ن س میں ص۲۱۷ پر ہے۔

گ م میں مطلع یوں ہے:

غم و عشرت قدم بوسِ دلِ تسلیم آئیں ہے
دعائے مدعا گم کردگاں لبریزِ آمیں ہے

"مخطوطے" میں دوسرا مصرع یوں ہے:

دعائے مدعا گم کردگانِ عشق آئیں ہے

گ سے ”م“ میں دوسرا مطلع ہے:

تماشا ہے کہ ناموسِ وفا رسوائی آئیں ہے
نفس تیری گلی میں خوں ہو اور بازار رنگیں ہے

”مخطوطے“ میں دوسرا مصرع یوں لکھا ہے:

نفس تیری گلی میں خوں ہوں اور بازار رنگیں ہے

ہو کی جگہ ہوں غلط ہے، تعجب ہے کہ الف اور عین کے مولفوں نے تصریحات اور حواشی کے تحت اس غلطی کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ اس ”مخطوطے“ میں مختلف لفظوں کے قلموں سے جو اصلاحیں دکھائی گئی ہیں، اُن کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے، کہ میرزا نے بار بار اس پر نظرِ ثانی کی تھی۔ ایک تو وہ ہو کی جگہ ہوں لکھتے نہیں۔ اگر سہواً ایسا ہو گیا تھا تو نظرِ ثانی کے وقت اسے نکال دیتے۔ یہ غلطی بھی اسی حقیقت کی طرف لے جاتی ہے، کہ ”مخطوطہ“ بخطِ غالب“ نہیں ہے، اور غالب کی نظر سے گذرا تک نہیں ہے۔

”مخطوطے“ میں جو تیسرا شعر ہے، وہ متداول دیوان میں یوں ہے:

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے

الف کے مؤلف نے اس شعر کو ”نو دریافت“ قرار دینے کی بہت محتاط کوشش اس طرح کی ہے، کہ تصریحات کے تحت تحریر فرمایا ہے۔ ”حمیدیہ اور شیرانی میں یہ شعر نہیں ہے۔“ ظاہر ہے نثار احمد فاروقی نے حمیدیہ اور شیرانی کا صرف نام سُنا ہے، اس سے قطعِ نظر، حقیر کماں کو مخطوطے میں اس شعر کی ہیئت کذائی پہ اعتراض ہے، کیونکہ یہ شعر یوں لکھا گیا ہے:

لب عیسے کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتہ لعل بتاں کے خواب سنگیں ہے

دوسرے مصرع میں کا کی جگہ کے بھی غلط ہے اور کی بھی غلط ہے۔ نسخۂ بھوپال میں کا ہے، لیکن نسخۂ شیرانی میں کے ہے۔ اگرچہ اختلافِ نسخ کے باب میں ص۴۵۳ پر جناب امتیاز علی خاں عرشی نے کے کو سہوِ کاتب قرار نہیں دیا ہے، لیکن ہے یہ سہوِ کاتب۔ اسی غلطی کا "مخطوطے" میں موجود ہونا اس دعوے کو رد کرتا ہے کہ مخطوطہ" بخطِ غالب ہے۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر یوں ہے:

بیابانِ فنا ہے بعدِ صحرائے طلب تازی

پسینہ توسنِ ہمت کا سیلِ خانۂ زیں ہے

گ۔م میں یہ مقطع ہے، اور پہلے مصرع کا آخری لفظ "تازی" کی جگہ غالب ہے، اور میرزا نے یہ مقطع ہی کہا ہوگا، کیونکہ اس میں غالب کو مخاطب کرکے بات کی گئی ہے۔ "مخطوطے" میں شعر کی جو قرأت ہے، اس میں "تازی" تخلص معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ لفظ "تازی" کے یہاں کوئی معنی نہیں۔ تازی کے معنی ہیں: عربی زبان، عربی گھوڑا، شکاری کتا، خلافِ عجمی۔ اب بات نہ عربی گھوڑے سے مخاطب ہوکر کی جاسکتی ہے، اور نہ شکاری کتے سے، اور نہ عربی زبان سے۔ دوسرے مصرع میں "توسن" موجود ہے، اس کی رعایت سے بھی تازی میرزا استعمال نہیں کرتے، کیونکہ اس کی رعایت سے بھی یہاں "تازی" کے کوئی معنی نہیں۔ اس شعر میں "تازی" کا لفظ الحاقی ہے، اور اس کی بنا پر "مخطوطے" کا بخطِ غالب نہ ہونا ثابت ہے۔

گ۔م میں پانچواں شعر ہے:

زبس جز حسنِ سنت ناگوارا ہے طبیعت پر

کشادِ عقدہ محوِ ناخنِ دستِ نگاریں ہے

اسی کو "مخطوطے" میں اسد کا مقطع بنایا گیا ہے:

اسد جز حسنِ سنت ناگوارا ہے طبیعت پر

کشادِ عقدہ محوِ ناخنِ دستِ نگاریں ہے

غالب تخلص کے مقطع کو اسد تخلص کا مقطع نہیں بنایا جا سکتا تھا، اور وہ اوپر ثابت ہو گیا، کہ اس میں تحریف کی گئی۔ یہاں ایک شعر میں "زبس" کی جگہ اسد ڈال دیا۔ گھبراہٹ میں دوسرے مصرع میں ناکردا "کو" ناکورا" لکھ دیا گیا۔

الف کے ورق ۵۵ الف اور عین کے ص۱۰۹ پر غزل ع۲۲۵ ہے، جس میں پانچ شعر ہیں۔ یہی غزل گ۔م میں، نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص۱۰۰ اور ص۱۰۱ پر درج ہے۔ اس میں چھ شعر ہیں، چھٹا شعر مقطع ہے، جس میں غالب تخلص نظم ہوا ہے۔ اور یہ اس "مخطوطے" سے غائب ہے، وجہ عیاں ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں ہے:

نغمہ ہا وابستۂ یک عقدۂ تارِ نفس

ناخنِ مشکلکشا لاؤں کہ مضرابی کرے

"مشکل کشا" اردو میں اپنے لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوتا، کیونکہ مشکل کشا مولا علیؑ کو کہتے ہیں۔ میرزا یہاں ہرگز یہ ترکیب استعمال نہیں کر سکتے تھے، پھر "لاؤں" نے اور قیامت مچا دی۔ "مشکلکشا" کے بجائے "عقدہ گشا" ہوتا، تو بھی غنیمت تھا۔ اگرچہ "عقدہ" پہلے مصرع میں موجود ہے، دوسرے مصرع کی ابتدائی قرأت بھی وہی ہو گی، جو نسخۂ عرشی میں ہے:

ناخنِ تیغِ بُتاں شاید کہ مضرابی کرے

چوتھا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے:

زخم ہائے کہنہ بر جا ماندۂ خوں مردگی

اے خوشا گر آبِ تیغِ یار تیزابی کرے

گ۔م میں شعر یوں ہے:

زخم ہائے کہنۂ دل رکھتے ہیں بوئے مردگی

اے خوشا گر آبِ تیغِ ناز تیزابی کرے

"مخطوطے" کے پہلے مصرع میں ذم کا پہلو ہے، شعر میں اختلاف اصلاحِ غیر کی وجہ سے ہے۔
"مخطوطے" میں مقطع ہے:-

گر سحر وہ جلوہ ریزِ بے نقابی ہو اسدؔ

رنگِ رخسارِ گلِ خورشید مہتابی کرے

پہلے مصرع میں "سحر" کا استعمال محلِ نظر رہے ہے۔ "وقتِ سحر" سحر کے وقت، کی جگہ خالی سحر فصیح کبھی نہیں اور رائج بھی نہیں، نہ پہلے تھا، نہ اب ہے۔ "سحر کو" بھی فصیح نہیں ہے۔ اگرچہ غلط بھی نہیں ہے۔ اسلیئے اس طرح میرزا یہ مصرع نہیں لکھ سکتے تھے۔ اس مصرع کی ابتدائی قرأت بھی وہی ہوگی، جو گ۔م میں ہے:

صبحدم وہ جلوہ ریزِ بے نقابی ہو اگر

اسی صفحے پر غزل ۲۳۶ ہے، جس میں سات شعر ہیں۔ پانچویں شعر کے پہلے مصرع تک اس صفحے پر، غزل کا باقی حصہ اگلے صفحے پر ہے۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا کے حوالے سے گ۔م میں ص۱۰۸ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

گر دکھاؤں صفحۂ بے نقش رنگِ رفتہ آہ

دستِ رد، سطرِ تبسم بکلفم انشا کرے

گ۔م میں، مصرعِ اول کا آخری لفظ کو ہے
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

ہو تنورستاں طلسمِ حلقۂ گردابہا

عکس گر طوفانیِ آئینۂ دریا کرے

نسخۂ بھوپال میں پہلا مصرع ہے:

صفوۂ گردابِ جوہر کو بنا ڈالے تنور

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

یک درِ بر روے شفقت بستہ دور شش جہت
حسرتستاں ہے خیالِ خانہ ویراں کیا کرے

گ ـ م میں شعر یہ ہے:

یک درِ بر روے رحمت بستہ دور شش جہت
نا امیدی ہے خیالِ خانہ ویراں کیا کرے

حقیر کہاں سمجھتا ہے کہ مصرعِ اوّل یوں ہونا چاہیے تھا:

یک درے بر روے رحمت بستہ دورِ شش جہت

یہاں درِ پہ کسرۂ اضافت نہیں، بہ یائے تنکیر درست ہے۔ ہو سکتا ہے یہ غلطی نسخۂ عرشی کے ماخذوں میں بھی ہو۔ اس کے باوجود یہ غلطی ہے۔ میرزا درے کو درَ نہ لکھتے۔ "مخطوطے" میں نسخۂ عرشی کا شعر اصلاحِ غیر کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس کا ثبوت درِ ہے۔
"مخطوطے" میں مقطع یوں لکھا گیا ہے:

ناتوانی سے نہیں سر درگریباں نے اسد
جملہ تن ہوں یک خمِ تسلیم جو آقا کرے

گ ـ م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

ہوں سراپا یکقلم تسلیم جو مولا کرے

یہی نسخۂ بھوپال کا مصرع ہے، نسخۂ شیرانی کا مصرع یہ ہے:

ہوں سراپا یک خمِ تسلیم جو مولا کرے

"یک خمِ تسلیم" نسخۂ شیرانی میں ہے اور "مخطوطے" میں اس کی موجودگی اس حقیقت کی طرف واضح

اشارہ ہے۔ کہ "مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کا مصرع مسخ کر کے لکھا گیا ہے۔

الف کے ورق ۵۵ ب اور عین کے ص۱۱۱ پر غزل ع۲۳۷ ہے، جس میں پانچ شعر ہیں۔ مطلع اور تین شعر متداول دیوان میں ہیں۔ (ن س ص۲۱۱)۔ انکا نسخۂ بھوپال میں ہونا مذکور ہے۔ دو شعر گ م میں ص۸۲ پر ہیں۔ اور انکے لیئے نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ "مخطوطے" میں دوسرا شعر یہ ہے:

میکدہ گر چشمِ مستِ یار سے پاوے شکست
موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

گ م میں، مصرعِ اوّل میں "چشمِ مستِ ناز" ہے۔ اختلافِ نسخ کے باب میں ص۵۴ پر جناب امتیاز علی خاں عرشی نے یہ اظہار کیا ہے، کہ نسخۂ شیرانی، نسخۂ رامپور، اور پہلے اور دوسرے مطبوعہ ایڈیشنوں میں "یار" ہے۔ اگر نسخۂ بھوپال میں "ناز" ہے تو "مخطوطے" میں "یار" کیوں ہے؟

الف کے اوراق ۵۵ ب اور ۵۶ الف ــــ اور عین کے ص۱۱۰ اور ص۱۱۱ پر تین ہم طرح غزلیں ہیں۔ یہ غزلیں گ م میں ص۸۰ اور ص۸۱ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہیں۔ اور ایک متداول دیوان میں (ن س ص۲۱۰) ہے۔ اور یہ اشعار نسخۂ بھوپال اور اس کے حاشیے کے ہیں

غزل ع۲۳۸ کا دوسرا مطلع "مخطوطے" میں یوں ہے:

خموشی خانہ زادِ چشمِ بے پروا نگاہاں ہے
غبارِ سرمہ یہاں گردِ سوادِ نرگستاں ہے

گ م میں بھی اس کی یہی قرأت ہے، لیکن نسخۂ بھوپال میں، مصرعِ ثانی کا قافیہ "سنبلستاں" ہے۔ یہ واضح بات ہے، کہ نسخۂ شیرانی کا قافیہ "مخطوطے" میں موجود ہونا اس کو جعلی ثابت کرنے کے لئے بڑی معتبر شہادت ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر نظرِ ثانی کا خاصا سامان مہیا کرتا ہے:

صفائے اشک میں داغِ جگر آئینہ پرتو ہیں
پرِ طاؤس برقِ ابرِ چشمِ اشکِ باراں ہے

قافیہ بیک وقت نالاں بھی ہے اور باراں بھی۔

گ م میں شعر یوں ہے:

صفاے اشک میں داغِ جگر جلوہ دکھاتے ہیں

پرِ طاؤس گویا برقِ ابرِ چشمِ گریاں ہے

نسخۂ عرشی میں کوئی اختلافِ نسخ مذکور نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

بوے زلفِ مشک افشاں ہیں رم افزوِ آشفتن

کہ شاخِ آہواں دودِ چراغِ آسا پریشاں ہے

گ م میں مصرعِ اوّل مختلف ہے، اور کوئی اختلافِ نسخ بھی مذکور نہیں ہے:

بوے زلفِ مشکیں، یہ دماغِ آشفتۂ رم ہیں

"مخطوطے" میں مقطع یہ ہے:

اسد یہ فرطِ غم نے کی تلف کیفیتِ شادی

کہ صبحِ عید مجکو بدتر از چاکِ گریباں ہے

"متداول" دیوان میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف، کیفیتِ شادی

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا وہ مصرع ہے، جو اصلاح سے منسوخ کیا گیا۔

"مخطوطے" میں غزل ۲۲۹ کا دوسرا شعر یوں ہے:

نہیں ہے مردنِ صاحبدلاں جز کسبِ جمعیت

سویدا میں نفس مانندِ خط در نقطہ پنہاں ہے

گ م میں یہ نسخۂ شیرانی کی قرأت ہے۔ واللہ پرا اختلاف۔ نسخ کے باب میں اس بات کی

نشاندہی کی گئی ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں دوسرا مصرع یہ ہے:

سویدا میں نفس مانندِ خط نقطے میں پنہاں ہے

یہ بات قیاس سے بہت دور ہے کہ ۱۲۳۱ھ سے قبل کا مصرع اصلاح کے بعد نسخۂ بھوپال میں ۱۲۳۷ھ میں لکھوایا گیا۔ اور پانچ چھ برس بعد اس اصلاح کو کالعدم کر کے پھر پچھلا مصرع نسخۂ شیرانی میں لکھوایا گیا۔ اس نوعیت کی بے شمار مثالیں پہلے پیش کی جا چکی ہیں۔ مخطوطے کے جعلی ہونے کا یہ ایک اور ثبوت ہے:

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

طرازِ خانۂ محمل ہے بر دوشِ رمِ آہو
ز وحشت ہائے مجنوں شوخیٔ لیلا نمایاں ہے

(لیلا کا املا قابلِ ملاحظہ ہے، یہ غلط نہیں ہے، لیکن "مخطوطے" میں املا کے سلسلے میں دوسری اصلاحات نہیں ہیں شلاً خورشید کو خرشید نہیں لکھا گیا ہے)

گ۔ تم میں شعر یوں ہے:

زبس دوشِ رمِ آہو پہ ہے محمل تمنا کا
جنونِ قیس سے بھی شوخیٔ لیلیٰ نمایاں ہے

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

نقابِ یار ہے غفلت نگاہی ہائے بینندہ
مژہ پوشیدہ نیہا پردۂ تصویر عریاں ہے

گ۔ تم میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

نقابِ یار ہے غفلت نگاہی اہلِ بینش کی

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

اسد بندِ قبا ہے غنچۂ گلزار سامانی
اگر ہووے شگفتن جوشِ یک عالم گلستاں ہے

مصرعِ ثانی میں شگفتن کا لفظ محلِ نظر ہے، ایک تو مصدر یہاں مناسب نہیں ہے۔ شگفتہ بھی یہاں مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ بندِ قبا کھلتا ہے، کھلتا نہیں۔ اس مصرع میں اصلاح غیر واضح ہے۔ مصرعِ اول میں بھی الحاقی الفاظ ہیں، گ۔م میں مقطع یوں ہے:

اسد بندِ قبائے یار ہے فردوس کا غنچہ
اگر وا ہو تو دکھلا دوں کہ یک عالم گلستاں ہے

غزل ۲۳۱ کا چھٹا شعر ہے:

تکلف برطرف ذوقِ زلیخا جمع کر ورنہ
پریشاں خوابِ آغوشِ وداعِ یوسفستاں ہے

گ۔م میں بھی شعر کی یہی قرأت ہے، لیکن الف اور عین میں ایک فرق ہے۔ الف میں زلیخا اور جمع دونوں لفظ لکھتے وقت قلم میں روشنائی زیادہ ہونے کی وجہ سے کچھ گنجلک ہیں لیکن چھیل چھال کر عین میں انھیں ٹھیک کر دیا گیا ہے۔ چھیل چھال میں جمع میں جؔ کا نقطہ بھی چھل گیا۔

الف کے ورق ۵۶ الف اور عین کے ص ۱۱۱ پر غزل ۲۳۲ ہے۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ غزل گ۔م میں ص ۸۳ اور ص ۸۴ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں مطلع ہے:

تغافل مشربی سے ناتمامی بسکہ پیدا ہے
نگاہِ مست در چشمِ بتاں زنارِ مینا ہے

گ۔م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

نگاہِ ناز چشمِ یار میں زنارِ مینا ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

کیا یکسر گدازِ دل نیازِ جوششِ حسرت

سُویدا نسخۂ تہ بندیِ داغِ تمنّا ہے۔

گ ســــم میں نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے اور مصرعِ اوّل یہ ہے:

کیا یکسر گدازِ دل بنازِ جوششِ حسرت

"مخطوطے" میں نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے۔ الف کے فاضل مرتب نے تصریحات کے تحت "اختلافِ نسخ دکھایا ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ "مخطوطہ" نسخۂ بھوپال کے مقابلے میں نسخۂ شیرانی کی قرأت کا حامل ہے۔ الف کے فاضل مرتب نے اپنی معصومیت کے ایسے ہی کئی ثبوت دیئے ہیں۔ نسخۂ عرشی میں ص۱۲۴ پر اختلافِ نسخ کے باب میں "نیازِ جوششِ حسرت"، نسخۂ شیرانی میں ہونا دکھایا ہے۔ "مخطوطے" کا یہاں بھی کھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

نہیں ہوتا یہ بیدن جلوہ رنگ از فرطِ خونریزی

حنائے پنجۂ صیّاد، مرغِ رشتہ برپا ہے

گ ســــم میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

ہجومِ ریزشِ خوں کے سبب رنگ اُڑ نہیں سکتا

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

اسد گر دانۂ دُرِ نجف تعویذِ بازو ہو

غریقِ بحر جوں تمثال در آئینہ رہتا ہے

مقطع نسخۂ شیرانی میں نہیں ہے۔ نسخۂ بھوپال میں اس کی جو قرأت ہے، وہی میرزا کا شعر ہے:

اسدؔ گر نامِ والا سے علی تعویذِ بازو ہو

غریقِ بحرِ خوں تمثال در آئینہ رہنا ہے

چوتھے شعر سے یہ ثابت ہو چکا ہے، کہ "مخطوطہ" جعلی ہے، اس میں جو اختلافِ نسخ جہاں بھی ہے، وہ اصلاح غیر کی وجہ سے ہے۔

اسی زمین میں اگلی غزل (۲۳۳) کا مطلع اسی صفحے پر ہے۔ باقی پانچ شعر الف کے ورق ۵۶ ب اور عین ص۱۱۲ پر ہیں۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے یہ غزل گ۔ تم میں ص۸۴ پر درج ہے۔

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

عزیزاں گرچہ بہلاتے ہیں ذکرِ وصل سے لیکن

مجھے افسونِ خواب افسانۂ خوابِ زلیخا ہے

گ۔ تم میں شعر یہ ہے:

عزیزو ذکرِ وصلِ غیر سے مجھکو نہ بہلاؤ

کہ یاں افسونِ خواب، افسانۂ خوابِ زلیخا ہے

"مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کی، اصلاح سے پہلے کی قرأت ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

تصور بہرِ تسکینِ طپیدن ہائے طفلِ دل

بیادِ رنگ ہائے رفتہ گلچینِ تماشا ہے

گ۔ تم میں مصرعِ ثانی میں "بباغِ رنگ ہائے رفتہ" ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

بسعیِ غیر ہے قطعِ لباسِ خانہ بربادان

کہ تارِ جادۂ رہ رشتۂ دامانِ صحرا ہے

گ ۔ م میں مصرعِ اول میں " خانہ ویرانی " ہے۔
" مخطوطے " میں مقطع ہے:

اسد شبہائے تاریک فراقِ شعلہ رویاں میں
چراغِ خانۂ دل سوزشِ داغِ تمنا ہے

گ ۔ م میں اسد کے بجائے تجھے ہے۔
مندرجہ بالا اشعار میں قرأت کا فرق نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں اختلافِ نسخ کے باب میں مذکور نہیں ہے۔ اگر " مخطوطے " کے مصرعے نسخۂ بھوپال کے نہیں ہیں، تو ان کا الحاقی ہونا واضح ہے۔ الف کے ورق ۵۶ ب اور عرشی کے ص ۱۱۲ پر غزل ع ۲۳۴ ہے۔ وہ بھی پچھلی دو غزلوں کی زمین میں ہے اور اس میں سات شعر ہیں۔ چھ شعر اختلافِ نسخ کے ساتھ، نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ ۔ م میں ص ۸۴ اور ص ۸۵ پر درج ہیں۔ ایک جو گ ۔ م میں نہیں ہے۔ وہ یہ ہے:

نہ لائی شوخیٔ اندیشہ تابِ دردِ نومیدی
کفِ افسوس سودن عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

یہ شعر اختلافِ نسخ کے ساتھ متداول دیوان ن ۔ س میں ص ۲۲۰ پر ہے اور فٹ نوٹ میں حوالہ دیا گیا ہے کہ یہ شعر، اور اس غزل کے دوسرے شعر نسخۂ بھوپال کے حاشیے پر ہیں۔ نسخۂ بھوپال میں، دوسرے مصرع میں سودن ہی ہے۔ دیوان میں ملتا ہے جو بعد کی اصلاح ہے۔ زیرِ نظر " مخطوطہ " کی تاریخ کتابت ۱۴ رجب المرجب ۱۲۳۱ ہجری متعین کی گئی ہے۔ جبکہ نسخۂ بھوپال ۱۲۳۷ ہجری میں لکھا گیا۔ حاشیے پر جو اضافے ہیں، وہ اور بھی بعد کے ہیں۔ اب سوال یہ ہے، کہ " مخطوطے " میں ۱۲۳۷ ہجری کے بعد کا کلام کیسے پہنچ گیا۔ تینوں ہم طرح غزلیں جو زیرِ نظر مخطوطے میں ہیں، نسخۂ بھوپال میں بھی ہیں۔ بلکہ پچھلی غزل میں ایک مقطع یوں بھی زیادہ ہے۔ حاشیے پر جو چار شعر ہیں، وہ اپنے رنگ کے اعتبار سے بھی بعد کے ہیں۔ ۱۲۳۷ ہجری کے بعد کے اس شعر کا " مخطوطے " میں ہونا اس بات کا فیصلہ کن ثبوت ہے، کہ یہ بخطِ غالب نہیں ہے۔ اس کا سالِ کتابت ۱۲۳۱ ہجری نہیں ہے اور اس کے چند برس بعد کا تو یہ مخطوطہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ نسخۂ بھوپال اور اس کے حاشیوں کا سارا کلام اس میں ہوتا۔ یہ نسخہ غالب کی صد سالہ برسی سے کچھ ہی پہلے لکھا گیا ہے۔ تینوں غزلوں کی

اصلاحیں الحاقی ہیں اور مخطوطہ جعلی قرار پاتا ہے۔
نسخۂ بھوپال کے حاشیئے کا یہ شعر "مخطوطے" میں کیسے پہنچا، اس کے بارے میں اس حقیر کمال کا خیال یہ ہے کہ نسخۂ عرشی میں ایسے شعروں پر ننھے پھول بنے ہوتے ہیں۔ یہ سب شعر چونکہ حاشیے پر تھے اسلئے ان پر پھول نہیں بنائے گئے بلکہ فٹ نوٹ میں ساری غزل کے لئے "حاشیہ ق" لکھدیا گیا۔ چھوٹے پھولوں کے نہ ہونے سے "مخطوطہ نگار" سے غلطی ہو گئی۔
اس غزل کا مطلع "مخطوطے" میں یوں ہے:

بزم مے پرستی حسرتِ تکلیفِ بیجا ہے
کہ پیاں کف برلبِ پیمانہ از جوشِ تقاضا ہے

نسخۂ بھوپال میں مصرعِ ثانی یوں ہے:

کہ جامِ بادہ کف برلب بہ تکلیفِ تقاضا ہے

"مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

نشاطِ دیدۂ بینا ہے کو خواب و چہ بیداری
بہم آوردہ مژگان بوسۂ جیبِ تماشا ہے

گستم کے مطابق نسخۂ بھوپال میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

بہم آوردہ مژگاں بوسۂ روئے تماشا ہے

"مخطوطے" میں چوتھا شعر نسخۂ شیرانی کی قرأت کا حامل ہے:

نگہ معمارِ حسرتہا چہ آبادی چہ ویرانی
کہ مژگاں جس طرف وا ہو بکفِ دامانِ صحرا ہے

نسخۂ عرشی کے مطابق، نسخۂ بھوپال میں مصرعِ ثانی میں "کفِ دامانِ صحرا" ہے
"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

نہ ہو گر جوشِ رشکِ آئینہ در آبلہ خفتن
بجولاں گاہِ مطلب ہا نگاہِ عاجزاں پا ہے

گ۔تم میں شعر یوں ہے (اور کوئی اختلافِ نسخ مذکور نہیں ہے)

نہ سووے آبلوں میں گر سرشکِ دیدۂ نم سے
بجولا نگاہِ نومیدی نگاہِ عاجزاں پا ہے

"مخطوطے" میں مقطع ہے:۔

اسد یاسِ تمنا سے عبث اُمیدِ آزادی
گداز آرزو ہا آبیاریِ آرزو ہا ہے

گ۔تم میں مصرعِ اوّل میں "عبث" کی جگہ "نہ رکھ" ہے۔
قرأت میں جو فرق ہے، اسکے بارے میں مناسب فیصلہ "مخطوطے" کے کردار کے پیش نظر کیا جا سکتا ہے۔
اسی صفحہ پر غزل ۲۳۵ ہے، جس میں چار شعر ہیں۔ یہی غزل نسخۂ بھوپال کے حوالے سے گ۔تم کے ص۱۰۳ اور ص۱۰۴ پر ہے، اور اس میں ایک شعر زیادہ ہے۔ صرف ایک جگہ، تیسرے شعر میں اختلافِ نسخ ہے (گ۔تم میں "یک" اور مخطوطے میں "جوں") باقی قرأت ایک جیسی ہے۔
اسی صفحہ پر غزل ۲۳۶ کا مطلع ہے:

وہ نہا کر آبِ گُل سے سایۂ گُل کے تلے
بال کس گرمی سے سکھلاتا ہے سُنبل کے تلے

یہ مطلع، اور غزل کے باقی چار شعر جو آ۔ق۔ کے ورق ۷۵ الف اور عین کے ص۱۱۳ پر ہیں، قلمزد ہیں۔ چنانچہ یہ "نو دریافت" غزل ہے، کیونکہ کلامِ غالب کی "حیثیت" سے یہ پہلی بار سامنے آئی ہے۔ مطلع ملاحظہ فرمایئے۔ آبِ گُل سے نہانا تو ٹھیک ہے، لیکن سایۂ گُل کے کیا معنی ہیں۔ کیا تاروں یا رسیوں کی چھت تھی، جس پر گلاب کی بیل پھیلی ہوئی تھی اور اس کے سائے میں غسل کیا گیا تھا۔ اور یہ غسل سر سے کیا گیا تھا کیونکہ سُنبل کے تلے بال سکھلاتے دکھایا گیا ہے۔

یہ مضمون غالب کے مزاجِ شاعری سے میل نہیں کھاتا۔
دوسرا شعر ملاحظہ فرمایئے:

کثرتِ جوشِ سویدا سے نہیں تل کی جگہ
خال کب مشاطہ دے سکتی ہے کاکل کے تلے

یہ شعر میرزا کے مزاج اور میرزا کے رنگ کا نہیں ہے، وزیرِ صبا کا مضمون ہے اور میرزا کو زیب نہیں دے سکتا۔ اسلئے یہ بھی میرزا کا شعر نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ کوئی مضمون ہوا "کثرتِ جوشِ سویدا" یہاں پر مہمل ترکیب ہے۔
تیسرا شعر یہ ہے،

بسکہ خوباں باغ کو دیتے ہیں وقتِ سیر شکست
بال اُگ جاتا ہے شیشے کا رگِ گل کے تلے

میرزا کے رنگ کی تقریباً کامیاب نقل کی گئی ہے۔ نقل پھر نقل ہے کتنی ہی کامیاب کیوں نہ ہو۔ پہلے مصرع کا مضمون، میرزا ہی کے ایک مصرع سے لیا گیا ہے۔ "چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے"۔ لیکن پہلے مصرع میں "شکست دینا" غلط استعمال ہوا ہے، کیونکہ باغ اور خوباں میں کوئی دنگل تو ہوتا نہیں۔ دوسرے مصرع میں یہ کہنا تھا کہ گل کے دل پر رشک یا حسد سے بال پڑ جاتا ہے۔ اسکے لیئے رگِ گل کے تلے بال اگادیا اور شیشے کا ذکر اسلئے کیا گیا، کہ شعر پڑھنے والا کوئی اور بال نہ سمجھ لے۔ باقی شعر بھی یونہی فضول سے ہیں اور کسی طرح سے میرزا سے منسوب نہیں کیئے جاسکتے۔
اس حقیقت کو آپ کو بھی ماننا ہے کہ اسی زمین میں کچھ شعر دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ بھی میرزا کے شعر بنا کے کہے ہیں۔ "ملفوظہ" کے اشعار سے زیادہ رنگِ غالب ان میں ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور جناب مالک رام صاحب جنھوں نے اس الحاقی کلام کے ساتھ، اور تمام غلطیوں اور اصلاحات مع عکس کے ساتھ زیرِ نظر مخطوطے کے بخطِ غالب ہونے کی سند دی ہے شاید زیادہ وثوق سے مزید نو دریافت کلام کو پرکھ کر میرزا کے کلام ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کچھ کہہ سکیں۔

شعر یہ ہیں:

عشرتِ موہوم در زیرِ حلقۂ گرداب ہا
برگِ گل کا فرش بھی ہے سایۂ گل کے تلے

از ہجومِ کلفتِ دل، گل کا پیراہن ہے چاک
اک طلسمِ رنگ ہے آہنگِ بلبل کے تلے

حیرتِ آئینۂ بیدل نظر آئی مجھے
آگہی جب زیرِ دام آئی ہے کاکل کے تلے

خانۂ آئینہ ہا ویران ہوتا ہے اسدؔ
رفتنِ رنگِ تہی ہے سایۂ گل کے تلے

الف کے ورق ۷۵ الف اور عین کے ص ۱۱۳ پر یہی غزل ع ۲۳۷ ہے، جس میں سات شعر ہیں۔ دو
نسخۂ بھوپال ۱۰۶ اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص ۱۰۳ پر درج
[دو]سرے شعروں کے ساتھ یہ ر...
ہے۔ "مخطوطے" میں مطلع یوں ہے:

حیرتِ آئینہ ساں مژگاں بدل آسودہ ہے
قطرۂ اشکِ نژادِ دیدہ نگاہ آلودہ ہے

گ م میں مصرعِ ثانی یہ ہے:

قطرہ جو آنکھوں سے ٹپکا سو نگہ آلودہ ہے

[نس]خۂ شیرانی میں "نگاہ آلودہ" ہے۔ ایک تو یہ نسخۂ شیرانی کا ٹکڑا ہے۔ باقی قرأت اصلاحِ غیر
[کی] وجہ سے ہے۔
"مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

در طلسمِ عاجزی اے اضطراب آرام کو
پر فشانی ہا فریبِ خاطرِ آسودہ ہے

گ۔تم میں شعر یوں ہے:

دامگاہِ عجز میں سامانِ آسائش کہاں
پر فشانی بھی فریبِ خاطرِ آسودہ ہے

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

اے ہوس عرضِ بساطِ نازِ مشتاقاں نہ پوچھ
جوں پرِ طاؤس چندیں داغ مشک اندودہ ہے

گ۔تم میں شعر یوں ہے:

اے ہوس عرضِ بساطِ نازِ مشتاقی نہ مانگ
جوں پرِ طاؤس یکسر داغ مشک اندودہ ہے

نسخۂ عرشی میں ص۲۴۱ پر اختلافِ نسخ کے باب میں جو اندراج ہے اسکی رو سے "مخطوطے" میں مصرعِ ثانی نسخۂ بھوپال کا ہے۔ لیکن مصرعِ اول الحاقی قرار پاتا ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

ہے ریاکار رتبۂ بالا نشر تصوّر کردنی
تیرگی داغ سے سیم مس اندودہ ہے

گ۔تم میں، مصرعِ ثانی میں "تیرگی سے داغ کی" ہے اور کوئی اختلافِ نسخ مذکور نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں چھٹا شعر ہے:

پنبۂ مینا سے رکھ تو تم اپنے کان میں
مے پرستاں ناصح بے مرد گو بیہودہ ہے

گ۔تم، میں مصرعِ اوّل میں " پنبۂ مینا ہی رکھ لو" ہے، اور یہ نسخۂ بھوپال کی قرأت ہے۔
" پنبۂ مینا سے رکھ لو" نسخۂ شیرانی میں ہے (الف کے فاضل مرتب نے بڑی معصومیت سے " مخطوطے" اور نسخۂ عرشی میں اختلاف نسخ کی نشاندہی تصریحات کے تحت کی ہے)
نسخۂ بھوپال کے مقابلے میں نسخۂ شیرانی کا اصلاحی مصرع " مخطوطے" کو جعلی ثابت کرتا ہے۔
اس کی وجہ سے وہ مصرعے جو نسخۂ بھوپال کے مطابق نہیں ہیں، الحاقی قرار پاتے ہیں۔
اسی صفحہ پر غزل ۲۳۸ شروع ہوتی ہے، جس میں پانچ شعر ہیں تین شعر اور چوتھے شعر کا پہلا مصرع اس صفحہ پر ہیں۔ غزل کا باقی حصہ اگلے صفحے پر ہے۔ گ۔تم میں یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص۱۰۱ پر ہے۔ صرف تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں دو لفظ مختلف ہیں۔ باقی " مخطوطے" اور گ۔تم میں قرأت ایک جیسی ہے۔ تیسرا شعر گ۔تم میں یوں ہے:

چمن میں کون ہے طرز آفرینِ شیوۂ عشق

کہ گل ہے بلبلِ رنگین و بینۂ شبنم ہے

" مخطوطے" میں پہلا مصرع یوں ہے:

چمن میں کون ہے طرزِ آفرینِ رنگ نیاز

آخری لفظ " نیاز" کے بجائے " نہاز" ہ کے شوشے کے ساتھ لکھا ہے۔ " رنگ" کی جگہ کوئی اور لفظ تھا، جسکو کھرچ کر " رنگ" لکھا گیا ہے۔ کھرچنے کے باوجود " گ" کا آخری حصہ " ش" یا " ت" پر لکھا گیا ہے۔ حنیف کمال کا خیال ہے کہ ناقل غلطی سے " شیوہ عشق" ہی لکھ گیا تھا۔ اس کو کھرچ کر اختلافِ نسخ دکھانے کے لئے اصلاح معکوس والے الفاظ لکھے گیے۔ الفاظ کھرچے جانے کا اعتراف عین کے حواشی میں بھی کیا گیا ہے۔
الف کے ورق ۷۰ ب اور عین کے ص۱۱۴ پر غزل ۲۳۹ ہے، جس میں سات شعر ہیں۔ یہ غزل گ۔تم میں ص۱۰۲ پر ہے اور اس میں نو شعر ہیں۔
مطلع گ۔تم اور مخطوطے میں یکساں ہے۔
مطلع کے بعد کا شعر گ۔تم میں یوں ہے:

ہجومِ ضبطِ فغاں سے مری زبانِ خموش
برنگِ بستۂ زہرآب دادہ پیکاں ہے

"مخطوطے" میں شعر یوں ہے:

زباں بکامِ خموشاں، زفرطِ تلخیٔ ضبط
برنگِ پستہ بہ زہرآب دادہ پیکاں ہے

حۂ عرشی میں ص۱۳۱ پر اختلافِ نسخ کے باب میں جو اظہار ہے وہ نہایت مفید ہے ۔ اس
ے ایک بات تو یہ واضح ہوتی ہے، کہ "مخطوطے" میں مصرعِ اول نسخۂ بھوپال کا ہے۔ دوسری
ت یہ ہے، کہ نسخۂ بھوپال میں کتابت کی ایک غلطی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ میرزا کے کاتب نے
بستہ کو پستہ لکھدیا تھا۔ اب نسخۂ بھوپال اگر براہ راست اس مجہول "مخطوطے" سے نقل ہوا
ہوتا تو یہ دلیل کچھ دیر کے لئے بیساکھی لگا لیتی کہ کاتب نے اس "مخطوطے" سے نسخۂ بھوپال نقل کیا
تھا۔ اسلئے یہ غلطی اس میں در آئی ۔ "میرزا کے قلم" سے لکھے ہوئے اس نسخے میں نسخۂ بھوپال کی کتابت
کی غلطی کیوں ہے؟ اور کچھ نہ ہوتا تو صرف یہ غلطی "مخطوطے" کو جعلی ثابت کرنے کیلئے کافی تھی۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں ہے:

قبائے جلوہ نسب ہے لباسِ عریانی
بطرزِ گل رگِ جاں مجکو تارِ داماں ہے

"نسب" اس ترکیب میں صحیح صرف نہیں ہوا ہے۔ گ۔م میں جو مصرع ہے، اس پر یہ اصلاح
معکوس ہے ۔ گ۔م میں مصرع یوں ہے:

قبائے جلوہ نزا ہے لباسِ عریانی

گ۔م میں چوتھا شعر یہ ہے:

لبِ گزیدۂ معشوق ہے دلِ افگار
کہ بخیہ جلوۂ آثارِ زخمِ دنداں ہے

(گ م میں گزیدہ لکھا ہے)
"مخطوطے" میں شعر یوں ہے

لب گزیدۂ معشوق ہے دلِ افگار

نشانِ جوہرِ شمشیر، زخمِ دنداں ہے

جوہر، کاٹ کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ وصف اور جوہر میں فرق ہے۔
اس بات میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ میرزا یہ شعر اس طرح نہیں لکھ سکتے تھے۔ جیسا کہ "مخطوطے" ہے، یعنی جوہر کے ساتھ۔ نسخۂ بھوپال میں مصرع یہ ہے:

نشانِ برشِ شمشیر زخمِ دنداں ہے

پانچویں شعر میں نسخۂ بھوپال کی قرأت "مخطوطے" میں ہے۔
"مخطوطے" کا مقطع گ م کے مقطع سے بالکل مختلف ہے

اسد جہاں کہ علی بر سرِ نوازش ہو

کُشادِ عقدۂ دشوار کار آساں ہے

یہ مقطع نسخۂ بھوپال میں درج ہے۔ "مخطوطے" میں علی پر ؏ کی علامت نہیں ہے۔
اسی صفحے پر غزل ۲۴۰ ہے، اس میں سات شعر ہیں۔ آخری شعر یعنی مقطع، اگلے صفحے پر ہے۔ مقطع "نو دریافت" ہے۔ اس کے چار شعر گ م میں ص۱۰۲ اور ص۱۰۳ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہیں۔ اسی زمین میں چار شعر متداول دیوان ن ص میں ص۳ پر نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہیں۔
متداول دیوان کی اس غزل میں سے دو شعر "مخطوطے" میں ہیں۔ اختلافِ نسخ صرف تیسرے شعر پر "مخطوطے" میں شعر یوں ہے:

عیاں ہے پائے حنائی سے پرتو خورشید

رکاب روزنِ دیوارِ خانۂ زیں ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

عیاں ہے پائے حنائی بہ رنگِ پرتوِ نور

گ ستم میں نسخۂ شیرانی، اور "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال کا مصرع ہے۔
اب "نو دریافت" مقطع ملاحظہ فرمائیے:

نہ پوچھ کچھ سر و سامان و کاروبارِ اسد

جنوں معاملہ، بیدل، فقیر، مسکیں ہے

دوسرا مصرع میرزا کے رنگ میں ہے، لیکن پہلے مصرع میں "کاروبار" برائے وزنِ شعر ہے۔
الف ۔ ک ورق ۵۸ الف اور عین کے ع۱۱۵ پر غزل ع۱۲۱ ہے، جسکے پانچوں شعر "نو دریافت" ہیں۔ "مخطوطے" میں یہ غزل قلمزد ہے۔ اس غزل میں میرزا کے معلومہ کلام سے کچھ زیادہ ہی بیدلی رنگ، صرف الفاظ کی وجہ سے ہے۔ مضمون اور خیال کا فقدان تو نہیں، لیکن مضمون آفرینی نام کی کوئی بات ان شعروں میں نہیں ہے۔ مطلع ملاحظہ فرمائیں:

روتا ہوں بسکہ در ہوسِ آرمیدگی

جوں گوہر اشک کو ہے فراموش چکیدگی

اس میں قافیہ پیمائی کے علاوہ کیا ہے؛ بسکہ آرام کرنے کی ہوس میں روتا ہوں۔ اشک، گوہر کی طرح ٹپکنا بھولا ہوا ہے۔ دونوں مصرعوں میں کوئی ربط بھی تو نہیں ہے۔ باقی شعروں میں بھی کوئی خیال نہیں ہے۔ بفرضِ محال اگر یہ میرزا ہی کا "مستبدیانہ" کلام ہوتا، تو وہ غیر مردف بیاض سے مردف بیاض میں اس کو نہ لکھتے
دوسرا شعر ملاحظہ فرمائیے:

برخاک اوفتادگیِ کشتگانِ عشق

ہے سجدہ ... اس پہ منزلِ ... رسیدگی

قطع نظر اس سے کہ دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ ... "خاک اوفتادہ"

کی جگہ "خاکِ اوفتادگی" یا "خاک افتادگی" میرزا نہیں لکھتے ۔

تیسرا شعر یہ ہے:

انساں نیاز مندِ ازل ہے اگر چوں کماں
مطلب ہے ربط سے رگ وپے کی خمیدگی

ایک تو "نیاز مندِ ازلی" کی جگہ "نیاز مندِ ازل" ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نیازِ مندِ ازلی کیسا ہے؟ ازل کا نیاز مند ہونا کوئی بات نہیں۔ ازل کے خالق کا نیاز مند ہو سکتا۔

چوتھا شعر ہے:

ہے بسملِ ادائے چمن عارضاں، بہار
گلشن کو رنگِ گل سے ہے درخوں طپیدگی

پہلے مصرع میں چمن عارضاں اسی مصرع کی برکت ہے "چہرہ" فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے مقطع میں بھی معمولی مضمون ہے۔ یہ غزل کسی صورت سے میرزا کی نہیں ہو سکتی۔ یہ سراسر الحاقی کلام ہے۔

اسی صفحہ پر غزل ۲۴۲ میں پانچ شعر ہیں۔ مطلع، مقطع اور دو شعر اس غزل میں ہیں، جو گ م میں نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا کے حوالے سے ص۸۲ پر درج ہے۔ ایک شعر متداول دیوان میں ہے (ن س ص۲۱۱)

ہے وصل ہجر، عالمِ تمکین و ضبط میں
معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیئے

الف کے فاضل مرتب نے اس شعر کو "نودریافت" قرار دیا ہے۔ ایک اور شعر جو یقیناً اسی کے ساتھ کہا گیا ہوگا۔ متداول دیوان میں ہے، لیکن "مخطوطے" میں نہیں ہے۔

اُس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں
شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیئے ۔

گ-م میں تیسرا شعر ہے:

دیوانگاں ہیں، حاملِ رازِ نہانِ عشق

اے بے تمیز گنج کو پروانہ چاہیئے

"مخطوطے" میں قافیہ پروانہ کے بجائے ویرانہ ہے، لیکن اس سے پہلے یہ لکھا ہے جو بیک وقت
تہ بھی ہے اور تہ بھی ہے۔

گ-م میں مقطع کی یہ قرأت ہے:

جادو ہے یار کی روشِ گفتگو اسد

یاں جز فسوں نہیں اگر افسانہ چاہیئے

"مخطوطے" میں پہلا مصرع یہ ہے:

جادو ہے طرزِ گفتگوے یار اے اسد

گ-م میں گلِ رعنا کی قرأت ہے، جبکہ "مخطوطے" میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کا مصرع ہے۔
مطلع میں اختلافِ نسخ دکھانے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ مطلع ہے:

عاشق نقابِ جلوۂ جانانہ چاہیئے

فانوسِ شمع کو پرِ پروانہ چاہیئے

"مخطوطے" میں پہلے "فانوسِ شمع از پرِ پروانہ چاہیئے" لکھا گیا تھا۔ از پر کو لکھا گیا ہے
اسی صفحے پر غزل ۲۴۳ کے مطلع کا مصرع اولی ہے۔ باقی غزل الف کے ورق ۵۸ ب
اور عین کے ص۱۱۶ پر ہے۔ گ-م میں ص۲۰ پر پانچ شعر کی غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے
حوالے سے ہے اور اسی زمین میں دو شعر سنداول دیوان ن-ا-س یعنی نوائے سروش میں نسخۂ بھوپال کے حوالے
سے ص۲۴۱ پر ہیں۔ یہ دونوں شعر بھی مخطوطے میں درج ہیں۔

مطلع "مخطوطے" میں یوں ہے:

یوں بعد ضبطِ اشک پھرا گرد یار کے

جس طرح پانی ہوے کوئی وار وار کے

یہ غالب کا مضمون نہیں ہے، کیونکہ شعر بعد ضبطِ اشک، یار کے گرد پھرنے کے بعد کہا گیا ہے، اور ایک واقعہ کی تصویر کشی کرتا ہے۔ یار کے گرد اس طرح تصور میں تو پھرا جا سکتا ہے، لیکن ایک واقعہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے مصرع میں "وار وار" کے معنی کسی کا صدقہ اُتارنے کے نہیں۔
ان وجوہ کی بنا پر یہ مطلع ان الفاظ میں میرزا سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ گل رعنا میں مطلع یوں ہے:

یوں، بعد ضبطِ اشک، پھروں گرد یار کے

پانی پیے کسو پہ، کوئی جیسے وار کے

دوسرے شعر کی قراءت متداول دیوان کے مطابق ہے۔ تیسرے شعر کی قراءت گل رعنا کے مطابق ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ "مخطوطے" میں "طپیدہ" اور گل رعنا میں "تپیدہ" ہے۔ چوتھے اور پانچویں شعر "مخطوطے" اور گل رعنا میں ایک جیسے ہیں۔ چھٹا شعر "مخطوطے" میں یوں ہے۔

طرزِ گلِ شگفتہ کنارِ وداع ہے

اے بلبلو چلو کہ چلے دن بہار کے

پہلے مصرع میں طرز بالکل صرفی کا لفظ ہے۔ شگفتہ بھی گل کے ساتھ برائے وزن شعر ہے۔ "کنارِ وداع" سے وداع کے لیے تیار، یا وداع کے قریب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ مصرع کسی صورت سے میرزا کا نہیں ہو سکتا، میرزا کا مصرع وہ ہے جو دیوان میں ہے:

آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے

مقطع میں جہاں نسخۂ بھوپال میں قاآنی ہے وہاں "مخطوطے" میں ناقد ہے۔
مطلع اور چھٹے شعر میں جو اصلاحیں ہیں، وہ کسی غیر کی کی ہوئی ہیں، اور "مخطوطہ" بھی اس کے خط میں ہے۔ اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے، اور وہ یہ کہ "مخطوطہ" بخطِ غالب نہیں ہے۔

الف کے ورق ۵۸ ب اور عین کے ص۱۶۱ پر غزل ۲۴۴ ہے۔ اس میں پانچ شعر ہیں۔ یہ پانچوں شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ۔تم میں ص۹۸ پر درج ہیں۔ کہیں جگہ نسخ کا اختلاف ہے۔ مطلع کی قرأت گ۔تم کے مطابق ہے۔ مطلع کے بعد کے شعر میں جہاں گ۔تم میں "سنم کوشوں" ہے، وہاں "مخطوطے" میں "سنم کوشاں" ہے جو نسخۂ بھوپال میں ہے۔ تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں جہاں "وہم توانائی" ہے وہاں "مخطوطے" میں "تابِ بہ بیدہا" ہے۔ چوتھا شعر اور مقطع دونوں جگہ ایک جیسے ہیں۔

الف کے ورق ۵۹ الف اور عین کے ص۱۶۲ پر دو غزلیں قلمزد ہیں، اور یہ دونوں نودریافت ہیں۔ ان دونوں میں نہ میرزا کا رنگ ہے اور نہ میرزا کے مضامین۔ غزل نمبر ۲۴۵ کا مطلع ملاحظہ فرمائیے:

بدست آوردنِ دل، گوہرِ دریائے شاہی ہے
وگرنہ خاتمِ دستِ سلیمان فلسِ ماہی ہے

بدست آوردنِ دل کون سی چیز گوہرِ دریائے شاہی ہے؟ یہ بات صیغۂ راز میں ہے اور اس راز کی کلید اس مصرع میں نہیں ہے۔ پہلے مصرع اور دوسرے مصرع میں کوئی ربط نہیں ہے۔ دونوں مصرعے اپنی اپنی جگہ بامعنی ہیں۔ کلامِ غالب کی حیثیت سے یہ مطلع مسترد ہوتا ہے۔ لازمی طور سے جس غزل کا یہ مطلع ہے، وہ بھی الحاقی قرار پاتی ہے۔ اور جس خط میں یہ ہے۔ وہ غالب کا خط تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس غزل کو مسترد کر کے آگے بڑھ سکتے تھے، لیکن دوسرے شعر میں تفننِ طبع کا اہتمام ہے:

سخت نامہ یک مطلبوں کا ہے اظہارِ کسافت ہا
کہ زنگِ خامۂ فولاد، ماتائے سیاہی ہے

پہلے تو اس بات سے لطف لیجئے کہ "کثافت" کی جگہ "کسافت" لکھا ہے۔ یہ بات مانی جا سکتی تھی کہ ۱۲۳۱ ہجری سے پہلے میرزا ۔۔ ہجوں کے معاملے میں ذرا لاابالی تھے اور ث کے بجائے س سے کسافت لکھتے تھے۔ لیکن اسی "مخطوطے" کے ورق ۷ ب (عین کے ص۱۴ پر) ایک شعر ہے:

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

املا کی اس غلطی کو سہو یا قلم کی لغزش کہہ کر نہیں ٹال سکتے۔ اس حقیر کمال کا قیاس ہے، کہ جن حضرت نے یہ غزل از رہِ غالب ترسی موزوں کی، ان کو کثافت کے ہجے نہیں آتے تھے، جو کچھ انھوں نے ناقل کو دیا، اُس نے "مخطوطے" میں نقل کر دیا۔ غالب کے نام پر "نو دریافت" کلام تصنیف کرنے والے یہ صاحب کچھ واجبی ہی سے پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ وہ غالب کے مزاج سے بھی نا آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ اس شعر کو ایک بار پھر دیکھئے:

سخن تاریک طبعوں کا ہے اظہارِ کسافت ہا
کہ زنگِ خامۂ فولاد مانا سے سیاہی ہے

دوسرے مصرع میں جو مضمون ہے وہ ۱۲۳۱ ہجری سے پہلے نہیں نظم کر سکتے تھے۔ انکے آخری ایام میں بھی لوہے کے قلم کا رواج عام نہیں ہوا تھا۔ اور انہوں نے خود کبھی لوہے کے قلم، یعنی نب کا قلم استعمال نہیں کیا۔ "مکاتیبِ غالب" کے دیباچے میں جنابِ امتیاز علی خاں عرشی نے صـ ۱۹۱ اور صـ ۱۹۲ پر اس سلسلے میں تحریر فرمایا ہے:

"میرزا صاحب کے زمانے تک لوہے کے قلم کا رواج عام نہ ہوا تھا۔ اسلئے وہ نیزے کا قلم استعمال کرتے تھے۔"

راقم یہ بات یہاں واضح کر دینا چاہتا ہے، کہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے جس نیزے کا ذکر کیا ہے، وہ اسبابِ سپہ گری والا نیزہ نہیں ہے، بلکہ ایک قسم کے نرکل کو بھی نیزہ کہتے ہیں۔ یہ شاید وہی نرکل ہے، جسے کلک کہتے ہیں۔ تیس چالیس برس پہلے تختی لکھنے کیلئے کلک کا قلم استعمال ہوتا تھا۔ اس کے قلم بنائے جاتے تھے۔ خوشنویسی کی مشق کے لئے اب بھی اس کے قلم استعمال ہوتے ہیں۔

"زنگِ خامۂ فولاد" مانا سے سیاہی ہو یا نہ ہو، لیکن اس نے اس شعر کا فرسودۂ غالب نہ ہونا ثابت کر دیا۔

تیسرا شعر ہے:

تمیدن نشۂ مے میں ہے شرم زشت اعمالی
دماغِ زہد میں آخر غرورِ بے گناہی ہے

قطع نظر اس بات کے کہ دوسرے مصرع میں آخر سراسر برائے وزنِ شعر ہے اور میرزا سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی، پہلے مصرع میں شراب کو "ام الخبائث" کہا گیا ہے۔ میرزا نے شراب کو کبھی برا نہیں کہا۔ یہ شعر اُن کا نہیں ہوسکتا، یہ شعر اُن کا نہیں ہے۔

چوتھے شعر اور مقطع، دونوں میں پوچ مضمون پوچ طریقے سے باندھے گئے ہیں۔

دوسری نو دریافت غزل، جو اس صفحہ پر ہے، اس میں سات شعر ہیں۔ مطلع ہے:

نہ چھوڑو محفلِ عشرت میں جا اے میکشاں خالی
کمیں گاہِ بلا ہے ہوگیا شیشہ جہاں خالی

"محفلِ عشرت" کسی فلسفیانہ معنوں میں یہاں نہیں ہے۔ اگر شعر کو بامعنی بنانا ہے، تو یہ فرض کرنا پڑے گا، کہ عشرت اسمِ خاص ہے۔ مشکل یہ ہے، کہ عشرت مرد کا نام بھی ہوسکتا ہے، اور عورت کا بھی۔ عشرت اگر کوئی خاتون فرض کی جائیں، تو اربابِ نشاط میں سے ہوں گی۔ کیونکہ انکے یہاں میکشاں کی ریل پیل دکھائی گئی ہے۔ عشرت اگر مرد کا نام ہے، تو وہ کوئی بگڑے رئیس تھے، کہ جہاں شیشہ خالی ہوا وہ گالی گلوچ شروع کردیتے تھے۔ اور ان کی محفل کمیں گاہِ بلا بن جاتی تھی۔ اگر اس شعر کے کوئی معنی نکالنے کی کوشش کی جائے گی تو ناکامی ہوگی۔ یہ معنی ہوں یا اور کوئی — دونوں مصرعوں میں وہ ربط نہیں ہے۔ جو کلاسیکی غزل کے شعر کے مصرعوں میں ہوتا ہے۔ اے میکشاں محفلِ عشرت میں خالی جا نہ چھوڑو (کیونکہ) جہاں شیشہ خالی ہوا (رہا)، کمیں گاہِ بلا میں بدل جائے گی۔ کیا میکشاں محفلِ عشرت میں خالی جا نہ چھوڑیں گے، تو وہ کمیں گاہِ بلا نہ بنے گی۔ شیشہ خالی نہ ہوگا۔

—— پست مضمون کا یہ پست شعر میرزا کا نہیں ہوسکتا۔

مطلع کے بعد کا شعر ہے:

نہ دو ہزار بینۂ دیوانگی صحنِ بیاباں میں
کہ تا بہ جادہ سے ہے سُبحۂ ریگِ رواں خالی

مطلع میں بادہ کشاں کو حکم دیا گیا تھا کہ "نہ چھوڑو" اور اس شعر میں دیوانے کو حکم ہے کہ "نہ دوڑا"۔ یہ شعر جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے۔ ایک استثنا کے ساتھ، غالب کی اچھی پیروڈی ہے۔ وہ استثنا ہے، "صحن" کا لفظ۔ صحنِ گلشن، صحنِ چمن، صحنِ گلزار سب درست، صحنِ بیاباں نہیں ہوتا۔ "صحنِ بیاباں" میرزا نہیں لکھ سکتے تھے۔ اسی طرح "سبحۂ ریگ رواں" بھی غلط ہے اور یہ بھی میرزا نہیں لکھ سکتے تھے۔ باقی اشعار بھی اسی طرح سپاٹ ہیں۔ نہ ان میں "بیدلی رنگ" ہے اور نہ انہیں "غالبیت" ہے۔ شعر صاف ہیں، لیکن معمولی اور بے مزہ۔ ایک آدھ بے معنی شعر بھی ہے، جیسے:

محبت ہے نواسازِ فغاں در پردۂ دلہا
کرے ہے مغز سے مانندِ نَے کے استخواں خالی

پہلے مصرع میں "در پردۂ دلہا" بے کار ٹکڑا ہے۔ اگر دوسرے مصرع کا پہلے مصرع سے ربط باقی رکھنا ہے۔ اگر پہلے مصرع کو جیسا ہے، لیا جائے تو پھر دوسرا مصرع فضول ہو جاتا ہے محبت، دلوں کے پردے میں نواسازِ فغاں ہے۔ نَے کی طرح یہ استخواں سے گودا نکالدیتی ہے جو تصویر ابھرتی ہے، وہ یہ ہے کہ محبت، انسان کی ران، یا دست کی گودے کی ہڈی کو منہ میں لگائے پھونک رہی ہے۔ ہڈی دونوں طرف سے کٹی ہوئی ہے اور اس بانسری سے گودا گر رہا۔ یہ شعر میرزا کے کلام کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ایک شعر ہے:

عبث ہے خطِ ساغر جلوہ، طوقِ گردنِ قمری
مئے الفت سے ہے مینائے سروِ بوستاں خالی

"طوقِ گردنِ قمری" تو اس مصرع سے بہ گیا ہے۔ "قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج" لیکن یہ طوق، خطِ ساغر جلوہ کیوں ہے؟ یہ بھی برائے وزنِ شعر ہے۔ دوسرے مصرع میں "بوستاں" محض قافیہ کی ضرورت پوری کرنے کے لیئے ہے۔ اب معنی ملاحظہ فرمائیے۔ مئے الفت سے مینائے سروِ بوستاں خالی ہے۔ اسلئے خطِ ساغر جلوہ عبث ہے۔ پہلا مصرع اس مضمون کا تقاضہ کرتا ہے کہ گردنِ قمری میں عشق کا طوق کیوں ہے؟ لیکن یہ مضمون پہلے مصرع سے برآمد نہیں ہوتا

ظاہر ہے یہ شعر مرزا کا نہیں ہو سکتا۔

چھٹا شعر ہے:

نہ بھولو ریزشِ اعداد کی قطرہ فشانی پر

عزیزاں ہے برنگِ صفر، جامِ آسماں خالی

پہلا مصرع مہمل ہے۔ اعداد کے گرنے / برسنے کی قطرہ فشانی کے کوئی معنی نہیں "قطرہ فشانی" برائے وزنِ شعر ہے۔ اور چونکہ اس کے کچھ معنی ہیں۔ اسلیئے مصرع کے باقی الفاظ کے معنی اس سے ملنے سے مضمون خبط ہو گیا ہے۔ "ریزشِ اعداد" سے مراد بارش بھی ہو سکتی ہے۔ اور چاند تارے بھی ہو سکتے ہیں۔ صرف رات میں۔ صرف رات میں اسلیئے کہ اس زمانے میں ہیئت کے موجودہ اصول اردو شاعری میں رائج نہیں تھے

مقطع بھی دیکھ لیجئے:

اسد ہنستے ہیں میرے گریہ ہائے زار پر مردم

بھرا ہے دہر بیدردی سے دل کیجیے کہاں خالی

مردم کا یہ استعمال بھی خوب ہے۔ دوسرے مصرع میں بھرا اور خالی کی رعایت میرزا کے رنگ سے بہت دور ہے۔ انھیں اس قسم کی رعایتِ لفظی سے چڑھ تھی۔

الف کے ورق ۵۹ ب اور عتیق کے ص۱۱۸ پر غزل ۲۴۷ ہے۔ پانچ شعروں کی یہ غزل گ۔تم میں ص۹۸ پر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے درج ہے۔ "مخطوطے" میں مطلع کے بعد کا شعر ہے:

محیطِ دہر میں بالیدن از خود واگذشتن ہے

کہ یاں ہر یک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے

گ۔تم میں شعر یوں ہے: محیطِ دہر میں بالیدن از ہستی گذشتن ہے

کہ یاں ہر اک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے

اختلافِ نسخ کے باب میں ص ۱۳۱ پر یہ اندراج ہے کہ نسخۂ شیرانی میں "ہریک" ہے گویا نسخۂ بھوپال میں اس زمانے کے اسلوب کے مطابق "ہرایک" لکھا ہے، جو "ہرِک" پڑھا جاتا ہے۔ "۱۲۳۱ھ" میں یہ الحاقی قرأت ہوئی۔ مصرعِ اوّل میں اصلاح غیر خود بخود ثابت ہو جاتی ہے، کیونکہ نسخۂ عرشی میں، صرف اس میں کوئی اختلافِ نسخ مذکور نہیں ہے۔

"مخطوطے" میں نیا شعر ہے:

نہیں ہے مزرعِ اُلفت میں حاصل جز تلف گشتن

نظر دانہ سرِ شکِ برزمیں افتادہ آتا ہے

گ ـ ت میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

نہیں ہے مزرعِ اُلفت میں حاصل غیر پامالی

"سرِشک" بہ کسرۂ اضافت محلِ نظر ہے۔ "سرشکے" بہ یائے تنکیر ہونا چاہیئے۔ نسخۂ عرشی میں یہ غلطی نسخۂ بھوپال / نسخۂ شیرانی سے آئی ہوگی۔ ظاہر ہے میرزا اپنا مصرع لکھنے میں یہ غلطی نہیں کر سکتے۔ پس ثابت ہوا کہ "مخطوطہ" میرزا کے قلم کا نہیں ہے۔ اور ایسے ماخذ سے نقل ہوا ہے۔ جس میں کتابت کی یہ غلطی تھی۔ اس سے اختلافِ نسخ پر بھی روشنی پڑتی ہے

اسی صفحے پر غزل ۱۴۸ ہے۔ اس میں بھی پانچ شعر ہیں، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ ـ ت میں ص ۹۲ پر ہیں۔ مطلع، مقطع اور ایک شعر میں مخطوطے اور گ ـ ت کی قرأت میں فرق ہے۔ دو شعروں کی ایک ہی قرأت ہے۔ یہ مطلع "مخطوطے" میں یوں ہے:

نگاہِ سرمہ سا نے عرضِ تکلیفِ شرارت کی

بہ ابروئے خمِ تیغِ صفاہانی اشارت کی

گ ـ ت میں مطلع کی یہ قرأت ہے:

نگاہِ یار نے جب عرضِ تکلیفِ شرارت کی

دیا ابرو کو چھیڑا اور اُس نے فتنے کو اشارت کی

نسخۂ شیرانی میں، مصرعِ اوّل میں "نگاہِ ناز" کا ہونا اختلافِ نسخ کے باب میں دکھایا گیا ہے۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر یوں ہے:

ہوئی ریزش عرق کی جوششِ اسہالِ ذوبانی
تبِ خجلت کے یہ نبضِ رگِ گل میں حرارت کی

دوسرے مصرع میں خجلت کے بعد نے کی جگہ کے لکھا گیا ہے۔ پہلا مصرع کسی حکیم یا نیم حکیم کا معلوم ہوتا ہے۔ اسہال کوئی شاعرانہ موضوع نہیں ہے اور یہ میرزا کا مصرع نہیں ہو سکتا۔ میرزا کا شعر یہ ہے:

نہیں ریزش عرق کی، اب اُسے ذوبانِ اعضا ہے
تبِ خجلت نے یہ نبضِ رگِ گل میں حرارت کی

پہلے مصرع کا مطلب یہ ہے، کہ گل کو اب پسینے نہیں آ رہے ہیں (یعنی شبنم آلودہ نہیں ہے) بلکہ اعضا گل رہے ہیں۔ "مخطوطے" کے مصرع میں خواہ مخواہ سہل اور اسہال، وہ بھی گل کیلئے تشخیص کیا گیا۔ "مخطوطے" میں مقطع یوں ہے:

زبس نکلا غبارِ دل بوقتِ اشک خاموشی
اسدؔ کھائے ہوئے سرمے نے آنکھوں میں بصارت کی

گ۔م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

زبس نکلا غبارِ دل بوقتِ گریہ آنکھوں سے

اسی ورق پر غزل ع ۲۴۹ کا مطلع ہے۔ باقی چار شعر الف کے ورق ۶۰ الف اور ب کے ص ۱۱۹ پر ہیں۔ گ۔م میں یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص ۲۹ اور ص ۹۸ پر درج ہے۔ ایک شعر "مخطوطے" میں نودریافت ہے۔
تیرا شعر نودریافت ہے، وہ یہ ہے:

ہوئے یہ رہرواں دل خستہ شرمِ نارسائی سے
کہ دستِ آرزو سے یک قلم پائے طلب کاٹے

میرزا کے رنگ کو نبھانے کی تقریباً کامیاب کوشش ہے۔ بس "دستِ آرزو" کو "پائے طلب" کاٹنے کیلئے غلط استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے مصرع میں "نارسائی" استعمال ہوا ہے۔ ورنہ "دستِ نارسا" مناسب تھا۔ دستِ آرزو بہرحال محلِ نظر ہے۔

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

فغاں برحالِ رنجور ے کہ فرطِ ناتوانی سے

بقدرِ یک نفس جادہ بصد رنج و تعب کاٹے

برحالِ رنجور ے، حسرتا درست، افسوس درست، وائے درست لیکن فغاں درست نہیں ہے۔ اور میرزا سے توقع نہیں، کہ وہ یہاں فغاں لکھتے۔ گ م میں مصرع یہ ہے:

دریغا وہ مریضِ غم کہ فرطِ ناتوانی سے

مقطع "مخطوطے" میں یوں ہے:

اسد کو جرأتِ بوسیدنِ پائے چمن رویاں

کہ میں نے دست و پا باہم بشمشیرِ ادب کاٹے

دونوں مصرعوں میں کوئی ربط اسلئے نہیں کہ جو قرأت ان کی ہے، اس کے مطابق اسد کوئی اور ہے۔ اور میں نے کسی اور کے ہیٹے ہے۔ اس طرح سے میرزا پہلا مصرع نہیں لکھ سکتے تھے۔ میرزا کا مصرعِ یہ ہے:

اسد مجھ میں ہے اُسکے بوسۂ پا کی کہاں جرأت

الف کے ورق ۶۰ الف اور عین کے ص ۱۱۹ پر یہ غزل عدد ۲۵۰ ہے، جس میں سات شعر ہیں۔ عین میں یہ قلمزد ہے۔ الف میں قلمزد نہیں ہے۔ لیکن الف میں بھی تصریحات کے تحت لکھا ہے، کہ یہ غزل غالب نے قلمزد کی تھی۔

یہ منیر کمالؔ ایک قیاس اور کرنا چاہتا ہے، کیونکہ اسکو روشنی، رنگوں اور ان کی ماہیت سے بھی گہری دلچسپی ہے۔ جن لکیروں نے غزلیں "مخطوطے" میں قلمزد کی گئی ہیں، اُنکی

روشنائی وہ نہیں ہے، اُس رنگ کی نہیں ہے۔ جس سے "مخطوطہ" لکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے، کہ قلمزد غزلیں جن لکیروں سے کاٹی گئی ہیں، وہ عینؔ میں واضح ہیں۔ الفؔ میں کہیں دھندلی ہیں اور کہیں بالکل غائب ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے اور یہ بات درست ہی ہو گی، تو اس سے ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ وہ یہ کہ یہ لکیریں بعد میں کھینچی گئی ہیں۔ عینؔ میں بھی اس غزل کو نیزے کے قلم سے نہیں، کسی روشنائی والی جدید قسم کی پنسل سے کاٹا گیا ہے۔ اور اُسی سے اگلی غزل پر ۱۴ بنایا گیا ہے۔

غزل کا مطلع ہی بتاتا ہے، کہ میں غالبؔ کا نہیں ہوں:

تماشائے جہاں مفتِ نظر ہے
کہ یہ گلزار باغِ رہگذر ہے

یہ گلزار! کون سا گلزار؟ تماشائے جہاں کا گلزار، تو پھر باغِ رہگذر کیا ہے؟ "مفتِ نظر" کی ترکیب، گلزار اور باغ کا ساتھ ساتھ ہونا، دونوں محلِ نظر ہیں۔

ایک اور شعر اس نو دریافت غزل میں ہے:

کرے ہے روئے روشن آفتابی
غبارِ خطِ رخ گردِ سحر ہے

سحر کی روشنی ہوتی ہے۔ سحر کی گرد کوئی چیز نہیں۔ اگر گرد پڑ بھی جائے تو بھی غبار سے سابقہ ہے۔ یہ شعر بھی میرزا کا نہیں ہو سکتا۔ "نو دریافت" غزلوں میں داڑھی مونچھوں کا ایک شعر ہونا کچھ ضروری ہے۔

غزل کا دوسرا مطلع ہے:

جہاں شمعِ خموشی جلوہ گر ہے
پرِ پروانگاں بالِ شرر ہے

دوسرے مصرع میں "پروانہ ہا" کی جگہ "پروانگاں" بولا ہے؟ بالؔ تو خیر دلؔ کے معنوں میں ٹھیک ہے۔ لیکن "شمعِ خموشی" کے پروانے کون ہیں؟

بہ جیبِ اشکِ چشمِ سرمہ آلود

سی مالیدہ دندانِ گہر ہے

"دندانِ گہر" غلط ہے۔ لب لعل نہیں، لب لعلیں کہتے ہیں۔ گلِ رخسار کی طرح گہرِ دنداں ٹھیک ہے۔ لیکن دندان گہر کے معنی موتی کے دانت ہوئے۔ موتی جیسے دانت نہیں۔ مصرعِ اول فہم سے بالاتر ہے۔

شفق ساں سوجۂ خوں ہے رگِ خواب

کہ مژگانِ کشودہ نیشتر ہے

جراحی کے لوازمات جمع کر دینے کے باوجود شعر مہمل ہے

ہوئی یک عمر صرفِ مشقِ نالہ

اثر موقوف بر عمرِ دگر ہے

مصرعِ اوّل میں "مشق" برائے وزنِ شعر ہے، آواگون کے بارے میں شعر ہے۔ مقطع بھی سُن لیجئے:

اسدؔ ہوں میں پر افشانِ رمیدن

سوادِ شعر در گردِ سفر ہے

اسی صفحے پر غزل ۲۵۱ کا مطلع ہے۔ باقی چار شعر الف کے ورق ۶۰ ب اور عرشی کے ۱۲۰ پر ہیں۔ مقطع نو دریافت ہے۔ یہ غزل گ م میں نسخۂ بھوپال کے حوالے سے ۹۲ اور ۹۳ پر ہے مطلع کے بعد کا شعر ہے:

چشم ہائے باغ میں از عکسِ گلہائے سمن

فلسِ ماہی آئینہ پر دانۂ داغِ ماہ ہے

گ م میں مصرعِ اوّل یہ ہے:

عکسِ گلہائے سمن سے چشم ہائے داغ میں

"مخطوطے" میں تیسرا شعر اصلاح سے پہلے یوں تھا:

حسن و رعنائی میں باہم صد سر و گردن ہے فرق

بہ قدِ شمشاد گل یک دامن کوتاہ ہے

اصلاح سے مصرع گ تم کے مطابق کیا گیا ہے:

سرو کے قامت پہ گل یک دامنِ کوتاہ ہے

لیکن اصلاح میں پہلے "قامت میں" لکھا گیا تھا۔ جو ظاہر ہے میرزا نہیں لکھتے۔
"نو دریافت" مقطع یہ ہے:

اے اسدؔ مایوس مت ہو از درِ شاہِ نجف

صاحبِ دلہا وکیلِ حضرتِ اللہ ہے

"صاحبِ دلہا" ہی اس شعر کے فرسودۂ غالب نہ ہونے کی شہادت ہے۔
الف کے ورق ۶۰ ب اور عین کے ص۱۲۰ پر یہ غزل ۲۵۲ میں سات شعر ہیں۔ گ تم میں یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے ص۹۳ پر درج ہے۔ "مخطوطے" میں دوسرا شعر ہے:

ہوں تصور ہائے ہمدوشی سے بدستِ شراب

حیرتِ آغوشِ صافی ساغرِ بلّور ہے

گ تم میں مصرعِ ثانی میں "آغوشِ خوباں" ہے۔ اور وہی درست ہے۔
"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

ہے زپا افتادگی نشۂ بیماری مجھے

در نظر تبخالۂ لب دانۂ انگور ہے

گ تم میں شعر یوں ہے: ہے زپا افتادگی ہی نشۂ بیمائی مجھے
بے سخن تبخالۂ لب[1] دانۂ انگور ہے

---

[1] حقیر کمال "تبخالۂ لب" کو درست نہیں سمجھتا۔ چونکہ میرزا نے یہ ترکیب استعمال کی ہے (بقیہ فٹ نوٹ ص۴۱۴ پر)

ن ع میں ص۲۱۳ پر، اختلافِ نسخ کے باب میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ مصرعِ اوّل میں "افتادگی نشترِ بیماری" نسخۂ شیرانی میں ہے۔ نسخۂ بھوپال کے بجائے نسخۂ شیرانی کی قرأت "مخطوطے" میں ہونا اسکے جعلی ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔ تو اختلافِ نسخ صرف "مخطوطے" میں ہے، وہ ظاہر ہے اسی میں اصلاحِ غیر کی دستبرد ہے۔

"مخطوطے" میں پانچواں شعر ہے:

وہ دو سے غم آفریں در حسرت آباد جہاں
ہائے ماتم خانہ زاد نالۂ رنجور ہے

گ م میں شعر یوں ہے:

حسرت آبادِ جہاں میں ہے الم غم آفریں
نوحہ گویا خانہ زاد نالۂ رنجور ہے

"مخطوطے" میں مقطع ہے:

ہو جہاں اورنگ آرا جانشینِ مصطفا
وھاں اسد تختِ سلیماں نقشِ پائے مور ہے

مصطفیٰ نہیں مصطفا لکھا ہے اور اس پر ص کی علامت نہیں ہے۔ گ م میں یہ آٹھواں شعر ہے:

جس جگہ ہو مسند آرا جانشینِ مصطفیٰ
اس جگہ تختِ سلیماں نقشِ پائے مور ہے

ن ع میں کوئی اختلاف نسخ کسی نسخے میں مذکور نہیں ہے۔

اسی صفحے پر آخری غزل (ع۲۵۲) کا مطلع ہے۔ باقی چار شعر الف کے ورق ۱۶ الف اور عین کے ص۱۲۱ پر ہیں۔ یہ غزل نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے حوالے سے گ م میں ص۱۱۵ اور ص۱۱۶ پر درج ہے۔

"مخطوطے" میں مطلع ہے:

اسی صفحے کے ص۱۵ اور الف کے ورق ۹ ب پر مصرع "سنبھالنے لب ہو سکا آبلہ پا" پر جو اعتراض کیا گیا تھا، واپس لیا جاتا ہے۔

سوختگاں کی خاک میں ریزشِ نقشِ داغ ہے

آئینۂ بساطِ ناز شلِ گلِ چراغ ہے

گ م میں دوسرے مصرع کا پہلا ٹکڑا ہے۔ "آئینۂ نشانِ حال"

"مخطوطے" میں تیسرا شعر ہے:

صفتِ صفائے طبع ہے، شوخیٔ عرضِ سوختن

داغِ دلِ سیہ دلاں مردمِ چشمِ زاغ ہے

گ م میں مصرعِ اول کا دوسرا ٹکڑا ہے "جلوۂ نازِ سوختن" ہے

"مخطوطے" میں چوتھا شعر ہے:

رنجشِ یارِ مہرباں عیش و طرب کا ہے نشاں

گردِ کدورتِ بتاں شلِ غبارِ باغ ہے

گ م میں دوسرا مصرع ہے:

دل سے اٹھے ہے جو غبار، گردِ سوادِ باغ ہے

الف کے ورق ۶۱ الف اور عرشی کے ص ۱۲۱ پر، جہاں غزلیں ختم ہوتی ہیں۔ "تمام شد غزلیات بعونہ تعالا فقط" کے الفاظ درج ہیں۔ جہاں سے غزلیں شروع ہوتی ہیں وہاں "غزلیات" کا عنوان نہیں ہے۔ اسلئے "تمام شد غزلیات . . . ." کی عبارت مصنوعی سی لگتی ہے۔

اس قسم کی عبارت اُس بیاض میں نہیں لکھی جاتی ہے۔ جو شاعر اپنے لیئے تیار کرتا ہے۔ چاہے وہ غیر مردف بیاض سے ردیف وار بیاض تیار کرنے کا معاملہ ہو۔ یہ سوال بڑا اہم ہے کہ میرزا نے یہ بیاض اپنے لیئے تیار کی تھی یا کسی کو پیش کرنے کے لیئے؟ اگر میرزا نے یہ بیاض اپنے لئے تیار کی ہوتی، تو اس میں اس عبارت کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر یہ کسی کو پیش کرنے کیلئے تیار کی تھی، تو اس کے لیئے، اور اس کو دی کیوں نہیں؟ ان دونوں سوالوں کا کوئی تشفی بخش جواب اس لئے نہیں ملتا کہ یہ میرزا کے قلم کی تحریر نہیں۔

اسی صفحہ پر" عنوان صحیفۂ رباعیات" کی سرخی ہے اور رباعیاں شروع ہوتی ہیں۔ جب غزلوں کے شروع میں" غزلیات" یا" صحیفۂ غزلیات" یا اسی قسم کا عنوان نہیں ہے۔ تو رباعیوں کے لیئے یہ عنوان کیوں قائم کیا گیا ہے۔ اس" مخطوطے" میں مختلف اوقات اور زمانوں میں اصلاحیں دکھائی گئی ہیں۔ اگر میرزا نے یہ نسخہ دیکھا ہی ہوتا (لکھنا تو دور کی بات ہے) تو غزلوں کے شروع میں بھی عنوان دیا ہوتا۔ کاتب بے توجہی برت سکتا ہے۔ شاعر اپنی بیاض میں ایسی بھونڈی بات نہیں رہنے دیتا۔

شروع میں تیرہ رباعیاں فارسی کی ہیں۔ ان میں سے سوا بارہ رباعیاں" نو دریافت" ہیں۔ سوا بارہ یوں کہ، بارہ رباعیاں اس مخطوطے میں پہلی بار پائی گئی ہیں۔ ایک رباعی، جو کلیاتِ نظم میں ہے، اسکے پہلے مصرع کی جگہ ایک نیا مصرع یہاں فراہم کیا گیا ہے۔ یہ عاجز کمال اس وقت تفصیل کے ساتھ ان فارسی رباعیوں سے بحث نہیں کرے گا، کیونکہ صرف ایک ہی نو دریافت رباعی کسی شک و شبہ کے بغیر، حتمی طور پر یہ بات ثابت کر دیتی ہے، کہ ساری نو دریافت رباعیاں الحاقی ہیں، کیونکہ آخری فارسی رباعی (ع ۱۳) جس میں تخلص ہے، وہ میرزا کی رباعی نہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

گفتم کہ اسد، گفت دلِ آشفتۂ من
گفتم نفسش، گفت بخوں خفتۂ من
گفتم سخنش با این نزاکت گفتن
گفت این ہمہ مدعائے ناگفتۂ من

پہلے دو مصرعوں میں سوال و جواب ہیں۔ تیسرا مصرع سوال، اور چوتھا مصرع جواب ہے۔ پہلے مصرع میں کہ جس طرح صرف ہوا ہے۔ کیا میرزا کبھی ایسے لکھتے۔ وہ میرزا جو" یعنی چہ" کے معنوں میں کہ چہ، مکتب کے زمانے میں لکھ سکتے تھے۔ وہ اس مصرع میں کہ استعمال کرتے؟ اگر پہلے" گفتم" کے بعد کہ ہے تو باقی دو جگہ بھی کہ کیوں نہیں ہے؟

اس سے قطع نظر ذرا تخلص ملاحظہ فرمائیے۔ میرزا فارسی میں ابتدا ہی سے غالب تخلص کرتے تھے، اور دو تین برس اردو میں اسد تخلص کرنے کے بعد اردو میں بھی

غالبؔ تخلص کرنے لگے، حالانکہ اسدؔ کو بھی ترک نہیں کیا۔ اس سلسلے میں پہلے تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ فارسی رباعی میں اسدؔ تخلص کا ہونا یہ بات مستحکم طور سے ثابت کر دیتا ہے۔ کہ یہ الحاقی کلام ہے۔

اب ظاہر ہے، میرزا اپنے قلم سے تو "کلامِ غیر" جو ان کے نام پر گڑھا گیا ہو، اپنی بیاض میں لکھتے نہیں۔ اس لئے یہ حقیقت خود بخود روشن ہو جاتی ہے کہ یہ "مخطوطہ" بخطِ غالبؔ نہیں۔

اب لیجئے اردو رباعیوں پر ایک نظر ڈالیں۔ یہاں بھی اس بات کی اہم شہادتیں مل جائیں گی، کہ یہ بیاض میرزا نے نہیں لکھی تھی۔ اور اس میں اُن کا ۱۲۳۱ ہجری تک کا کلام نہیں ہے۔ عمدۂ منتخبہ کے سلسلے میں اس خاکسار نے اُس کلام کی نشان دہی کی تھی، جو اس "مخطوطے" میں ہوتا، اگر یہ بخطِ غالبؔ ہوتا، اور اگر یہ میرزا کی پہلی ردیف وار بیاض ہوتی۔ دیوانِ غالبؔ میں ایک رباعی ہے:

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل\
سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل\
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش\
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

یہ رباعی میرزا نے اُس وقت کہی تھی، جب اُن کی سکونت آگرے میں تھی۔ اُس وقت رباعی کا دوسرا مصرع کچھ اور تھا، رباعی یوں تھی:

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل\
ہوتے ہوں ملول اس کو سنکر جاہل\
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش\
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

حقیر کمالؔ کو یاد نہیں کہ یہ بات کہیں نظر سے گذری ہے، یا اس کا اپنا تاثر ہے کہ میرزا

نے دوسرا مصرع شیفتہ کے کہنے سے بدلا۔ مصرع کی یہ تبدیلی یقیناً دلی سکونت منتقل ہونے کے بعد ہوئی تھی۔

الف اور علین پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے جب رباعیوں کے صفحات پر پہنچا اور یہ رباعی نظر نہ آئی تو حقیر کمال کے ذہن کو ایک دھچکہ لگا۔ اُس وقت اس بات کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ یہ مخطوطہ بخطِ غالب نہیں بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی، جناب مالک رام اور پروفیسر آل احمد سرور ایسے مقتدر غالب شناسوں نے اس کے غالب کے ہاتھ کی تحریر ہونے کی سند دے دی تھی۔ لیکن جب یہ رباعی اس میں نہیں ملی اور "خونِ کبوتر جیسے قاروے" والی رباعی اس میں پائی تو کرید ہوئی اور اسی کرید کا نتیجہ یہ مقالہ ہے۔

"عمدۂ منتخبہ" میں یہ رباعی اپنی ابتدائی شکل میں موجود ہے۔ نواب اعظم الدولہ، میر محمد خان بہادر سرورؔ کے اس تذکرے کے بارے میں یادداشت ایک بار پھر تازہ کر لی جائے کہ اس کی ابتدا ۱۲۱۵ ہجری میں ہوئی تھی۔ اور اس کا اختتام ۱۲۲۴ ہجری میں ہوا تھا۔ گویا یہ رباعی ۱۲۲۴ھ سے پہلے کی ہے اور یہ مخطوطے میں موجود نہیں ہے۔ "مخطوطے" میں یہ رباعی موجود ہے:

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال
ایّام جوانی رہے ساغر کش حال
آ پہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم
اے عمرِ گزشتہ یک قدم استقبال

"مخطوطے" میں یہ رباعی پندرہویں نمبر پر ہے۔ دیوانِ غالب میں یہ رباعی (رباعیات کے تحت) پہلی ہے اور ذہن کو مناسب طور پر استعمال کئے بغیر اس کو غالب کی قدیم ترین رباعیوں میں سے سمجھ کر اس مخطوطے میں "بخطِ غالب" نقل کرا دیا گیا۔ جس کی کتابت ۱۲۳۱ ہجری میں، ختم ہوئی۔ (؟)

اِس رباعی کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمایئے۔ اس کے مصرعوں سے اعداد سے تو حاصل نہ ہوں گے لیکن یہ بات بہت واضح ہے کہ میرزا نے یہ ۱۹ برس کی عمر میں نہیں کہی تھی۔ کیا ۱۹ برس کی عمر میں وہ "تا سوادِ اقلیمِ عدم" آ گئے تھے؟ یہ رباعی یقیناً بہت بعد کی ہے۔ اس رباعی کا مخطوطے میں

ہونا "مخطوطے" کے جعلی ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

ایک اور بات آخری رباعی میں ملاحظہ فرمایئے، جو آخری (۱۲۴) رباعی ہے:

گلخن شرر اہتمام بستر ہے آج
یعنی تب عشق شعلہ پرور ہے آج
ہوں دردِ ہلاکِ نامہ بر سے بیمار
قارورہ مرا خونِ کبوتر ہے آج

دوسرے مصرع کی ردیف "آج" سراسر بھرتی کا لفظ ہے۔ اور غالب کے یہاں حشو و زوائد نہیں ہیں۔ اور چوتھا مصرع کسی صورت میں غالب کا نہیں ہو سکتا۔ آخری دو مصرعوں میں "ہلاکِ نامہ بر" اور "خونِ کبوتر" کی وجہ سے ایہام اور ساتھ ساتھ لف و نشر کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ایہام اور صنائع بدائع غالب کی شاعرانہ طینت کے خلاف ہیں۔ پھر قارورہ والی بات غالب جیسے شاعر سے منسوب نہیں کی جا سکتی۔ ان وجوہ کی بنا پر کلام غالب کی حیثیت سے یہ رباعی مسترد کی جاتی ہے۔

ایک بات اور ہے۔ غزلیں ردیف وار لکھی گئی ہیں، لیکن رباعیوں میں یہ التزام نہیں ہے، دیوانِ غالب میں بھی غزلیں ردیف وار ہیں، لیکن رباعیوں میں یہ التزام نہیں ہے۔ اور نسخہ چونکہ دیوانِ غالب کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے اس لئے اس میں اس کی پیروی کی گئی ہے۔ قاعدے سے میرزا کے سامنے ردیف وار دیوان مرتب کرتے وقت عبدالقادر بیدل کا دیوان ہونا چاہئے تھا بیدل کے قدیمی دیوان میں غزلوں کی طرح رباعیاں بھی ردیف وار ہیں۔ اگر یہ مخطوطہ غالب کے ہاتھ کا ہوتا تو اس میں رباعیوں کے سلسلے میں بھی بیدل کے دیوان کی پیروی ہونا چاہئے تھی۔ اس بات سے بھی مخطوطے کا بخطِ غالب نہ ہونا ثابت ہے۔

جہاں رباعیاں ختم ہوتی ہیں وہاں یہ الفاظ درج ہیں:

"تمت تمام شد"

اس حقیر کی ذاتی لائبریری میں بیس سے زیادہ اہم قدیم قلمی نسخے ہیں ان میں کچھ میں جو کاتبوں نے نقل کئے ہیں "تمت" یا "تمت بالخیر" کے ساتھ ساتھ "تمام شد" بھی

لکھا ہے۔ لیکن ایسا صرف اُن نسخوں میں ہے، جو کاتبوں نے نقل کئے ہیں۔ کسی عالم نے تمت
تمام شد ساتھ ساتھ نہیں لکھا ہے۔ تمت عربی لفظ ہے اور اس کے معنے بھی وہی ہیں، ج
میں تمام شد کے ہیں۔

یہ حقیقت میرزا اسد اللہ خاں غالب کو عربی اور فارسی کی مبادیات سے ناواقف تسلیم نہیں کر
لئے یہ بات بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ میرزا اپنے قلم سے "تمت تمام شد" لکھتے۔

"تمت تمام شد" میں قادر نامے کی سی کیفیت ہے۔ جس طرح سرینگر (کشمیر) میں ڈل کے
کنارے جانے والی سڑک کو جسکے دوسرے کنارے پر مغل باغات ہیں اور جس کا نام کرن س
بولیورڈ ہے، کچھ لوگ بولیورڈ روڈ کہتے ہیں۔ اسی طرح "تمت تمام شد" ہے۔

وہ غالب جو فارسی پر دسترس رکھتے تھے اور عربی سے بھی واقف تھے۔ (قادر نامہ بھی انھوں
لکھا تھا) "تمت تمام شد" نہیں لکھ سکتے تھے۔ چونکہ ایک پرانا نسخہ برآمد کرنا تھا، اس لئے
پرانے نسخے میں "تمت تمام شد" لکھا دیکھ کر اس مخطوطے پر بھی لکھوا دیا۔ اگر تمت اور تما
دونوں لکھنا ضروری تھے۔ تو کسی حد تک جائز ملتا، اگر رباعیوں کے اختتام پر ان میں سے ایک
اور ترقیمے کے بعد دوسرے کو لکھا جاتا۔

اس تمت تمام شد کے بعد ترقیمہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

بتاریخ چہار دہم رجب المرجب یوم سہ شنبہ سنہ ہجری وقت دو پہر روز باقیماندہ فقیر
اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ متخلص بہ اسد عفی اللہ عنہ، از تحریر دیوانِ حسرت عنوان
فراغت یافتہ۔ بہ فکر کاوشِ مضامینِ دیگر رجوع بجناب روحِ میرزا علیہ الرحمۃ۔

آورد ۵

اس ترقیمے میں دن، تاریخ، وقت سب کچھ ہے، لیکن "سنہ ہجری" لکھنے کے باوجود
کتابت درج نہیں ہے۔ اس بھول کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے غالب کے
پڑھے ہیں، وہ جانتے ہیں، کہ تاریخ کے ساتھ وہ بالعموم سنہ بھی لکھا کرتے تھے۔
خط میں کہیں کہیں سنہ کے بجائے "سال حال" بھی ہے۔ خطوں پر چونکہ "مہریں" ہوتی تھیں۔ او
کو خط لکھے جاتے تھے۔ وہ سال جانتے تھے۔ ترقیمے میں سنہ کا درج نہ ہونا، غالب کے مزاج
مطابق نہیں ہے۔

الف کے مولف "عفی اللہ عنہ" کو بھی اس بات کا ثبوت سمجھتے ہیں، کہ مخطوطے کے کاتب

خود میرزا ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں۔ "۔۔۔۔۔ عفی اللہ عنہ کے الفاظ بھی اس بات پر گواہ ہیں، کہ مصنف خود ہی کاتب بھی ہے۔"

معلوم نہیں یہ غیر معقول نتیجہ کیسے نکالا گیا۔ عفی اللہ عنہ، یا عفی عنہ صرف اپنے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

غالب کے ایک دوست سید ذوالفقار الدین حیدر موسوی (المعروف حسین مرزا) تھے۔ وہ دیوان کے انتخاب میں بھی شامل تھے۔ جب انتخاب ہو چکا تو انہوں نے اپنے قلم سے ایک نسخہ لکھ کر میرزا غالب کو دیا۔ میرزا نے اس پر اپنے قلم سے پانچ سطریں سند کے طور پر لکھیں اور اپنے دستخط کر کے اور اپنی مہر لگا کر یہ نسخہ حسین مرزا کو یادگار کے طور پر دے دیا۔ اس تحریر میں مرزا نے "حسین مرزا عفی عنہ" لکھا ہے۔ دیوانِ غالب (طاہر ایڈیشن) میں مرزا غالب کی اس تحریر کا عکس شامل ہے، جو آغا محمد طاہر (نبیرۂ آزاد دہلوی) نے آزاد بک ڈپو دہلی سے شائع کیا۔ اس وقت ۱۹۳۶ کا ایڈیشن سامنے ہے۔

ترقیمے میں بھی عقیدت کا اظہار صرف میرزا عبد القادر بیدل علیہ الرحمۃ سے ہے۔ وہ شاعر، جو اسد کی مناسبت سے اپنا تخلص غالب رکھتا ہے، اور بے شمار خطوں میں خود کو بندۂ ابنِ ابی طالب، اسد اللہ خان غالب لکھتا تھا، جس نے یہ شعر کہا تھا، جو مخطوطے میں شامل ہے (اس غلطی کے ساتھ جو نسخۂ عرشی میں ہے، یعنی "فہم تصور")

غالب ہے رتبہ فہم و تصور سے کچھ پرے

ہے عجز بندگی جو علی کو خدا کہوں

اس نے دیوانِ حسرت عنوان" کے خاتمے پر بھی ابن ابی طالب کو بھول کر بھی یاد نہیں کیا؟

اس ترقیمے میں ایک چھوٹی سی بات اور بھی ہے۔ "مرزا نوشہ" میں مرزا ہے (یے کے بغیر) اور "بجنابِ روحِ میرزا علیہ الرحمۃ" میں میرزا ہے (یے کے ساتھ) بیدل کا جو قدیمی دیوان حقیر کے سامنے ہے، اس میں "مرزا عبد القادر بیدل" ہے۔ مرزا اور میرزا میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ایک ہی ترقیمے میں مرزا اور میرزا لکھنا؟ کاتب کر سکتا ہے، میرزا یہ نہیں کرتے، اور یہ بھی ایک ثبوت ہے، اس مخطوطے کے بخطِ غالب نہ ہونے کا۔

" مخطوطہ" اگر غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوتا، تو اس میں ایک بات اور بھی ہوتی، اس پر

میرزا کی پہلی یا دوسری مہر آخر میں ضرور ہوتی۔ اُن کی پہلی مُہر یوں ہے :



اور دوسری مُہر یوں ہے :



میرزا اپنے نواب ہونے پر، اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے پر بجا یا بیجا طور پر فخر کرتے تھے، یہ ان کے کردار کا سب سے کمزور پہلو ہے، اس سلسلے میں انھوں نے بہت سی باتیں اپنے بارے میں فرض کر لی تھیں، اور دوسروں کو باور کرانا چاہتے تھے۔ چنانچہ "ملّا عبدالصمد" جیسا استاد انھوں نے اپنے لئے تخلیق کر لیا تھا (فردوسی کے کردار رستم کی طرح یہ بھی ایک تخیلی کردار ہے)

شاہی فرامین پر مہریں ہوتی تھیں۔ میرزا نے اس بات کا ذکر کئی جگہ کیا ہے، کہ ان کا شجرۂ نسب فریدوں سے جا کر ملتا ہے۔ ایرانی دیو مالا میں فریدوں اور ضحاک دونوں بڑے بادشاہ ہوئے ہیں، ضحاک کی بیٹی کے بطن سے فریدوں کے دو لڑکے تور اور سلم تھے۔ تور کو میرزا اپنا جدِ امجد سمجھتے تھے۔ اسی تور کے نام پر توران کی روایت نے جنم لیا۔ افراسیاب توران کا جلیل القدر بادشاہ تھا۔ قدرتی طور پر افراسیاب بھی میرزا کے شجرۂ نسب کی ایک کڑی تھا۔ ایران اور توران کی رقابت اور آویزش شاہنامۂ فردوسی کا ایک طرح سے بنیادی موضوع ہیں۔ اسی افراسیاب کی نسل سے سلجوقی تھے جنھوں نے گیارھویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی میں ایران پر اپنی حکمرانی قائم کی۔[۱] میرزا کے اپنے ہاتھ کی تحریر ہے۔

" اسد اللہ خان عرف میرزا نوشہ، غالب تخلص، قوم کا ترک سلجوقی سلطان برکیارق سلجوقی

[۱] اس بارے میں تفصیل سے حقیر کمال نے اپنی کتاب "ایران قدیم و جدید" میں لکھا ہے۔

کی اولاد میں سے، اس کا دادا اقوقان بیگخاں شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے دلی میں آیا، پچاس گھوڑے اور نقاروں سے بادشاہ کا نوکر ہوا۔ پہاسو کا پرگنہ جواب سمرو کی بیگم کو سرکار سے ملا تھا، وہ اوسکی جاداد میں مقرر تھا۔۔۔۔۔" (عکس: مرقع غالب ـــ پرتھوی چندر)

شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کی بنا پر غالب بھی مہروں کا استعمال کرتے تھے۔ جو بادشاہوں اور امرا کا دستور تھا۔

جس صفحہ پر یہ تحریر مرقع غالب میں چھپی ہے۔ اس سے فوراً پیشتر کے صفحے پر سید محمد ذکریا خاں کے شاگرد رشید غالب ہونے کی سند ہے۔ جس پر غالب کے دستخط بھی ہیں اور مہر بھی ہے۔ غالب نے اپنے خطوں پر بھی مہروں کا استعمال کیا ہے، جو مرقع غالب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

غالب پنشن کی بحالی کے مقدمے کے سلسلے میں اوائل شعبان ۱۲۴۳ ہجری (۱۸۲۸ء) میں کلکتہ پہنچے تھے، تاکہ گورنر جنرل کی کونسل میں مقدمہ پیش کریں۔ فریق مخالف کا ایک پیرو کار میرزا افضل بیگ پہلے ہی کلکتہ پہنچ چکا تھا۔ اس نے میرزا کے غالب تخلص رکھنے کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اور تخلص کی تبدیلی کو میرزا کے ناقابلِ اعتبار ہونے کے ثبوت میں پیش کیا، کہ جو شخص اپنا نام اور تخلص سال میں کئی کئی بار بدلے اسکی بات کا کیا اعتبار۔ اس الزام کو رد کرنے کے لئے میرزا نے اپنے دیوان کا ایک نسخہ عدالت میں پیش کیا، جس پر میرزا کی پہلی مہر ثبت تھی۔ اس مہر میں "اسد اللہ خاں ۱۲۳۱ عرف میرزا نوشہ" تحریر ہے۔

اس واقعے کا اعتراف عرشی زادہ صاحب نے بھی اپنے مقدمے میں ۲۵ پر کیا ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، کہ حسین میرزا نے انتخاب کلام غالب کا جو نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر غالب کو دیا تھا، اس پر ایک سند لکھ کر انھوں نے حسین میرزا کو واپس کر دیا تھا۔ اس پر انہوں نے اپنے دستخط کے اوپر مہر بھی ثبت کر دی تھی۔

زیر نظر مخطوطے میں میرزا کی کوئی مہر نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا زمانۂ کتابت ۱۲۳۱ ہجری قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہئے، کہ اس مخطوطے کے کم از کم ۱۲۴۵ ہجری تک غالب کے قبضے میں رہنے کو بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ترقیمے میں سال کا نہ بھرا جانا، اور مخطوطے پر کوئی مہر نہ ہونا، اس بات کے آخری ثبوت ہیں کہ یہ مخطوطہ نہ میرزا کے خط میں ہے اور نہ میرزا کے پاس رہا۔

آورده

کتابیات

۱۔ دیوانِ غالب — نسخۂ عرشی
۲۔ دیوانِ غالب — نسخۂ مالک رام
۳۔ دیوانِ غالب — نسخۂ ذاکر حسین
۴۔ دیوانِ غالب — نولکشور پریس
۵۔ دیوانِ غالب — مرقعِ چغتائی
۶۔ دیوانِ غالب — طاہر ایڈیشن
۷۔ "بیاضِ غالب بخطِ غالب" (نسخۂ امروہہ)
(غالب نمبر نقوش لاہور اکتوبر ۱۹۶۹ء)
۸۔ دیوانِ غالب بخطِ غالب (نسخۂ عرشی زادہ)
۹۔ مرقعِ غالب — مرتبہ پرتھوی چندر
۱۰۔ مکاتیبِ غالب — (امتیاز علی خاں عرشی)
۱۱۔ اردوئے معلّٰی — مکتبہ مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء
۱۲۔ خطوطِ غالب — (مہیش پرشاد ۱۹۴۱ء)
۱۳۔ متفرقاتِ غالب — (سید مسعود حسن رضوی)
۱۴۔ عودِ ہندی
۱۵۔ کلیاتِ نثرِ فارسی
۱۶۔ دیوانِ بیدل — مطبع حسنی بمبئی ۱۲۹۲ھ
۱۷۔ یادگارِ غالب — خواجہ الطاف حسین حالی
(مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ ۱۹۳۰ء)
۱۸۔ غالب۔ — غلام رسول مہر
۱۹۔ خطوطِ غالب۔ — غلام رسول مہر
۲۰۔ حیاتِ غالب۔ — شیخ محمد اکرم
۲۱۔ ارمغانِ غالب — " " "
۲۲۔ غالب نامہ — " " "
۲۳۔ عمدۂ منتخبہ (تذکرہ سرور) محمد اعظم خاں بہادر سرور
مرتبہ خواجہ احمد فاروقی
۲۴۔ گلشنِ ہمیشہ بہار۔ — نصر اللہ خاں خویشگی
۲۵۔ بہارِ بے خزاں — احمد حسین سحر
۲۶۔ گلشنِ بے خار — نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ
۲۷۔ غالب (انگریزی) — محمد مجیب
۲۸۔ مآثرِ غالب۔ — مرتبہ قاضی عبدالودود
۲۹۔ ذکرِ غالب۔ — مالک رام
۳۰۔ تلامذۂ غالب۔ — مالک رام

مضامین

سید احتشام حسین، آل احمد سرور، نورالحسن ہاشمی، عبدالقادر سروری، محمد حسن، خلیل الرحمٰن اعظمی، خورشید الاسلام، رشید احمد صدیقی، وحید قریشی، ظ انصاری، عبادت بریلوی، شوکت سبزواری، سردار جعفری، اکبر حیدری کاشمیری، شمس الرحمٰن فاروقی، محمد مجیب، امتیاز علی خاں عرشی، قمر رئیس، گوپی چند نارنگ، مسعود حسین خاں، حمیدہ سلطان احمد، ضیا احمد بدایونی، گیان چند، انصار اللہ نظر، احمد علی، کنور محمد اشرف، فیض احمد فیض، [illegible]، دی شنکر، سجاد ظہیر، فراق گورکھپوری، علی جواد زیدی